صدرِ پاکستان

جنرل محمّد ضیاالحق

تقاریر

گیارہواں حصّہ

یکم اپریل — ۳۰ جون ۱۹۸۰ء

صدرِ پاکستان

جنرل محمدّ ضیاء الحق

تقاریر

گیارہواں حصّہ

یکم اپریل — ۳۰ جون ۱۹۸۰ء

فہرست

پیش لفظ

اس مجموعے میں صدرِ پاکستان، جنرل محمد ضیاء الحق کی وہ تمام تقریریں شامل ہیں جو انہوں نے ۱۹۸۰ء میں اپریل، مئی اور جون کی سہ ماہی میں کیں۔ پاکستان کی تاریخ میں یہ عرصہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔

چند ماہ پیشتر ایک سُپر پاور نے ایک غیر جانبدار ملک اور پاکستان کے قریبی ہمسائے اور برادر اسلامی ملک افغانستان پر فوج کشی کر کے اس علاقے کا نقشہ ہی بدل دیا تھا اور پاکستان کی مغربی سرحد پر حالات مخدوش ہو گئے۔ چنانچہ صدرِ پاکستان کی اس سہ ماہی کی تقریروں میں اس صورتِ حال پر تشویش کا واضح اور برملا اظہار ملتا ہے۔ اسی دوران جو بین الاقوامی اجتماعات پاکستان میں ہوئے یا جن میں پاکستان نے شرکت کی، اُن میں بھی اس جارحیت اور اس سے پیدا ہونے والے سنگین حالات کی صدائے بازگشت ملتی ہے۔

دوسرا اہم واقعہ پاکستان میں نظامِ زکوٰۃ و عشر کے نفاذ کا تاریخی اعلان ہے۔

نظامِ زکوٰۃ وعشر کے نفاذ کا اعلان صدرِ پاکستان نے مرکزی جامع مسجد اسلام آباد کے منبر سے کیا۔ صدرِ پاکستان کی یہ تاریخی تقریر بھی اس مجموعے میں شامل ہے۔ برِّصغیر کی تاریخ میں یہ ایک اہم قدم تھا اور اسلامی نظامِ معیشت کے سلسلے کی اہم پیش رفت!

اس سہ ماہی میں صدرِ پاکستان نے مختلف علاقوں میں بلدیاتی اداروں کے منتخب نمائندوں سے ملاقاتیں کیں اور جمہوریت کے اس بنیادی ادارے کو مستحکم اور مؤثر بنانے کے لئے صلاح مشورہ کیا۔ پاکستان میں سالہا سال کے تعطّل کے بعد پہلی دفعہ ۱۹۷۹ء کے آخر میں بلدیاتی اداروں کے انتخابات ہوئے تھے اور اِن جمہوری اداروں کی تشکیل حال ہی میں مکمل ہوئی تھی۔ اس مجموعے میں شامل پانچ تقریریں اسی موضوع سے متعلق ہیں۔

اسی سہ ماہی میں پاکستان میں اہم بین الاقوامی کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔ ان میں بین الاقوامی سائنسی وفنّی سیمینار بھی تھے اور بین المِلّی اسلامی کانفرنسیں بھی! ان تقاریب میں صدرِ پاکستان کی تقریروں میں بین الاقوامی اور بین المِلّی اتحاد و تعاون کا دلآویز نقشہ ابھرتا ہے۔ مجموعی طور پر اس مجموعے کی تقریریں پاکستان کے ایک اہم دَور کی داخلی اور خارجی پالیسیوں کی آئینہ دار ہیں۔

کتاب کے آخر میں انڈیکس بھی شامل ہے جو یقیناً محقّقین کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

ادارہ

کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج جامعہ ایسوسی ایشن کے اراکین سے خطاب

راولپنڈی : یکم اپریل، ۱۹۸۰ء

شمالی امریکہ میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج جامعہ ایسوسی ایشن کے اراکین کالج کی تقریب میں شامل ہونے کے لئے تشریف لائے۔ اُن کے اعزاز میں صدرِ پاکستان، جنرل محمد ضیاء الحق نے سی ایم ایل اے ہاؤس راولپنڈی میں عشائیہ دیا جس میں معروف پاکستانی ڈاکٹروں اور طبّی تعلیم کے ذمہ دار افسروں نے بھی شرکت کی۔ اس اجتماع کا مقصد اس بات پر غور کرنا تھا کہ پاکستان میں طبّی تعلیم، طبّی تحقیق اور علاج معالجے کے سلسلے میں امریکہ میں مقیم مشہور پاکستانی ڈاکٹروں کے علم اور تجربے سے کیسے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹروں نے اس بارے میں مختلف تجاویز صدرِ پاکستان کی خدمت میں پیش کیں۔ صدرِ پاکستان نے تجاویز پر اپنے ردِّ عمل کا اظہار کیا اور مہمان ڈاکٹر صاحبان کا شکریہ ادا کیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیۡنَ

معزز حاضرین !

السّلام علیکم میں آپ کو راولپنڈی تشریف لانے پر خوش آمدید کہتا ہوں ۔ آپ کو یہاں مدعو کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کی پاکستان میں تشریف آوری پر آپ کا شکریہ ادا کروں، آپ سے بالمشافہ گفتگو ہو اور اس بات کے بارے میں تبادلۂ خیال کیا جائے کہ پاکستان آپ کے علم اور تجربے سے کس طرح فائدہ اٹھا سکتا ہے ۔ یہاں اس وقت تمام اہم وفاقی وزارتوں کے نمائندے موجود ہیں ۔ چند دوسرے نمائندوں، خصوصاً میڈیکل کالجوں کے تمام پرنسپل صاحبان اور راولپنڈی کے معروف ڈاکٹروں اور سرجنوں سے آپ کی ملاقات میری طرف سے دیئے گئے عشائیہ میں ہو گی ۔ یہاں سیکرٹری تعلیم تشریف رکھتے ہیں اعلیٰ تعلیم کے مشیر موجود ہیں اور سیکرٹری ہیلتھ کی نمائندگی جنرل اقبال کر رہے ہیں ۔ یہاں ہم اس امر پر بات چیت کریں گے کہ پاکستان میں طبّی تعلیم اور طبّی سہولتوں کو فروغ دینے کے لئے پاکستان سے باہر آپ نے جو قیمتی تجربہ حاصل

کیا ہے، اس سے کیسے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ البتہ زیادہ اخراجات والے منصوبے ہم نہیں اپنا سکتے کیونکہ پاکستان کے پاس اتنے مالی وسائل نہیں ہیں۔

اصولاً تو سب طبّی اداروں اور ہسپتالوں کو صاف ستھرا اور جدید سہولتوں سے مزیّن ہونا چاہئے۔ میری آپ سے، خصوصاً اُن ڈاکٹر صاحبان سے جو شمالی امریکہ سے تشریف لائے ہیں، یہی درخواست ہے کہ آپ کھُل کر بات کیجئے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم نہ صرف آپ کی بات پوری توجّہ سے سنیں گے بلکہ اپنے وسائل کی حدود میں رہتے ہوئے آپ کی تجاویز پر عمل کرنے کی بھی کوشش کریں گے۔ ہمارے پاس بہت وقت ہے۔ کھانے میں ابھی ایک گھنٹہ باقی ہے۔

ایک ڈاکٹر: میں اپنی طرف سے اور جامعہ کے گروپ کی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ہم نے آپ کی میزبانی کا لطف اٹھایا اور کھلی بات چیت ہوئی۔ اس سے اُن چند مسائل کی نشاندہی ہوئی ہے جو طب کے پیشے کو یہاں درپیش ہیں۔ یہاں طب کے پیشے کے بہترین دماغ موجود ہیں۔ ہم نے یہاں اپنے دورے کے دوران ملٹری ہسپتال، کمبائنڈ ملٹری ہسپتال اور میڈیکل کالج دیکھا۔ ہم سب کا یہ تاثر ہے کہ یہ ادارے ریاستہائے متحدہ امریکہ کے کسی بھی ادارے سے کم تر نہیں ہیں۔ اُن حضرات کو مبارک باد پیش کرتا ہوں جو ان اداروں کے منتظمین ہیں۔

اب میں اپنے ادارے کے بارے میں کچھ گزارشات پیش کرنا چاہتا ہوں۔

شمالی امریکہ کی کِنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کی ایسوسی ایشن ایک تعلیمی خیراتی تنظیم ہے جس کے مقاصد میں سیاست یا منافع کمانا شامِل نہیں۔ ہم ان مقاصد کی تکمیل کے لئے کام کرتے ہیں۔

کراچی اور لاہور میں ہم نے جو سمپوزیم منعقد کئے ان سے ہمارے دستوری مقاصد کی تکمیل کے علاوہ تعلیمی تبادلۂ خیال مستقبل کے حفظانِ صحت اور تحقیقی منصوبوں کی تکمیل کے لئے تجربے کے طور پر کیا گیا۔ ہم ان مقاصد کے حصول میں اب تک کامیاب رہے ہیں۔ اب پروفیسر سیال نے پاکستان میں طبّی شعبے کو درپیش مسائل کی طرف اپنی توجہ مبذول کی ہے۔ ان مسائل کے حل کے لئے آپ کی مخلصانہ کوششوں کی ہم قدر کرتے ہیں۔ آپ نے ہماری ایسوسی ایشن کو اس مقصد کے لئے ایک کمیشن نامزد کرنے کی ذمہ داری سونپی ہے۔ ہم اسے اپنی عزّت افزائی سمجھتے ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ ایک اہم ذمہ داری ہے۔ ہم نے آپس میں تبادلۂ خیال کیا، اپنے رفقائے کار، اساتذہ اور صحت کے شعبے کے منتظمین سے مشورے کئے اور اس معاملے پر غور کرتے ہوئے کچھ بے خواب راتیں گزاریں۔

حفظانِ صحت اور علاج معالجے کے چار بڑے شعبے ہیں۔ اول بنیادی حفظانِ صحت کے اقدامات، دوئم بیماری کی روک تھام کے اقدامات، تیسرے انڈر گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ طبّی تعلیم اور چوتھے تحقیق۔ یہ اہم اور علیحدہ علیحدہ

شعبے ہیں۔ ان کا آپس میں تعلق بھی ہے اور ایک دوسرے پر انحصار بھی۔ ماضی میں بھی طبّی کمیشن اور کمیٹیاں قائم کی گئیں جنہوں نے طبّی مسائل کو حل کرنے کی کوششیں کیں۔ انہوں نے مفید بنیادی کام کیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اُن کی سفارشات کا ازسرِ نو جائزہ لیا جائے اور موزوں ردّ و بدل کے بعد اُن پر عمل درآمد کیا جائے۔

ہمیں زمان و مکاں کے بُعد کا سامنا ہے۔ ہمارے بہت سے ممبر دس پندرہ سال سے پاکستان نہیں آئے۔ کچھ بہت مختصر وقفوں کے لئے اپنے عزیز و اقارب سے ملنے کے لئے آئے۔ ہمارے پاس طبّی ماہرین کی ادھوری فہرستیں ہیں۔ صرف راولپنڈی، لاہور اور کراچی میں چند دن گزار کر ہم پورے پاکستان میں صحتِ عامہ کے مسائل کا حل پیش نہیں کر سکتے۔ جن طبّی ماہرین سے ہم مل نہیں پائے اور جن کے حالاتِ زندگی اور پیشہ ورانہ مہارت کی تفصیلات ہمارے پاس موجود نہیں، ان کے بارے میں رائے زنی بے انصافی کی بات ہو گی۔ یقین کیجئے ہم اپنی ذمہ داری سے بچنے کی کوشش نہیں کر رہے۔ ہم کمیشن کے ممبر نامزد کرنے کی بجائے اس معیار کا تعین کر سکتے ہیں جس کے مطابق انہیں منتخب کیا جائے۔

ہماری کوشش ہے کہ پیشہ ورانہ میٹنگوں میں جو خیر سگالی کے جذبات پیدا ہوئے ہیں، انہیں نہ صرف برقرار رکھا جائے بلکہ

مستقبل میں انہیں فروغ دیا جائے اور نہ صرف سمپوزیم منعقد کئے جائیں بلکہ ورکشاپ کا بھی انعقاد کیا جائے اور پروفیسر اور سکالر دورے پر آئیں جائیں۔ ہمارے کچھ رفیق پاکستان میں تین سے چھ ماہ تک ٹھہرنے کے لئے تیار ہیں۔ مجھے یہی عرض کرنا تھا۔ میں ایک بار پھر آپ کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ لاہور سے راولپنڈی کا سفر پُرلطف کٹا ہم پی اے ایف کے جہاز میں سفر کرنے کو ترجیح دیں گے، لیکن وہ کاروباری جہاز نہیں چلاتے۔ اس جہاز کی اڑان اور اترنا بہت ہی ستھرا تھا۔ شکریہ!

صدر : فوجی جہاز کا تو شور بہت ہوتا ہے۔

ڈاکٹر : درست ہے۔ پھر بھی یہ بہترین پرواز تھی۔

دوسرا ڈاکٹر : جناب صدر! میں بھی آپ کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ یہاں آپ کی بہ نفسِ نفیس موجودگی نے ہم سب کو بہت متاثر کیا ہے۔ تعلیمی کمیٹی کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج ایسوسی ایشن کی حیثیت کی بھی حامل ہے اور انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہر سال سمپوزیم منعقد کیا جائے گا۔ چنانچہ سب تو نہیں، لیکن ہم میں سے کچھ ممبران ہر سال یہاں حاضر ہوں گے۔ ڈاکٹر ظہیر الحسن نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ اگلے سال مارچ میں پھر پاکستان تشریف لائیں گے۔

ہم نے اپنے قیام کے دوران بہت سی جگہیں دیکھیں اور

بہت سی چیزوں کا ہمیں علم نہیں تھا کہ وہ پاکستان میں موجود ہیں۔ کچھ ایسے شعبے ہیں جن میں ہم مدد دے سکتے ہیں ہم نے ہسپتالوں کے ذمہ دار افراد سے بات چیت کی ہے کہ ہم ان کے منصوبوں کے لئے کیا مدد دے سکتے ہیں۔ ہمارے لئے یہ مشکل نہیں کیونکہ جہاں ہم کام کرتے ہیں وہاں یہ چیزیں عام ہیں۔ امداد کی ایک صورت تو یہی ہے کہ ہم تربیت کے لئے اپنے اُن شعبوں میں یہاں سے کچھ افراد کو دعوت دیں جن میں دوسرے کئی ممالک کے ڈاکٹر تربیت حاصل کر رہے ہیں۔ پاکستان سے اگر طلبا وہاں تشریف لائیں تو ہمیں خوشی ہوگی۔ وہاں مخصوص شعبوں میں معیّنہ مدّت کے لئے تربیت دی جائے گی۔ مدد کی دوسری صورت یہ ہے کہ خاص منصوبوں کا انتخاب کر لیا جائے اور ہسپتالوں میں خاص تیکنیک رائج کرنے میں مدد دی جائے۔ ہم ایسے لوگوں کو یہاں بلوا سکتے ہیں جو اُس منصوبے کے قیام کے ماہر ہوں۔ اگر اُس منصوبے کے لئے درکار ساز و سامان بہت مہنگا نہ ہو تو وہ بھی ہم لا سکتے ہیں۔ اُس ساز و سامان کو درآمد کرنے میں حکومت کی مدد کی ضرورت ہوگی۔ ہماری ٹیم اس منصوبے کے قائم کرنے اور اُس کی تیکنیک میں مقامی لوگوں کو تربیت دینے کی ضروری مدّت تک یہاں ٹھہرے گی اور اُن کے جانے کے بعد مقامی تربیت یافتہ عملہ اُسے چلائے گا۔

اس سلسلے میں یہ ضروری ہوگا کہ مقامی ادارے اپنی

ضروریات کا واضح طور پر اظہار کریں۔ اِس مقصد کے لئے رابطے کی ایک تنظیم کی ضرورت ہوگی جیسا کہ ڈاکٹر مرزا نے ابھی کہا ہے۔ اس رابطہ کمیٹی کو مقامی ادارے اپنی ضروریات بتائیں گے۔ یہ کمیٹی ان ضروریات کو ہم تک پہنچائے گی اور ہم اس پر ضروری کارروائی کریں گے۔ بہت سے ماہرین اپنے خرچ پر پاکستان آنے کے لئے تیار ہوں گے، لیکن پاکستان میں رہائش اور آمد و رفت کی سہولیات کے لئے اُن کو مدد درکار ہوگی۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کراچی تک وہ خود پہنچ جائیں اور اس کے بعد کے اخراجات کی کفالت پاکستان کرے۔

تحقیق کا ایک اہم شعبہ کینسر اور اس سے بچاؤ ہے۔ مجھے علم ہے کہ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ تحقیق صرف ترقی یافتہ ملکوں میں ہی کی جا سکتی ہے، لیکن اس امر کا انحصار تحقیق کی نوعیت پر ہے۔ پاکستان میں بھی تحقیق کا وسیع میدان موجود ہے۔ کافی انسانی ذرائع یہاں موجود ہیں، محققین موجود ہیں، مریض موجود ہیں، امراض موجود ہیں۔ ان ذرائع کو نہ صرف تحقیق کے لئے کام میں لایا جا سکتا ہے بلکہ ان سے تحقیق کے لئے مزید وسائل پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً ادویات کی بہت سی ایسی کمپنیاں ہیں جو اپنی نئی ادویات کے تجربے کے لئے موزوں جگہوں کی تلاش میں ہیں۔ وہ ایسے ممالک میں طویل تجربے نہیں کر سکتیں جہاں ان کے خلاف قاعدے قانون اور کنٹرول

نافذ ہیں۔ ایسے مطالعہ جات یہاں کئے جا سکتے ہیں! ایسی کمپنیاں تجربات کے لئے ضروری سرمایہ اور ساز و سامان فراہم کرنے کے لئے تیار ہوں گی۔

طبّ میں جو سائنسی علم حاصل کیا گیا ہے وہ مختلف شعبوں سے حاصل ہوا ہے۔ یہ علم کسی ایک شعبے کے معالجوں کی ملکیت نہیں۔ یونیورسٹیوں میں فزیالوجی، بائیوکیمسٹری، مائیکرو بائیولوجی اور دوسرے شعبوں کے درمیان ربط قائم رہنا چاہئیے بلکہ اسے مزید فروغ ملنا چاہئیے جیسا کہ بہت سے دوسرے ممالک میں ہے، لیکن ان شعبوں کو طبّی تعلیم کے اداروں سے بھی رابطہ قائم رکھنا چاہئیے تاکہ ان کے طبّی ادارے تحقیقی مراکز کو اپنے مسائل سے آگاہ کرتے رہیں گے اور یوں دونوں میں عمل اور ردِ عمل کا سلسلہ قائم ہو جائے گا۔ امریکہ میں مالی وسائل کے حصول کا دوسرا ذریعہ صنعت اور تحقیق کے درمیان رابطہ ہے۔ صنعت فروغ نہیں پا سکتی جب تک انہیں بنیادی تحقیقات مہیّا نہ ہوں۔ دوسری طرف تحقیق مالی وسائل کے بغیر ممکن نہیں۔ اِن دونوں کا ربط تحقیقی عمل کے فروغ کا بہترین ذریعہ ہے۔ صنعتیں سرمایہ لگاتی ہیں تاکہ تحقیقی عمل فروغ پائے۔ محققین اپنی تحقیق کے نتائج صنعت تک پہنچاتے ہیں تاکہ وہ ترقی کر سکے۔ صنعت ان کو کام میں لا کر منافع کماتی ہے۔ اس منافع کا کچھ حصہ دوبارہ تحقیقی اداروں کو مزید کام کے لئے دیا جاتا ہے۔ چنانچہ جو تحقیقی ادارہ زیادہ محنت

کرتا ہے، زیادہ ایجادات کرتا ہے، اُسے زیادہ سرمایہ مہیا ہو جاتا ہے اور وہ شہرت پاتا ہے۔ امریکہ میں تحقیقاتی ادارے اسی طرح نشوونما پاتے ہیں۔ فزکس کے شعبے سے باہر سائنسدانوں کی تحقیقات سے بھی فائدہ اٹھایا جانا چاہیئے۔

مقامی مسائل کے حل کے لئے بھی یہی طریقہ آزمایا جا سکتا ہے۔ مثلاً دواسازی کی صنعت طبّی مسائل کے حل کے لئے تحقیقی اداروں کی مدد کرے اور پھر اُن کی ایجادات کے مطابق دوائیاں بنا کر نفع کمائے۔ میں ان نکات کو حاضرین کے سامنے پیش کرتا ہوں اور ضرورت پڑے تو مزید وضاحت کے لئے تیار رہوں۔

تیسرا ڈاکٹر: اس معاملے میں بہت سے مسائل ہیں، لیکن وہ ناقابلِ حل نہیں۔ مسائل پر مختلف پہلوؤں سے غور ہو سکتا ہے۔ جس پہلو میں مجھے دلچسپی ہے، وہ تعلیم ہے۔ طبّ کے طلبا کی تعلیم اور ڈاکٹروں کی تعلیمِ طبّ بہت تیزی سے ترقی کر رہی ہے۔ آج جس بات کو معیاری سمجھا جاتا ہے کل وہ ازکار رفتہ ہو جاتی ہے۔ میرا تاثر یہ ہے کہ میڈیکل کالج اور پوسٹ گریجویٹ سطح پر تعلیم کے معیار کو بہتر کرنے کی بہت گنجائش ہے۔ تعلیم کے شعبے میں ترقی ملازمت کی سینیارٹی کے مطابق ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ کسی قسم کی تحقیق کئے بغیر ترقی پا کر پروفیسر بن جاتے ہیں۔ میرے خیال میں ترقی کا معیار اہلیت اور تعلیمی شعبے یا طبّی شعبے میں قابلِ ذکر تحقیق ہونا چاہیئے۔ بنیادی تحقیق انتہائی ضروری ہے۔ کسی شخص کو بھی

ڈیمانسٹریٹر سے اسسٹنٹ پروفیسر یا ایسوسی ایٹ پروفیسر کے عہدے پر ترقی نہیں دینی چاہیئے جب تک کہ اس نے ریسرچ کے کسی شعبے میں تحقیقی کارکردگی نہ دکھائی ہو۔ ترقی کا تعلق اہلیت سے ہونا چاہیئے نہ کہ سینیارٹی سے۔ کارکردگی تعلیم کے شعبے میں ہو یا طب کے شعبے میں۔

میں نے دیکھا ہے کہ یہاں اچھے تحقیقی مراکز کی بہت کمی ہے۔ اس کی مختلف وجوہات ہوسکتی ہیں۔ میرے خیال میں ایک پوسٹ گریجویٹ تحقیقی مرکز ہونا چاہیئے جس میں اُن لوگوں کو تعینات کیا جائے جن کا ملک کے اندر یا باہر کم از کم آٹھ سال کا تحقیقی تجربہ ہو۔ وہ اچھے استاد اور تحقیق کا میلان رکھنے والے افراد ہونے چاہئیں۔ اگر ایسا مرکز قائم ہوجائے تو اس کا ادارے سے متعلق افراد پر، طالبعلموں پر اور قائدینِ طب پر بہت اچھا اثر پڑے گا۔ ایسا مرکز قائم کرنے میں ہم بیرونِ ملک والے ہر قسم کی خدمت اور مدد کے لئے تیار ہیں۔

مجھے معلوم ہے کہ اس میں بہت سی مشکلات ہیں۔ اچھے استادوں کو ہمارے زمانے میں ایک سو کی پُرہجوم کلاس کو پڑھانا پڑتا تھا۔ پتہ چلا ہے کہ اب یہ تعداد کچھ جگہوں پر تین سو تک پہنچ گئی ہے۔ تاہم ایک اعلیٰ معیار کا تحقیقی مرکز قائم کرنا نہایت ضروری ہے۔ مجھے جناح پوسٹ گریجویٹ سنٹر دیکھنے کا موقع ملا۔ وہاں بہت سی چیزوں سے مجھے مایوسی ہوئی۔ لاہور

میں بھی ایک چھوٹا سا مرکز ہے۔ اس لئے میرا مشورہ یہی ہے کہ اگر آپ کو مطلوبہ اہلیت کے لگن والے افراد مل جائیں جو خلوص اور محنت سے کام کرنے پر آمادہ ہوں تو حفظانِ صحت کے شعبے میں کافی کامیابی ہو سکتی ہے کیونکہ اچھے طبّی علم کے حصول کے لئے اچھے ڈاکٹروں کی ضرورت ہوتی ہے اور اچھے طبّی علم سے ہی اچھے ڈاکٹر پیدا ہوتے ہیں۔

صدر: آپ کا بہت شکریہ۔ اگلے مقرر کی تقریر سے پہلے میں اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں تاکہ دو طرفہ گفتگو کا سلسلہ برقرار رہے۔ میں نے پاکستان میں طبّی شعبے کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ہماری قومی زندگی کی چند خصوصیات ہیں جو طبّی شعبے میں بھی موجود ہیں۔ ایک خصوصیت یہ ہے کہ ہم رتبوں اور عہدوں کو بہت عزیز رکھتے ہیں۔ میں اپنی مثال دیتے ہوئے کہتا ہوں کہ عزت کی خاطر میرے نام کے ساتھ جنرل کا لفظ لگنا ضروری ہے۔ اس سے میرے رتبے کا اظہار ہوتا ہے۔ ہمیں گریڈ ۲۴ میں ہونا چاہئے، کیونکہ اس سے بلند مرتبہ ظاہر ہوتا ہے۔ میں ایک عام اصول کی بات کر رہا ہوں جس کی قابلِ عزت مستثنیات ضرور ہیں، خصوصاً طب کے شعبے میں۔ چند افراد ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں طبّ کی خدمت کے لئے وقف کر دی ہیں، لیکن عام طور پر تدریس کے لئے ایسے افراد کی تلاش مشکل ہو گی جو مالی قربانی دے کر تعلیم و تدریس

کے پیشے کی طرف آئیں۔

جہاں تک سینیارٹی کی بنا پر ترقی کا سوال ہے، ہر شخص ترقی چاہتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ پہئیے میں بہت سی دُھرے ہوتی ہیں جن سے وہ سہولت سے چلتا ہے۔ یہاں راولپنڈی میں مرکزی گورنمنٹ ہسپتال ہے۔ اپنے تمام وسائل اور تمامتر کوشش کے باوجود میں اِسے مکمل تدریسی ہسپتال نہیں بنا سکا۔ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ چونکہ اس نے اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے اتنے سال کام کیا ہے، لہٰذا اب اُس کا حق بنتا ہے کہ اُسے ایسوسی ایٹ پروفیسر کے عہدے پر ترقی دی جائے۔ اس کے بعد وہ پروفیسر ہونا چاہتا ہے تاکہ اُسے گریڈ بیس مل سکے، کیونکہ اُس کے ساتھی جو فوج میں گئے تھے وہ بریگیڈیئر بن چکے ہیں جو گریڈ بیس کے برابر ہے۔ آپ حضرات جو باہر سے تشریف لائے ہیں، مَیں انہیں اس تجزیئے سے یہ احساس دلانا چاہتا ہوں کہ ملازمت کے ڈھانچے میں بنیادی مسائل ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان پر قابو نہیں پایا جا سکتا۔ ان کا حل یقیناً ممکن ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے وسائل محدود ہیں۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ پروفیسر سیال کی کیا تنخواہ ہے۔ اگر آپ کو میری تنخواہ اور الاؤنس کا علم ہو جائے تو آپ سوچیں گے کہ آپ امریکہ میں اپنے پیشے میں جو کما رہے ہیں اُس میں آپ آسانی سے پاکستان کے آدھ درجن صدر ملازم رکھ سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ پاکستان میں ڈاکٹروں کو بہت سی دشواریوں کا سامنا ہے۔ وہ پہلے پری میڈیکل ایف ایس سی پاس کرتے ہیں۔ میڈیکل کالج میں داخلہ حاصل کرنے کے لئے انہیں سخت محنت کرکے بہت اعلیٰ نمبروں پر امتحان پاس کرنا پڑتا ہے۔ میڈیکل کالج میں اُنہیں پانچ نہیں بلکہ ساڑھے چھ سال کے قریب عرصہ لگتا ہے۔ پانچ سال تعلیم میں صرف ہوتے ہیں اور کوئی ڈیڑھ برس طلبا کے سیاست میں ملوّث ہونے کی وجہ سے ہنگاموں کی نذر ہو جاتا ہے۔ ساڑھے تین سو روپے ماہانہ کالج کے اخراجات پر اٹھ جاتے ہیں۔ کتابیں اس کے علاوہ ہیں۔ اناٹومی کی ایک کتاب بارہ سو روپے میں آتی ہے۔ مجھے اس لئے معلوم ہے کہ میں نے اپنی بچی کے لئے حال ہی میں خریدی۔ ڈاکٹر بن کر وہ چاہتے ہیں کہ حکومت سے یا عوام سے اتنے پیسے کمالیں تاکہ وہ اعلیٰ تعلیم کے لئے بیرونِ ملک جا سکیں اور باہر جانے کے بعد بہت کم ڈاکٹر واپس آتے ہیں۔ وہاں انہیں زیادہ آمدنی ہوتی ہے۔ مجھے آپ سے کامل اتفاق ہے کہ پاکستان میں طبی تعلیم کا معیار بلند کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے دونوں پوسٹ گریجویٹ مراکز معیاری نہیں۔ ان میں بہتری ہونی چاہئے۔ اس سلسلے میں آپ نے بہت صحیح طریقے سے مسائل کی نشاندہی کر دی ہے۔ ان کا حل پاکستان کے ڈاکٹروں کو ڈھونڈنا ہے۔ میں آپ کی تجاویز کے لئے آپ کا مشکور ہوں۔

ایک ڈاکٹر: میں تحقیق کے شعبے سے منسلک ہوں۔ میں اپنے تجربے کی

روشنی میں چند نکات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جس صورتِ حال کی آپ نے نقشہ کشی کی ہے، وہ امریکہ میں بھی موجود ہے۔ میں اگر وہاں نجی پریکٹس کر رہا ہوتا تو میں تحقیق کے ذریعہ حاصل ہونے والی آمدنی سے دوگنا کما سکتا، لیکن تحقیق میں میرے لئے تسکین کے کئی دوسرے پہلو ہیں۔ ممکن ہے تسکین کے یہ پہلو یہاں غائب ہوں لیکن انہیں پیدا ضرور کیا جا سکتا ہے۔ میں یہ بتانے سے قاصر ہوں گا کہ کیسے۔ لیکن میں امریکہ میں اپنا تجربہ عرض کر رہا ہوں۔ مثلاً جب مجھے ایک نیا ڈیپارٹمنٹ قائم کرنے کے لئے کہا گیا تو میں اپنے شعبے میں سب سے جونیئر تھا، لیکن میں نے تحقیق میں کچھ کامیابی حاصل کی تھی۔ یہ اُسی کا صلہ تھا۔ اس سے کچھ حسد ضرور پیدا ہوا لیکن بہت تھوڑے عرصے کے لئے۔ اس کے بعد سب حضرات حسبِ توفیق میری مدد کرنے لگے۔ مقابلے کی یہ فضا یہاں پر بھی پیدا کی جانی چاہئے۔

اس کے بعد میں نے جو تحقیقات کی اور اس کے نتائج کو شائع کیا تو میری قدر کی جانے لگی۔ جب بھی باہر سے کوئی مہمان آتا تو تعارف کے دوران میری تعریف کی جاتی حالانکہ میں سٹاف میں سب سے کم عمر تھا۔ میری تحقیقات کا ذکر کیا جاتا۔ اس سے میری حوصلہ افزائی ہوتی۔ میں سوچتا کہ مجھے تعریف و توصیف کے قابل ہونا چاہئے۔ مجھے اس معیار پر پورا اترنا چاہئے۔ تحقیق کے شعبے کی حوصلہ افزائی کے لئے کچھ اس نوعیت کا ماحول اور اس قسم کے اعزازات پیدا کرنے کی کوشش کی جانی چاہئے۔ کارکردگی کی ایسی حوصلہ افزائی سے اس میدان میں

پیش رفت ہو سکتی ہے۔

ایک ڈاکٹر: پاکستان میں حفظانِ صحت کے کونسے نظام کو اپنایا جا رہا ہے؟ کیا یہاں مفت طبّی سہولتیں مہیّا کی جائیں گی یا ہیلتھ انشورنس کا نظام رائج کیا جائے گا؟ اس بارے میں حکومت کی پالیسی کیا ہے؟

صدر: میں اس بارے میں کچھ تفصیلات پیش کرتا ہوں۔ ۱۹۷۸ء میں جو پنجسالہ منصوبہ تشکیل دیا گیا تھا، اس میں صحت کے شعبے میں پہلی کوشش یہ تھی کہ شہری اور دیہی آبادی کو صحت کی بنیادی سہولیات مہیّا کی جائیں۔ دوسرا فیصلہ یہ تھا کہ طبّی تعلیم کی بنیاد کو وسیع کیا جائے تاکہ یہ ملکی ضروریات کے مطابق ہو۔ ہم اس کوشش میں ہیں کہ کم وقت اور کم خرچ میں ڈاکٹروں کی بنیادی تعلیم مکمّل ہو سکے۔ تیسرا فیصلہ یہ تھا کہ چونکہ مطلوبہ تعداد میں ایلو پیتھک ڈاکٹر میسّر آنا مشکل ہے، اس لئے ہومیو پیتھک اور حکمت کے نظام سے بھی استفادہ کیا جائے۔ ان نظاموں کے بھی مقرّرہ کورس ہیں۔ جو شخص سند یافتہ ہو اُسے پریکٹس کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ علاج معالجہ سستا ہو۔ تیسرا یہ فیصلہ تھا کہ ہیلتھ سروسز کی مدد سے آبادی کے بے پناہ اضافے پر کنٹرول کیا جائے۔ پاکستان میں آبادی کے کنٹرول کی بات کرنا بھڑوں کے چھتے کو چھیڑنے کے مترادف ہے۔ لہٰذا ہم نے طبّی تعلیم اور ہیلتھ سروس کے وسیلے سے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہماری طبّی پالیسی کے یہ چند نکات ہیں۔ ہمارے پنجسالہ طبّی منصوبے میں یہ سب بنیادی نکات شامل ہیں۔ یہ منصوبہ کاغذ پر بہت خوشنما لگتا ہے، لیکن شاید اس

میں عملی نقطۂ نگاہ سے کچھ کمزوریاں ہوں۔ وسائل کی کمی کی وجہ سے شاید ہم مطلوبہ نتائج حاصل نہ کرسکیں، لیکن اس منصوبے میں صحت کی تمام بنیادی ضرورتوں کا خیال رکھا گیا ہے۔

ایک ڈاکٹر: شمالی امریکہ میں طبّی سہولتیں مہیا کرنے میں سب سے بڑا مسئلہ مالی وسائل کا ہے۔ میرے خیال میں حکومتِ پاکستان اپنے وسائل سے ہر شخص کو طبّی سہولتیں مہیا نہیں کرسکتی۔ اخراجات کا انتظام ہونا چاہئے۔ امریکہ میں ہیلتھ انشورنس کے ذریعے اخراجات پورے کئے جاتے ہیں۔ دوسرے نظام بھی ہیں جن میں طبّی اخراجات حاصل کئے جاتے ہیں۔

صدر: بدقسمتی سے ترقی پذیر ملکوں اور پاکستان میں طبّی نظام ابھی اتنا منظّم نہیں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ حکومتِ پاکستان الٰہ دین کا چراغ ہے جس کے ذریعے سے شہریوں کو تمام سہولیات مہیا کرنے کا انتظام ہو جائے گا۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ حکومت زراعت، طبّ، تعلیم، برآمدات اور دوسرے شعبوں میں پہلے ہی کافی سب سڈی دے رہی ہے۔ ابھی تک ہم لوگوں میں یہ احساس پیدا نہیں ہوا کہ جو دیں گے اسی کے مطابق پائیں گے۔ میں کسی پر تنقید نہیں کرنا چاہتا، لیکن جو جماعت اقتدار میں تھی، اس نے لوگوں میں یہ خوش فہمی پیدا کی کہ یہاں سونا پیدا ہوگا اور مفت ملے گا۔ صرف شور مچانے کی ہمت ہونی چاہئے۔ تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ پاکستان کی حکومت کافی اشیاء اور سروسز پر امدادی رقوم خرچ کر رہی ہے۔

فوج اپنے ڈاکٹروں کے لئے اخراجات کی ضامن ہے۔ ہسپتال اِدھر اُدھر سے جمع ہونے والے چندے کے ذریعے اپنے اخراجات کا کچھ حصّہ پورا کرتے ہیں، لیکن ہمارے ہاں ابھی تک یہ تصور پیدا نہیں ہوا کہ جو خرچ کرو گے وہی ملے گا۔ مجھے امید ہے کہ ایک دن ہم اس مقام پر بھی پہنچ جائیں گے۔

ایک ڈاکٹر: جناب صدر! آپ نے ایلوپیتھی کے علاوہ حکمت اور ہومیوپیتھی کے نظام کا ذکر کیا۔ اس سلسلے میں میرے کچھ رفیقوں کو تشویش ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک ہومیو ڈاکٹر نے دو روپے کے عوض ہومیو دوائیوں کا ایک بھرا ہوا چھوٹا سا بکس وصول کیا۔ اس سلسلے میں ایلوپیتھی کی دوائیوں کے معیار پر کنٹرول رکھنے کے لئے کیا اقدامات کئے گئے ہیں۔

صدر: یہ درست ہے کہ ایلوپیتھی کی طرح دوسرے طبّی نظاموں میں دوائیوں کے معیار پر کنٹرول کی ضرورت ہے۔ حکیم سعید یہاں تشریف رکھتے ہیں، وہ اس موضوع پر مزید روشنی ڈالیں گے۔ ہم نے وزارتِ صحت میں مختلف طبّی نظاموں کو نمائندگی دی ہے۔ حکیم سعید میرے مشیر ہیں۔ میں ایک ہومیو مشیر بھی متعین کرنے والا ہوں۔ حکمت اور ہومیو کے باقاعدہ کالج ہیں جن میں طلبا ڈاکٹروں کی طرح چار پانچ سال تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ان کا نصاب مقرر ہے۔ اس کے علاوہ ہم نے حکمت کو جدید کیا ہے۔ ان کالجوں میں میڈیکل کالجوں اور اداروں کے اساتذہ اناٹومی، بایئولوجی

اور دوسرے موضوعات پر لیکچر دیتے ہیں۔ ہم نے ان طبی نظاموں میں کوالٹی کنٹرول اور معیار بندی بھی کی ہے۔ سب کو کھلی چھٹی نہیں کہ دُکان کھول لیں، دو روپے کی ادویات منگوائیں اور پریکٹس شروع کر دیں۔ ان کو باقاعدہ سندات عطا کی جاتی ہیں۔

ایک ڈاکٹر: جناب صدر! میں طب کے ایک اور پہلو کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ میڈیکل سکول سے گریجویٹ ہونے کے بعد ڈاکٹر پاکستان چھوڑ کر باہر کیوں جانا چاہتے ہیں اور کیوں اُن میں سے بیشتر پاکستان واپس نہیں آتے۔ میں پاکستان سے امریکہ گیا اور اب میں وہاں ایک سرجن ہوں۔ جب میں نے یہاں ڈاکٹری کا امتحان پاس کیا تو میں اسی ملک میں پریکٹس کرنا چاہتا تھا۔ جب میں نے ہاؤس جاب مکمل کر کے گرد و پیش پر نظر ڈالی تو میں اس نتیجے پر پہنچا کہ میں جس انداز میں پریکٹس کرنا چاہتا تھا اُس کا کوئی امکان نہیں۔ میں ابھی نوآموز تھا اور یہاں مربوط تربیت حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ میرے سامنے صرف دو ہی راستے تھے، یا تو کسی ہسپتال میں رجسٹرار یا کسی ڈسٹرکٹ ہسپتال میں ملازمت کروں جہاں سادہ امراض کے علاج کے لئے بھی دوائیاں موجود نہیں ہوں گی یا پھر اپنا ذاتی کلینک کھولوں جہاں مناسب تجربے اور تربیت کے بغیر مریضوں کا علاج شروع کر دوں۔ یہ دونوں صورتیں مجھے قبول نہیں تھیں، اس لئے میرے پاس ملک سے باہر جانے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ چنانچہ میں باہر چلا گیا۔

وہاں پر مختلف منظم پروگرام تھے ہیں جن میں کام شروع کرسکتا تھا۔ چنانچہ سال بہ سال میرا تجربہ پختہ ہوتا گیا، حتّیٰ کہ میں تجربہ کار سرجن بن گیا۔ اُس وقت بھی میں پاکستان آنا چاہتا تھا کیونکہ میرے خاندان کے تمام افراد یہیں ہیں، لیکن یہاں مجھے اپنے لئے کوئی موزوں کام نظر نہ آیا۔ میرے بیس رفیقانِ کار ہیں۔ ہم سب کی پوزیشن ایک سی ہے۔ ہمارے لئے اس قسم کا کام کرنے اور اس انداز میں کام کرنے کے کوئی مواقع نہیں جیسا ہم امریکہ میں کر رہے ہیں۔ اس ملک کے نظامِ طبّ میں فِٹ ہونے کے لئے، ہمیں اپنا معیار بہت نیچا کرنا پڑے گا۔ ایک دفعہ ایک خاص معیار کا عادی ہونے کے بعد اس سے نیچے آنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

دوسرا پہلو جو میں نے دیکھا وہ یہ ہے کہ اس ملک میں بنیادی انسانی احترام کی بہت کمی ہے۔ اگر آپ صاحبِ اختیار ہیں تو آپ کو بادشاہوں جیسی عزّت دی جاتی ہے۔ اگر آپ عام آدمی ہیں تو آپ کی کوئی عزّت نہیں۔ بعض اوقات بچّے بڑے کام کی بات کرتے ہیں۔ میرا دس سالہ بچّہ میرے ساتھ آیا ہوا ہے۔ دو تین روز یہاں رہنے کے بعد وہ مجھے ایک روز کہنے لگا کہ ابو، یہ بہت خوبصورت ملک ہے۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ یہ ایک غریب ملک ہے، لیکن یہ بات بھی درست نہیں۔ یہاں بہت سی اچھی چیزیں ہیں، لیکن ایک بات میں نے دیکھی کہ یہاں غریبوں کی کوئی عزّت نہیں۔ میں نے اس سے اتفاق کیا اور مجھے

شرمندگی بھی ہوئی۔ میرے خیال میں یہ جانے بغیر کہ کوئی کون ہے، کہاں سے آیا ہے، کون اس کا سفارشی ہے، ہر انسان کی بنیادی طور پر عزت کرنی چاہئے۔ امریکہ میں یہ جذبہ بہ افراط ہے۔ جو شخص بازار میں جھاڑو دیتا ہے، جب وہ ہسپتال میں آتا ہے تو اُس کی بھی عزت کی جاتی ہے۔ اسے کسی کا سفارشی خط لانے کی ضرورت نہیں، کسی سے فون کروانے کی حاجت نہیں۔ ایک انسان کی حیثیت سے اُس کی عزت کی جاتی ہے۔ یہ بہت قابلِ قدر بات ہے۔

صدر: مجھے آپ سے پورا اتفاق ہے اور میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے بیرونِ ملک جانے کو بھی حبُّ الوطنی کے خلاف نہیں سمجھتا۔ میرے خیال میں یہ عمل تین چار سال اور جاری رہے گا۔ لیکن جب ۱۹۸۲ء سے چار ہزار ڈاکٹر سالانہ بن رہے ہوں گے تو کافی افراد ملک میں ہی رہیں گے۔ مجھے اس بات سے بھی اتفاق ہے کہ آج کل اور کچھ عرصے کے لئے آئندہ بھی ہم وہ معیار اور وہ ماحول اپنے ڈاکٹروں کو مہیا نہیں کر سکیں گے جس کا آپ ذکر کر رہے ہیں۔ جو لوگ ڈاکٹری کی بنیادی قابلیت حاصل کرنے کے بعد بہتر مواقع تلاش کرتے ہیں اور سپیشلسٹ بننا چاہتے ہیں، انہیں اس کا حق ہے۔

جہاں تک انسانوں کی عزت واحترام کا سوال ہے، ممکن ہے کہ آپ کے بیٹے کا مشاہدہ درست ہو۔ ایسے حالات یہاں ہیں۔ مجھے بھی اس پر اتنا ہی افسوس ہے جتنا آپ کے بیٹے

کو ہوا، لیکن ترقی پذیر ممالک میں چاہے وہ اسلامی ممالک ہی ہوں، جہاں خواتین میں خواندگی تیرہ[۱۳] فیصد اور مجموعی طور پر پچیس[۲۵] فیصد ہے، جہاں بدعنوانی عام ہے، جہاں دیانتدارانہ کاروبار کے مواقع کم ہیں، جہاں اقدار مختلف ہیں، وہاں آہستہ آہستہ ہی اس برائی کی بیخ کنی ہوسکتی ہے۔ اگر ہم اسلامی تعلیمات پر غور کریں تو ہم دیکھیں گے کہ چودہ[۱۴] سو سال پہلے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی حقوق کا پیغام دیا تھا۔ آج ہم پاکستان کو اسلام کا قلعہ کہتے ہیں۔ ہم اسے اسلامی جمہوریہ کہتے ہیں۔ پھر بھی مجھے آپ کے بیٹے کے تاثرات سے اتفاق ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم بہت سی باتوں میں دوسروں سے اچھے ہیں۔ غربت کے معاملے میں ہم اپنے بڑے ہمسایہ بھارت سے بہتر ہیں، لیکن انسانی اقدار میں ہمیں امریکہ کی سطح تک پہنچنے میں وقت لگے گا۔ لیکن امریکہ میں چند دوسری باتیں ہیں جن کی پیروی کرنے سے ہم گریز کریں گے۔ مجھے امید ہے کہ ایک دن پاکستان میں تعلیم عام ہوگی اور اسلامی اقدار پر عمل ہوگا۔ پھر انسانوں کی عزّت بھی ہوگی اور احترام بھی۔

ایک ڈاکٹر: ۱۹۳۰ء میں امریکہ میں شرحِ اموات کی صورتِ حال تقریباً وہی تھی جو آج کل پاکستان میں ہے۔ صحت و صفائی کو بہتر بنا کر، پینے کا صاف پانی مہیا کر کے اور ایسے ہی دوسرے اقدامات سے انہوں نے بیماریوں پر بہت حد تک قابو پا لیا ہے۔ خصوصاً بیماریوں کی روک تھام کے شعبے میں بہت پیش رفت ہوئی ہے

اور ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ بہت سے ملکوں سے پہلے پاکستان میں چیچک کا قلع قمع کر دیا گیا ہے۔ اس پیش رفت سے شرح اموات بہت حد تک کم ہو گئی ہے۔

میں صحت کی پالیسی کے بارے میں ڈاکٹر شجاعت کے نکات کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔ حکومت یہ کہہ سکتی ہے کہ ہم بیماریوں کی روک تھام کے لئے اقدام کے ذمہ دار ہیں۔ باقی علاج معالجے کا انتظام افراد کو خود کرنا چاہئے۔ اگر ہم برطانیہ کا طریقِ کار دیکھیں تو وہ قومی ہیلتھ سکیم پر عمل کرتے ہوئے تقریباً دیوالیہ ہو گئے ہیں۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان جیسا ملک جو طبی سہولیات عوام کو دے سکتا ہے اُن کی ایک حد ہے۔ یقیناً ہمارے پاس نہ الہ دین کا چراغ ہے نہ ہی سونے کی کانیں۔ حکومت جو سہولیات مہیا کر سکتی ہے، ان کی ایک حد ہے۔ باقی کا انتظام خود لوگوں کو کرنا چاہئے۔ ہمیں اس بارے میں حقیقت پسندانہ انداز میں سوچنا چاہئے اور طبی سہولیات مہیا کرنے کے لئے لوگوں کو حکومت کا ہاتھ بٹانا چاہئے۔

ایک دوسرا ڈاکٹر: میں ایبٹ آباد کے ایوب میڈیکل کالج سے ڈاکٹر اے، جی، خان ہوں۔ امریکہ سے تشریف لائے ہوئے ہمارے رفیقوں نے بہت مفید مشورے دیئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں کوئی ملک بھی مفت طبی امداد اپنے عوام کو مہیا نہیں کر رہا، نہ امریکہ نہ برطانیہ۔ امریکہ میں جس شخص کی ہیلتھ انشورنس نہیں اگر اُسے

اپریشن یا ایسا ہی دوسرا علاج کرانا پڑ جائے تو اس کو بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ پاکستان میں بھی مفت طبّی سہولیات مہیا کرنا ممکن نہیں۔ ایسی انشورنس کمپنیاں موجود ہیں جنہیں ہسپتال بنانے کے لئے آمادہ کیا جا سکتا ہے۔ ہیلتھ انشورنس کی جو تجویز ڈاکٹر شجاعت نے پیش کی ہے وہ معقول ہے۔

جہاں تک تحقیق کا تعلق ہے میں یہ عرض کروں گا کہ ہمارے تحقیقاتی مراکز انڈر گریجویٹس کے لئے ہیں۔ انہیں طلبا کی کثیر تعداد کو سہولتیں مہیا کرنی ہوتی ہیں، اس لئے سنجیدہ تحقیقات کی طرف توجہ دینا مشکل ہے۔ اس پیمانے کی تحقیقات صرف پوسٹ گریجویٹ اداروں میں ممکن ہے۔ یہاں تحقیق پر جو خرچ کیا جاتا ہے اس کا امریکہ سے موازنہ ہو ہی نہیں سکتا، لیکن پھر بھی کچھ پیش رفت ہوئی ہے۔ ہم نے امریکہ میں اپنے دوستوں کے تجربے اور علم سے فائدہ اٹھانے کی صورت نکالی ہے۔ ہم نے ایبٹ آباد میں اپنے ادارے میں اُن امریکی ماہرین کو اعزازی پروفیسر شپ کی پیشکش کی ہے جو خوش قسمتی سے یہاں آئے ہوئے ہیں اور وقتاً فوقتاً آتے رہتے ہیں۔ ان میں سے چند نے ہماری درخواست قبول بھی کر لی ہے۔ یہ ہمارے لئے باعثِ فخر ہے۔ ان میں سے ایک مشہور سرجن ڈاکٹر ایوب اُمیہ ہیں اور دوسرے معروف ڈاکٹر بشیر قاضی ہیں۔ دونوں ایبٹ آباد کے گرد و نواح کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ سال میں دو ہفتے کے لئے تشریف لایا کریں گے اور یہ

عرصہ کالج کے طلبا اور اساتذہ کے ساتھ گزاریں گے۔ اغلباً وہ کچھ وقت تحقیقات میں بھی صرف کریں گے یا کم از کم تحقیق کے شعبے میں اساتذہ کی رہنمائی کریں گے۔

شاید دوسرے ادارے بھی اس قسم کا انتظام کر سکیں۔ ہمارے سلسلے میں تو ان دونوں ڈاکٹروں نے خود اپنی طرف سے ہمیں پیش کش کی تھی۔ انہوں نے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ ہمیں اہم طبّی رسائل اور سمعی و بصری مواد امریکہ سے ارسال کرتے رہیں گے۔ وہ بکمال عنایت خود کو ایوب میڈیکل کالج کا حصہ سمجھتے ہیں۔ یہ وہ پاکستانی ڈاکٹر ہیں جو نامور ہیں۔ اگر یہ پاکستان میں ہی ٹھہرتے تو بھی پروفیسر ہوتے۔ اپنے ساتھ ان کی شرکت کو ہم باعثِ اعزاز سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی اور ڈاکٹر صاحبان بھی ہمارے ادارے سے وابستہ ہونا چاہیں تو ہمیں بہت خوشی ہوگی۔ ہمیں ان کی رائے کا انتظار رہے گا۔ شکریہ!

ڈاکٹر سیال : میں اس ملاقات کے لئے سربراہِ مملکت کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ہم سب کو احساس ہے کہ پاکستان کے وسائل اس چیز کی اجازت نہیں دیتے کہ صحت کے سلسلے میں ملک کے ہر فرد کی ضروریات حکومت پورا کرے۔ جہاں تک طبّی تعلیم کا سوال ہے، پاکستان میں یہ سب سے کم خرچ ہے۔ ہر طالب علم صرف سات سو ساٹھ روپے سالانہ ادا کرتا ہے جس میں کالج کی فیس، ہوسٹل کی فیس، یونین کی فیس اور کھیلوں کی فیس شامل ہے۔ میں افریقہ میں بھی گیا ہوں اور وہاں ان کے طبّی ادارے دیکھے ہیں۔ وہاں ایک صاحب

نے مجھ سے پوچھا کہ پاکستان میں ڈاکٹری کے طالبعلم سے سالانہ کتنی فیس وصول کی جاتی ہے۔ میں نے کہا، پچھتّر ڈالر۔ انہوں نے حیرت سے پوچھا، پچھتر ڈالر یا سات سو پچاس ڈالر؟

ماضی میں طبّی مسائل کا جائزہ لینے کے لئے کئی کمیشن قائم ہوئے۔ بہت سی سفارشات مرتب ہوئیں جن کی ایک لائبریری بن سکتی ہے۔ جنابِ والا چونکہ اس مسئلے میں گہری دلچسپی لے رہے ہیں، اس لئے میں ایک قابلِ عمل تجویز پیش کروں گا کہ دو سیل بنائے جائیں۔ ایک سیل ریسرچ کے لئے ہو اور دوسرا عملدرآمد کے لئے۔ ریسرچ سیل طبّی تعلیم اور علاج معالجے کے معاملات پر غور کرے اور اُن کو پورے اعداد و شمار مہیّا کئے جائیں۔ عملدرآمد کا سیل ان کی سفارشات پر عمل کرانے کا اہتمام کرے۔ محنت سے سفارشات مرتّب کی جاتی ہیں اور پھر وہ سردخانے کی نذر ہو جاتی ہیں مثال کے طور پر ۷۷-۱۹۷۶ء میں منعقد ہونے والے اساتذہ کے کنونشن کی سفارشات ہمارے پاس موجود ہیں۔ وہ ایک مکمّل کتاب ہے۔ اس سے پہلے صحت کے مطالعاتی گروپ نے اپنی سفارشات دی تھیں۔ سالانہ ترقیاتی پروگرام کے منصوبے، ان پر ماہانہ یا سہ ماہی رپورٹیں اور مختلف کمیشنوں اور گروپوں کی سفارشات ریسرچ سیل کو سونپ دی جائیں تاکہ وہ جائزہ لیں کہ کہاں تک ان پر عمل ہوا ہے اور کہاں کامیابی ہوئی ہے اور کہاں ناکامی۔ اگر یہ دونوں سیل کام کرنا شروع کر دیں تو مجھے یقین ہے کہ

اس کے مثبت نتائج برآمد ہوں گے۔ ماضی کا تو یہی تجربہ رہا ہے کہ سفارشات مرتب ہوتی ہیں، لیکن ان پر عملدرآمد نہیں ہوتا اس طرح کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

صدر: ڈاکٹر سیال کی اس تجویز پر یوں عمل ہوسکتا ہے کہ ہم طبی تعلیم اور طبی سہولتوں کا ایک مستقل کمیشن تشکیل دیں جس کی یہ ذمہ داری ہو کہ پرانی سفارشات کا جائزہ لے کر جو قابلِ عمل تجاویز ہوں انہیں حکومت کی منظوری کے لئے پیش کرے اور پھر یہ بھی دیکھے کہ جن تجویزوں کی مجاز افسران نے منظوری دے دی ہے اُن پر کس حد تک عمل ہو رہا ہے۔ اس مستقل کمیشن کا سربراہ اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک ہو اور مستقل طور پر اس کے اجلاس ہوتے رہیں۔ اس کمیشن کو اختیار ہو کہ سول سروس، فوجی طبی شعبے یا کسی دوسرے ادارے سے اپنے اراکین منتخب کرے۔ پھر مسائل کا تجزیہ کرے، سفارشات کا جائزہ لے اور پھر ان پر عملدرآمد کی نگرانی کرے۔ تحقیق کے بارے میں بھی مجھے آپ کی تجویز پسند آئی۔ ہم اس کمیشن سے درخواست کریں گے کہ وہ مختلف مقامات پر تحقیقی مراکز قائم کرے اور ان مراکز کی سرپرستی کرے۔

ایک ڈاکٹر: ایک مسئلہ طبی تعلیم کے لئے موزوں اساتذہ کا ہے۔ خاص طور پر قصبوں میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو طبی کالج مرکزی مقامات پر قائم ہیں، سب کا رُخ ان کی طرف ہوتا ہے۔ میں پاکستان ڈینٹل کونسل کی طرف سے مرکزی کالجوں کا معائنہ کرتا رہا ہوں اور

مجھے اپنے ادارے کی حالتِ زار کا بھی علم ہے۔ جنابِ والا! پاکستان میں ایسے بھی میڈیکل کالج ہیں جہاں صرف ایک یا دو پروفیسر ہیں۔ مسلسل منتقل علاقوں سے مرکزی اداروں کی طرف اساتذہ آتے رہتے ہیں اور ان کا متبادل سٹاف منتقل کالجوں کو مہیا نہیں کیا جاتا۔ اس سے طلبا کے ذہنوں میں ہیجان پیدا ہوتا ہے کیونکہ سینئر اساتذہ انہیں میسّر نہیں آتے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہمیں عہدوں اور رتبوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔ یہ ڈاکٹری کے پیشے کا تقاضا نہیں جہاں اُسے سوسائٹی کے تمام طبقوں سے واسطہ پڑتا ہے، لیکن منتقل کالجوں کو باصلاحیت اساتذہ مہیا کرنے کی طرف توجہ دی جانی چاہیئے۔

بہت سے مسائل ایسے ہیں جو مزید مالی وسائل کے بغیر یا حکومت کے خزانے پر بوجھ ڈالے بغیر حل کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً ہسپتالوں اور ڈسپنسریوں کو ادویات مہیّا کرنے کا مسئلہ ہے۔ ہم میڈیکل سٹور ڈپو کو اپنی ضروریات کی فہرست بھجواتے ہیں۔ ڈپو اُن پر دس فیصد سرچارج لگا کر ہماری فہرستیں انڈسٹریز ڈائریکٹوریٹ کو بھجوا دیتے ہیں۔ یہ محکمہ ٹنڈر طلب کرتا ہے۔ پھر فنانس ڈیپارٹمنٹ کو لکھا جاتا ہے۔ دوائیں ملنے تک کوئی چھبّیس مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے اور کافی تاخیر ہو جاتی ہے۔ ہسپتال کا میڈیکل سپرنٹنڈنٹ اپنی ضرورت کی صرف بیس فیصد دوائیں براہِ راست خریدنے کا مجاز ہے، باقی اسّی فیصد ضروریات اسی طریقے سے حاصل ہوتی ہیں اور مجموعی طور پر ان پر خرچ زیادہ اٹھتا ہے۔ جو دوا ہم ایک روپے

میں خرید سکتے ہیں، حکومت اس طور پر اُسے تین روپے میں خریدتی ہے۔

اس صورتِ حال سے نبٹنے کے لئے ہم نے صوبائی سطح پر خریداری کی ایک مرکزی کمیٹی بنائی۔ اس کمیٹی سے بھی صورتِ حال بہتر نہیں ہوئی۔ جب اپریل کا مہینہ آجاتا ہے اور ہمیں اپنی ضرورت کی دوائیں مہیا نہیں ہوتیں تو ہم سے کہا جاتا ہے کہ آپ براہِ راست خرید لیں۔ ان میں ایسی دوائیں بھی شامل ہوتی ہیں جو باہر سے درآمد کرنا ہوتی ہیں اور اس کے لئے زرِ مبادلہ کی اجازت حاصل کرنی ہوتی ہے۔ دوائیوں اور آلات کے حصول کا طریقِ کار بھی توجّہ طلب ہے۔ میری تجویز یہ ہے کہ ایک کمیٹی قائم کی جائے جس میں دو یا تین پروفیسر ہوں، سول اور فوج کے دو دو نمائندگان ہوں اور دو عوامی نمائندے ہوں۔ یہ کمیٹی فیصلہ کرے کہ قصور ہسپتال کی انتظامیہ کا ہے یا دوسرے اداروں کا۔ اس سے ہسپتال میں مریضوں کے لئے دوائیوں کے حصول کا انتظام بہتر ہو جائے گا، دوائیوں پر خرچ کم آئے گا اور ہسپتالوں کا وقار بھی بڑھے گا۔

دوسرا مسئلہ بھاری مشینوں کا ہے۔ ہم اشیائے کے تبادلے کے تحت الیکٹرو میڈیکل سامان درآمد کرتے ہیں۔ کبھی مشینیں ہنگری سے آتی ہیں، کبھی پولینڈ سے۔ ان کی مرمّت کے لئے نہ کوئی موزوں ورکشاپ ہے نہ فاضل پرزے۔ اگر سروے کیا جائے تو معلوم ہو کہ کروڑوں کی مالیت کی مشینری ہسپتالوں میں بیکار پڑی ہے۔ ہر صوبے میں موبائیل ورکشاپیں ہونی چاہئیں جو ہسپتالوں میں

جاکر ان مشینوں کی مرمت کر سکیں۔ ہوتا یہ ہے کہ قیمتی مشینری خراب ہو جاتی ہے اور اُس کے فاضل پرزہ جات میسر نہیں ہوتے۔ اُن کی درآمد کے لئے فنڈ نہیں ہوتا ان کو ٹھیک کرنے کے اہل ماہرین نہیں ہوتے۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حکومت کو کافی مالی نقصان ہوتا ہے۔ اس کی طرف سنجیدگی سے توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

صدر: ہم اس مسئلے کی طرف توجہ دے رہے ہیں۔
صاحبان! آپ کا بہت بہت شکریہ۔

پاکستان پائندہ باد

مردان میں کونسلروں سے خطاب

مردان : ۲ اپریل، ۱۹۸۰ء

مردان میں منتخب کونسلروں سے خطاب کرتے ہوئے صدرِ پاکستان، جنرل محمد ضیاء الحق نے ملک کی اندرونی صورتِ حال اور افغانستان پر روسی حملے کے مضمرات پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان نظامِ اسلام نافذ کرنے کی خاطر حاصل کیا گیا تھا اور اسلام کے علاوہ کسی دوسرے نظریۂ حیات کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

صدرِ پاکستان نے کہا کہ جمہوری ادارے مقامی سطح سے شروع ہونے چاہئیں۔ صرف اسی صورت میں جمہوریت کی عمارت پختہ بنیادوں پر قائم ہو سکتی ہے۔ انہوں نے منتخب کونسلروں پر زور دیا کہ وہ تعلیم کے فروغ کے لئے کوشش کریں۔ انہوں نے اعلان کیا کہ صوابی میں لڑکیوں کے کالج کے تمام اخراجات وفاقی حکومت برداشت کرے گی۔ مردان کالج کے لئے انہوں نے ایک بس کا تحفہ دیا اور مردان میں ایک لائبریری کے قیام کے لئے پانچ لاکھ روپے کے عطیے کا اعلان کیا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

گورنر صوبۂ سرحد، جنرل فضل حق صاحب،

اکرام اللہ خان صاحب،

سید رحمٰن صاحب،

اہلِ مردان،

خواتین و حضرات!

السلام علیکم ۔ یہ میرے لئے باعثِ فخر ہے کہ مَیں آج صوبۂ سرحد کے اُس علاقے میں آیا ہوں جسے صحیح معنوں میں صوبۂ سرحد کا دل کہا جاتا ہے۔ مردان شہر اور ضلع کی فوقیت کے بارے میں آپ کو علم ہے۔ آپ نے اس سلسلے میں ابھی تقاریر میں بہت کچھ سنا ہے۔ میں یہاں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مَیں مردان سے اپنا موجودہ دورہ شروع کر رہا ہوں ۔ اس کی بھی ایک خاص وجہ ہے، اور وہ یہ کہ آج سے بتیس ۳۲ سال پہلے جب پاکستان بنانے کے لئے کوششیں ہو رہی تھیں تو یہ طے

پایا تھا کہ صوبہ سرحد اور صوبہ بلوچستان کے علاقوں کے لوگوں سے پوچھا جائے کہ آیا وہ پاکستان بنانے کے حق میں ہیں یا نہیں ؟ اس وقت کی برطانوی حکومت نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ سلہٹ، سرحد اور بلوچستان کے لوگوں سے پوچھ کر پاکستان کی قسمت کا فیصلہ کیا جائے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس علاقے کے لوگوں سے بطورِ ریفرنڈم اُن کی رائے لی گئی۔ جیسا کہ آپ کو اور مجھے بھی معلوم ہے، اور بچوں، بوڑھوں سب کو معلوم ہے، اور آئندہ آنے والی نسلیں اس واقعہ کو بطورِ مثال پیش کریں گی کہ پاکستان کی بنیاد رکھنے میں صوبہ سرحد کے عوام اور خاص طور پر مردان اور مردان ضلع کے لوگوں کا بڑھ چڑھ کر حصہ تھا، کیونکہ انہوں نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا تھا۔

میں نے اپنے موجودہ دورے کا پہلا قدم مردان سے شروع کیا ہے اور وہ بھی اس وجہ سے کہ پاکستان کے بنانے میں صوبہ سرحد اور اہل مردان کا بہت بڑا حصہ تھا۔ آج پاکستان تو بن چکا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے قائم و دائم رہے گا، لیکن آج جس امر کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ پاکستان کو استحکام بخشنا ہے۔ اس کے لئے جہاں ہمارا یہ فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ سے پاکستان کے استحکام کے لئے دعا کریں، وہاں ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ ہم ذاتی، انفرادی اور اجتماعی طور پر پاکستان کی سالمیت کے لئے، پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے کے لئے جدوجہد کریں۔

میں انشاءاللہ آپ کی تکالیف کا ازالہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ میں اپنی تقریر کے آغاز میں آپ کی توجہ اس امر کی طرف دلانا چاہتا ہوں کہ پاکستان کے لئے اسلام ایک بنیادی مرکز ہے۔ یہ ہماری قومی زندگی کا محور ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور سلسلہ نہ ہمارے لئے موزوں ہے نہ ہم اُسے پسند کریں گے۔ سب سے پہلے میں جس بات کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں، بلکہ یوں کہیے کہ آپ کو یاد دہانی

کرانا چاہتا ہوں، کیونکہ جو جذبۂ اسلام صوبۂ سرحد کے عوام، میرے پٹھان بھائیوں اور اہلِ مردان میں پایا جاتا ہے وہ سب پر عیاں ہے، وہ یہ ہے کہ پاکستان کے لئے کوئی امر، کوئی فعل اسلام کے بغیر کسی طور بھی قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔ اس لئے میں جہاں اور باتوں کی طرف زور دیتا ہوں، وہاں خاص طور پر اس امر کی جانب توجہ دلاتا ہوں کہ پاکستان کے شہریوں کے لئے، پاکستان کے نظامِ حکومت کے لئے، پاکستان کے نظامِ تعلیم کے لئے ہمارا مرکز اسلام ہے۔ ہم نے پاکستان کیوں بنایا تھا؟ ابھی کی گئیں تقاریر میں آپ نے سنا ہے، جناب اکرام اللہ صاحب نے بتایا ہے، سید رحمٰن صاحب نے بتایا ہے کہ ہم اپنے ملک کو صحیح معنوں میں ایک ایسا ملک بنانا چاہتے ہیں جس میں رہنے والے تمام مسلمان اپنی زندگی اسلام کے نظریۂ حیات اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق گزار سکیں اور جو غیر مسلم ہیں ان کو بھی وہی تحفظ ملے جو اسلام میں مسلمانوں کے لئے ہے۔ یعنی دوسرے الفاظ میں ایک ایسی مثالی سلطنت قائم کی جائے جس کو دوسرے لوگ نہ صرف نظیر کے طور پر پیش کریں بلکہ صحیح معنوں میں اسے ایک مثالی سلطنت قرار دیا جائے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات کے مطابق چلے۔ پاکستان کو بنے ہوئے بتیس سال ہو گئے ہیں۔ اس تمام عرصے میں ہم نے اسلام کا نام تو لیا ہے، لیکن صحیح معنوں میں ہم نے اپنی زندگی اسلام کی تعلیمات اور اسلام کے نظریۂ حیات کے مطابق بسر کرنے اور نظامِ حکومت کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کے لئے بہت کم کارروائی کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے خیالات اور سوچوں میں تضاد پایا جاتا ہے۔ ہم جہاں ایک طرف اسلام کا نام لیتے ہیں، وہاں دوسری جانب مغربیت کی جانب بھی مائل ہوتے ہیں۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جو ہماری زندگی کے ہر پہلو کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ اس میں

نظریۂ تعلیم بھی ہے۔اس میں نظریۂ حیات بھی ہے ۔ یہ عورتوں اور مردوں کے حقوق، ماں باپ کے حقوق اولاد پر اور اس کے حقوق ماں باپ پر، حقوق اللہ، حقوق العباد، ہمسایوں کے حقوق، عوام کے حقوق حکومت پر اور حکومت کے حقوق عوام پر، غرضیکہ سارے حقوق کا تعیّن کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں تک فرمایا ہے کہ میرا بندے کے ساتھ براہِ راست تعلق ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے حقوق پورے کرنے میں کسی بندے سے سُستی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے۔ شاید وہ معاف کر دے، لیکن اللہ نے یہ بھی کہا ہے کہ جہاں میں اپنی رحمانیت، اپنی کریمیت اور اپنی فضیلت کے پیش نظر اپنے حقوق سے درگزر کرنے کو تیار ہوں، وہاں ساتھ ہی اس نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص سے حقوق العباد پورے کرنے میں سُستی ہو گئی تو میں معاف نہیں کروں گا۔ یہ اس شخص پر منحصر ہے جس کے ساتھ کوئی ظلم یا زیادتی ہوئی کہ وہ معاف کرے یا نہ کرے۔ اسی طرح اگر حکومت کے عمّال اور صاحبِ اقتدار لوگوں سے عوام کے حقوق پورے کرنے میں کوئی سُستی ہو گئی ہو تو اُسے صرف عوام ہی معاف کر سکتے ہیں۔ اس لئے میں آپ سے گزارش کروں گا کہ ہماری یہ کوشش ہونی چاہئے کہ عوام کے مسائل حل کرنے میں کوئی سُستی نہ ہو۔

ہم نے اس منزل کی بنیاد رکھ دی ہے جو آج سے بتیس سال پہلے رکھی جانی چاہئے تھی۔ ہم نے علی الاعلان اس کا ذکر کیا ہے۔ پبلک میں کھلے عام اس بات کا اعلان کیا ہے کہ پاکستان کے پاس نظریۂ اسلام کے علاوہ اور کوئی نظریہ نہیں۔ پاکستان چونکہ ایک نظریاتی ملک ہے، اس لئے ہمارے لئے اشد ضروری ہے کہ ہم اپنے نظریۂ حیات کو اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیں۔ اگر آپ نے اپنے نظریۂ حیات کو اپنی آنکھوں سے اوجھل کر دیا تو آپ کی حالت ویسی ہی ہو گی جیسی

ان قوموں کی ہوتی ہے جو اپنے نظریۂ حیات کو فراموش کر دیتی ہیں۔

آج کے موجودہ حالات میں اگر آپ دیکھیں، ہماری شمال مغربی سرحدوں پر بہت سے واقعات رونما ہو رہے ہیں جن کا ذکر آپ نے ابھی ابھی سنا ہے۔ ہمارے پڑوسی ملک افغانستان کا جس کی آبادی میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، ایک سپر پاور رُوس نے اپنی فوجی مداخلت سے نقشہ ہی بدل دیا ہے۔ اس ملک کا نقشہ اس طرح بدلا ہے کہ وہاں اسلام کے نام لیوا عوام کے لئے اسلام کا ذکر کرنا محال ہو گیا ہے اور آج چھ لاکھ پچھتر ہزار مجاہدینِ اسلام افغانستان سے آکر پاکستان میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ میں اس کا ذکر اس لئے کر رہا ہوں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل و کرم کی دعا مانگنی چاہئے اور ہماری یہ کوشش ہونی چاہئے کہ ہم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی سے نہ ڈریں، کیونکہ مسلمان صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ ہمارے اندر یکجہتی ہونی چاہئے۔

اگر آپ تاریخ کا جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ ۱۸۴۶ء میں افغانستان کے بالائی علاقے میں جس کو "خانائی" کہا جاتا ہے، کچھ تغیرات رونما ہوئے۔ پھر ۱۸۷۵ء میں اور اس کے بعد ۱۸۸۰ء میں ہوئے۔ لیکن آپ دیکھیں گے کہ گزشتہ اسّی سالوں میں روس نے جنوبی علاقوں میں کوئی کارروائی نہیں کی۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ تاشقند کا کیا حشر ہوا۔ بخارا کا کیا حشر ہوا، سمرقند کا کیا حشر ہوا۔ یہ شہر نہ صرف علوم و فنون کے مراکز تھے بلکہ وہاں اسلام کا نام لیا جاتا تھا۔ کیا وجہ ہے کہ آج وہاں اسلام کی آواز کا گلا گھونٹ دیا گیا ہے اور وہاں اللہ اکبر کہنے والے لوگ نماز بھی پڑھتے ہیں تو خفیہ طور پر۔ اگر آپ تاریخ کا صحیح طرح سے جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ آج کل وہاں جو حالات ہیں اُن کی وجہ کیا تھی۔

اس کے ساتھ ہی آپ افغانستان کو لیجئے اور دیکھئے کہ افغانستان سے ملحقہ کونسا علاقہ ہے۔ میں آپ کی نشاندہی اس طرف کرنا چاہتا ہوں کہ اُن علاقوں میں جہاں قومی یکجہتی نہ ہو، قوم میں تفرقہ بازی ہو، نااتفاقی ہو، اپنے نظریۂ حیات پر ایمان کے اثرات نہ ہوں، وہاں آپ دیکھیں گے کہ اُن کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے والا کوئی نہ ملے گا، کیونکہ جو قوم خود اپنے پاؤں پر کھڑی نہیں ہو سکتی اس کی کوئی مدد نہیں کرتا۔ اور یہ قانونِ قدرت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک نظریۂ حیات دیا ہے، قرآن مجید کی صورت میں ایک راہنما کتاب دی ہے، دماغ دیا ہے، عقل دی ہے اور اپنے رحم و کرم اور برکت سے اُن علاقوں میں جہاں آج مسلمان بستے ہیں، ایسے ذرائع پیدا کئے ہیں جن کی بدولت وہاں کے مسلمانوں کو کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ آج اگر آپ دنیائے اسلام کے ذرائع کی طرف توجہ دیں تو آپ دیکھیں گے کہ سونا، چاندی اور تیل سے لے کر تمام ذرائع اُن کے پاس موجود ہیں۔ اس نو سو کروڑ کی آبادی میں کِس چیز کی کمی ہے۔ میں اُمّۂ اسلامیہ کی طرف آپ کی توجّہ نہیں دلانا چاہتا۔ میں صرف پاکستان کی بات کروں گا۔ پاکستان کے لئے جو چیز سب سے زیادہ ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ ہم سب اسلام کے جھنڈے تلے متّحد ہوں، آپس میں اتفاق رکھیں، سوائے اسلام کے ہمارا کوئی نظریۂ حیات نہ ہو، صحیح معنوں میں ہم اپنے آپ کو مسلمان بنائیں اور صحیح معنوں میں اسلامی اقدار کو اپنائیں تاکہ ہمارے ملک میں اسلام کی آواز بلند ہو اور ہم سب خود کو صحیح مسلمان کہہ سکیں۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم اچھے پاکستانی بھی بنیں۔ اگر ہم نے یہ چیز حاصل کر لی تو یقین جانیئے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی

پاکستان کی طرف نہ انگلی اٹھا سکتی ہے نہ اسے کوئی نقصان پہنچا سکتی ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ جس طرح صوبۂ سرحد کے لوگوں نے پاکستان بنانے میں اپنا کردار ادا کیا تھا، اس طرح صوبۂ سرحد کے عوام اور اہالیانِ مردان جن کو میں آج مخاطب کر رہا ہوں، اپنے حلقۂ اختیار میں، اپنے گھروں میں، اپنے عزیز و اقارب میں اس چیز کو اپنائیں گے کہ وہ صحیح معنوں میں پاکستانی بنیں، اسلام کی اقدار کو اپنائیں اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں۔ جہاں کوشش کی ضرورت ہے وہاں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی بھی ضرورت ہے۔

اب میں آپ کی توجہ ملک کے اندرونی حالات کی طرف دلاتا ہوں۔ گزشتہ دو اڑھائی سال میں آپ نے ملک کے اندرونی حالات کو دیکھا ہے۔ ۱۹۷۷ء کے الیکشنز کے بعد فوج نے کیوں مداخلت کی۔ اس کو دہرانے کی اب ضرورت نہیں۔

فوج کی مداخلت سے ملک کے اندر ہونے والے متوقع خون خرابے کو روک دیا گیا اور ہم نے صحیح معنوں میں اس ملک کا رُخ اسلام کی طرف موڑ دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی میری اور میرے رفقاء کی یہ کوشش رہی ہے کہ ہم اپنے آپ کو اس ملک کے حکمران نہ سمجھیں۔ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء سے آج تک ہماری یہ کوشش رہی ہے کہ نہ صرف ہم اپنے ملک کو صحیح رُخ پر لے جائیں، بلکہ اس کے نظم و نسق کو چلانے کے لئے عوام کو ساتھ ملائیں۔

پاکستان میں جمہوری عمل آج سے نہیں چل رہا ہے، بلکہ آج سے چالیس برس قبل انگریزوں کے زمانے میں اس جمہوری عمل کی طرف تھوڑا بہت ردِ عمل ہوا تھا۔ پاکستان کے بنانے میں جہاں جذبۂ اسلام متحرک تھا، لوگوں کا ذوق و شوق اور کوششیں کارفرما تھیں تاکہ اس ملک میں مسلمان اپنی زندگی صحیح اسلامی طور پر

بسر کر سکیں، وہاں بہت زیادہ جمہوری ردِ عمل بھی تھا۔ لوگوں نے یکجا ہو کر بیک آواز پاکستان کا مطالبہ کیا تھا اور قائدِ اعظم محمدّ علی جناح کی قیادت میں اس بات کو تسلیم کیا گیا تھا کہ ہم ایک ایسا ملک بنائیں گے جس میں صحیح معنوں میں اسلامی جمہوریت ہو گی۔ ۱۹۵۳ء کے آئین میں ہم نے اپنے ملک کا نام اسلامی جمہوریہٗ پاکستان رکھا۔ اور آج تک سوائے پچھلے ایک سال سے جب کہ اسلامی جمہوریہٗ ایران کا قیام عمل میں آیا ہے، تمام دنیائے اسلام میں پاکستان ہی وہ واحد ملک تھا جس نے اپنا نام بھی اسلام کے نام پر اسلامی جمہوریہٗ پاکستان رکھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اسلام جمہوریت کے متعلق کیا کہتا ہے؟ جیسا کہ ابھی آپ نے قاری صاحب کی تلاوتِ قرآن پاک میں سنا، اسلام جمہوریت کے متعلق یہ کہتا ہے کہ آپس میں صلاح مشورہ کیا کرو۔ کوئی حاکم ہے نہ کوئی محکوم بلکہ عوام الناس آپس میں بھائی چارے کے ساتھ خود اپنی مرضی سے ایک شخص یا ایک سے زیادہ اشخاص کی مجلسِ شوریٰ کو یہ حقوق دیں کہ وہ اسلامی طریقے سے ملک کا نظم و نسق چلائے۔ اس کے تحت جمہوریت کی طرف وہ ایک قدم بڑھائیں۔ پاکستانی عوام کو اسلامی جمہوریت یا عام جمہوریت کا ایک طریقہ معلوم ہے اور وہ ہے چناؤ۔ چناؤ کے بہت سے طریقے ہیں۔ اس میں صحیح معنوں میں اسلامی عمل بھی آسکتا ہے۔ اس طرف صحیح قدم اٹھانے اور بنیادی جمہوریت قائم کرنے میں میری اور میرے رفقائے کار کی کوشش شامل ہے اور ہمیں اس پر فخر ہے۔ یہ خدمت اللہ تعالیٰ نے ہمارے ذمّے سپرد کی تھی کہ ہم نے الیکشن کرائیں۔ اس کے لئے میں ملک کے کونے کونے میں گیا، میرے ساتھیوں نے اور متعلقہ لوگوں نے جہاں جہاں بھی تقریریں کی ہیں، یہی کہا ہے کہ آپ صحیح نمائندے چُنیے جو مسلمان ہوں، اسلامی ذہن رکھتے ہوں اور لوگوں کی خدمت کے جذبے سے سرشار ہوں۔

اس سلسلے میں ہم نے لوکل سیلف گورنمنٹ کے الیکشن کرائے، کونسلروں کا انتخاب ہوا۔ آج کی تقاریر سننے کے بعد کسی شخص کو شک نہیں ہو سکتا کہ کونسلر صاحبان کا جن میں خواتین و مرد دونوں شامل ہیں، جذبۂ ایمان کیسا ہے اور خدمت کی لگن کیسی ہے۔ میں آپ کو اس جذبے سے سرشار ہونے پر مبارک باد دیتا ہوں۔ مردان ڈسٹرکٹ کے کونسلروں اور میونسپل کمیٹی مردان کے نمائندوں نے زبانی طور پر جس طرح اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، مجھے امید ہے کہ عملی طور پر بھی یہ اسی طرح کام کریں گے۔

ہم نے ایک بنیاد رکھ دی ہے۔ آپ کو اس بنیاد پر ایک عمارت تعمیر کرنی ہے۔ آپ نے میری تقاریر اس وقت بھی سنی ہونگی جب ہم لوکل سیلف گورنمنٹ کے الیکشن کرا رہے تھے۔ میں نے اس وقت یہ کہا تھا کہ بہت سے لوگ اس سسٹم کے خلاف ہیں۔ خاص طور پر میرے سیاسی بھائیوں نے اُس وقت اس کی بہت مخالفت کی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ پہلے قومی سطح پر اور صوبائی سطح پر الیکشن کرائے جائیں اور نمائندے چن کر اسمبلیوں میں لائیں۔ اس کے بعد نچلی سطح پر اس ڈھانچے کو تشکیل دیں اور لوکل سیلف گورنمنٹ کے الیکشن کرائیں۔ میں نے اُن سے یہ گزارش کی تھی کہ جب آپ عمارت بنانا چاہتے ہیں تو جب تک اس کی بنیاد درست نہیں ہوگی، عمارت کیسے بنے گی۔ لہٰذا اس وقت ہم نے فیصلہ کیا کہ اگر اس ملک میں صحیح اسلامی جمہوریت قائم کرنی ہے تو ہمیں اس کی بنیاد رکھنی ہوگی۔ یہ بنیاد آپ جیسے کونسلر حضرات کی حیثیت میں موجود ہے۔ اگر اس وقت ہم نے اس بنیاد کو مضبوط کر لیا، اس کے اندر صحیح معنوں میں جذبۂ خدمت پیدا کر لیا، پاکستانی اخوت قائم کر لی اور اسلام کا جذبہ بیدار کر لیا تو یہاں انشاء اللہ تعالیٰ ایک ایسی عمارت بنے گی جس کی طرف دیکھ کر

لوگ رشک کریں گے۔ اگر اس کے اندر کوئی کمزوری رہ گئی تو میں اور آپ سب اس کا خمیازہ بھگتیں گے اور ہماری آنے والی نسلیں کبھی ہمیں معاف نہیں کریں گی۔ اس لئے مجھے امید ہے کہ کونسلر حضرات، لوکل سیلف گورنمنٹ کے تمام ممبران خواہ ان کا تعلق دیہی علاقوں سے ہو، ڈسٹرکٹ کونسلوں سے ہو، یونین کونسلوں سے ہو یا شہری علاقوں میں، میونسپل کارپوریشن یا میونسپل کمیٹی یا ٹاؤن کمیٹی سے ہو، اپنے اپنے اداروں کو فعال بنانے کے لئے کوشش کریں گے۔ چونکہ سال کے آخر میں یہ وجود میں آئے ہیں اور مالی مشکلات کی وجہ سے اِن کی کارکردگی پر کافی اثر پڑا ہے، لہٰذا ۵ اور ۶ مارچ کو راولپنڈی اور اسلام آباد میں ایک کنونشن منعقد کیا گیا اور اس میں اس بات کا جائزہ لینے کے بعد میں نے یہ اعلان کیا کہ حکومتِ پاکستان دس کروڑ روپے کی رقم اِن اداروں کو دے گی تاکہ یہ اپنے اپنے علاقوں میں عوام کی خدمات اور ضروریات پر صَرف کر سکیں۔ یہ رقم انشاءاللہ عنقریب آپ کے پاس پہنچ جائے گی اور مجھے امید ہے کہ آپ اس رقم کا صحیح استعمال کریں گے اور اُن مسائل کی طرف توجہ دیں گے جن میں عوام کی بہتری ہے۔

آج کی دو تقاریر میں آپ نے اور میں نے مردان شہر اور مردان ضلع کے بہت سے مسائل کے متعلق سنا۔ میں آپ کے اس خیال سے اتفاق کرتا ہوں کہ کچھ حکومت اور کچھ عوام دونوں کی غلطیوں کی وجہ سے ہم بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ تعلیم کے میدان میں بھی ہماری رفتار سُست رہی ہے۔ جب تک ہم صحیح طریقے سے اور پورے انہماک کے ساتھ اس طرف توجہ نہیں دیں گے، اس کمی کو پورا نہیں کیا جا سکے گا۔ آج پاکستان میں خواتین کی خواندگی کی شرح صِرف تیرہ [۱۳] فی صد ہے اور کل پاکستان میں صرف پچیس [۲۵] فی صد پڑھے لکھے لوگ ہیں۔

پچھتر فی صد لوگ اَن پڑھ ہیں۔ جب تک ہم اس چیز کی طرف توجہ نہیں دیں گے، پاکستان صحیح طور پر ترقّی نہیں کر سکتا۔

میں تعلیم کے ضمن میں اس کے بنیادی عنصر یعنی اسلامی تعلیم کا بھی ذکر کروں گا۔ ہم نے جو تعلیمی معیار مقرر کئے ہیں، اُن میں نہ صرف پرائمری جماعت تک بلکہ اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم تک، جس میں ٹیکنیکل ٹریننگ بھی شامل ہے، خواہ وہ عام کالج ہوں، میڈیکل کالج ہوں، انجنیئرنگ کالج ہوں، یونیورسٹیاں ہوں، عام سکول ہوں، مڈل سکول ہوں یا ہائی سکول ہوں، ہم نے اِن تمام تعلیمی اداروں میں اسلامی تعلیم کو لازمی قرار دیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس کا صحیح اثر ہو گا۔ اس معاملے میں اگر والدین سے کچھ سُستی ہو جاتی ہے تو اسکولوں اور کالجوں میں بچوں کو اسلامی تعلیم دی جائے گی، لیکن اس کے لئے ہمیں جہاد کرنا ہو گا۔ اس جہاد میں جہاں یہ ضروری ہے کہ استاد اچھے ہوں، اسکولوں اور کالجوں کے لئے عمارتیں ہوں، سٹاف کے رہنے کے لئے مکانات ہوں، وہاں ہمیں اس امر کی طرف بھی توجہ دینی ہو گی کہ چونکہ ہمارے وسائل کم ہیں، اس لئے اِن ضروریات کو تھوڑی دیر کے لئے ایک طرف رکھ دیا جائے اور ہم مسجدوں کو مکتب بنائیں تاکہ بنیادی تعلیم کے حصول میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ وہ مخیّر حضرات جن کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا ہے، اگر کچھ رقوم تعلیم کے شعبے کے لئے خرچ کریں تو کسی حد تک مالی وسائل کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ پھر، ان حضرات کے لئے یہ کارِ ثواب بھی ہے۔

میں آپ کے سامنے یہ اعلان کرتا ہوں بلکہ وعدہ کرتا ہوں کہ صوابی میں لڑکیوں کا جو کالج بن رہا ہے، اس کے تمام اخراجات کے لئے وفاقی حکومت

رقم فوراً صوبے کو دے گی تاکہ جلد از جلد اس کی تکمیل ہو۔ مردان میں جو کالج ہے، اس کی بھی بہت سی ضروریات ہیں۔ لہٰذا ان ضروریات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے میں ایک ایسی چیز دینا چاہتا ہوں جس سے بچوں اور اساتذہ دونوں کو آرام ہو۔ بلڈنگیں، اسٹاف کوارٹرز اور باقی چیزیں ساتھ ساتھ ہوتی رہیں گی۔ لیکن چونکہ مجھے بتایا گیا ہے کہ مردان میں کالج آنے جانے کے لئے بچوں کو تکلیف کا سامنا ہے، اس لئے میں کالج کے لئے ایک بس کا تحفہ دیتا ہوں۔

علم کے شعبے میں جب تک ہم اپنی توجہ عوام کی تعلیم کی طرف نہیں دیں گے، اس وقت تک کسی خاص ترقّی کی امید نہیں کی جاسکتی۔ مردان جیسے شہر میں جب تک ایک اچھی لائبریری نہ ہو، مکتب نہ ہو، وہاں کچھ کتابیں، خصوصاً اسلامی کتابیں نہ ہوں، اخبارات نہ ہوں، لوگوں کو پڑھنے کے مواقع نہ ملیں تو ہم کس طرح یہ توقع کرسکتے ہیں کہ یہاں کے رہنے والوں کو سب چیزوں کا علم ہوگا۔

میں جناب اکرام اللہ خان صاحب کی تجویز سے اتفاق کرتا ہوں اور پانچ لاکھ روپے کی رقم کا اعلان کرتا ہوں جس سے مردان شہر میں ایک اچھی سی لائبریری قائم کی جاسکے۔ اس شہر میں پارک کی ضرورت کا ذکر بھی کیا گیا ہے میں نے جنرل فضلِ حق صاحب سے بھی گزارش کی ہے کہ وہ اس بات کا جائزہ لیں۔ میں خود بھی اس کا جائزہ لوں گا۔ مردان سنٹر کے ساتھ جنرل فضلِ حق صاحب رابطہ قائم کریں گے اور ہم دیکھیں گے کہ اگر فوج کی کچھ زمین وہاں بیکار پڑی ہے اور وہ پارک کے لئے موزوں ہے تو ہم انشاء اللہ اس کے لئے کوشش کریں گے۔ سوئی گیس، پریس کلب اور اس قسم کی دوسری ضروریات کے متعلق آپ نے کہا ہے۔ دیکھئے، میں کوئی ایسا سیاسی آدمی نہیں ہوں جو لوگوں کے سامنے بہت سے

وعدے کردے، لیکن کام کوئی ایک نہ کرے۔ میں نے آپ کی تکالیف سنی ہیں، میرے یہاں آنے سے تین روز قبل جنرل فضل حق صاحب نے یہاں کے مسائل کے متعلق ایک مفصل جائزہ رپورٹ مجھے بھیجی تھی۔ میں نے اس کو پڑھا ہے، میں اس بارے میں جنرل فضل حق صاحب سے تفصیلی بات کروں گا۔ آپ یقین رکھئے، جس جس چیز کے لئے بھی وفاقی حکومت، ضلع مردان یا مردان شہر کو کوئی مدد دے سکتی ہے تو وہ انشاءاللہ فوری طور پر دی جائے گی۔

زراعت کے شعبے میں ترقی بہت ضروری ہے۔ مردان سکارپ کا منصوبہ کسی وجہ سے تھوڑا سست ہوگیا ہے۔ اس کے لئے کافی رقم درکار ہے۔ زراعت پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اس حقیقت کو مدِنظر رکھتے ہوئے جب تک ہم اپنی زرعی پیداوار میں اضافہ نہیں کریں گے، اپنے کھانے کے لئے خود اشیا پیدا نہیں کریں گے تو یاد رکھئے اس ملک کو چلانے میں بہت زیادہ مشکلات پیدا ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمارے پاس سب کچھ ہے۔ ابھی حال ہی میں اللہ کے فضل سے ایک دو جگہ سے تیل بھی نکل آیا ہے اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور بھی معدنیات سے نوازیں گے، لیکن اگر پاکستان کے لوگ اپنی خوراک پیدا نہیں کر سکتے تو پھر بتائیے اور کیا پیدا کریں گے۔ اس طرف حکومت کی کڑی نظر ہے۔ آج میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مردان سکارپ کے منصوبے پر انشاءاللہ جلد از جلد عمل درآمد ہوگا تاکہ سیم و تھور پر قابو پایا جاسکے اور یہ ضلع زراعت کے میدان میں ترقی کرسکے۔

جنرل فضلِ حق صاحب نے بیہور کینال کے متعلق مجھے بتایا ہے کہ صوبائی حکومت اس کی طرف توجہ دے رہی ہے اور یہ منصوبہ خود انہوں نے اپنے ذمے لیا ہے۔

اس کینال کو بنانے کے لئے جلد کوشش کی جائے گی۔

تمباکو کی قیمت کے متعلق بھی میں آپ کو بتاتا ہوں۔ تمباکو کا تعلق زیادہ تر صرف صوبۂ سرحد سے ہے، کیونکہ پنجاب، بلوچستان اور صوبۂ سندھ میں اتنی مقدار میں تمباکو کی کاشت نہیں ہوتی ہے جتنی اس صوبے میں ہوتی ہے لیکن ہماری پالیسی یہ ہے کہ کسی بھی فصل کی بوائی سے پہلے اس فصل کی قیمت مقرر کردی جائے۔ موجودہ حالات میں چونکہ آبیانہ، پانی کے نرخ اور بجلی اور کھاد کی قیمتوں میں اضافہ ہوا ہے، لہٰذا ہماری یہ پالیسی ہے کہ کاشت کار اور زمیندار کو اس کی فصل کا اتنا معاوضہ دیا جائے کہ اس کی ہمت افزائی ہو اور وہ آئندہ فصل کے لئے مزید محنت کرے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم انشاءاللہ تمباکو کی قیمت کا جائزہ لے کر ایسی صحیح قیمت مقرر کریں گے جس سے کاشت کار کو فائدہ پہنچے اور کارخانہ دار کو بھی زیادہ بوجھ نہ اٹھانا پڑے، لیکن کاشت کار کو اس کا معاوضہ صحیح طور پر ملنا چاہیئے۔ ان باتوں کے ساتھ ساتھ میں آپ کی توجہ دوبارہ اُس خاص امر کی جانب دلانا چاہتا ہوں جس کا تھوڑا سا ذکر میں نے اپنی تقریر کے شروع میں کیا تھا، یعنی ہماری یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ پاکستان کو مستحکم بنایا جائے اور اس کی سالمیت کی حفاظت کی جائے۔ پاکستان کے عوام میں اتحاد پیدا کیا جائے اور میرے نکتۂ نظر سے ایسا اتحاد صرف اسلامی نظریات کے مطابق ہونا چاہیئے۔ میں توقع کروں گا کہ مردان شہر اور مردان ضلع کے تمام لوگ، تمام خواتین و حضرات مِل کر کوشش کریں گے کہ وہ ایک ایسا معاشرہ بنائیں جو نہ صرف مثالی ہو بلکہ صحیح معنوں میں اسلامی معاشرہ ہو۔ اگر ہم اپنی مدد آپ کے اصول پر قائم رہیں، لالچ اور طمع سے پرہیز کریں اور حقیقی معنوں

میں اسلامی اقدار کو اپنائیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان نہ صرف ایک اسلامی ملک بنے گا بلکہ یہاں ایک خوشحال معاشرہ بھی پیدا ہوگا۔ یہ معاشرہ پیدا کرنے کے لئے خواتین و مرد دونوں کی مشترکہ کوشش ہونی چاہئے۔ میں یہ اس لئے نہیں کہہ رہا ہوں کہ یہاں خواتین موجود ہیں، بلکہ میں یہ بات ہر جگہ کہتا ہوں کہ مرد اور خواتین گاڑی کے دو پہیئے ہیں۔ جب تک یہ دونوں پہیئے صحیح طور پر نہیں چلیں گے تب تک اس گاڑی کا چلنا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت دونوں کے ذمّے اپنے اپنے فرائض متعیّن کئے ہیں۔ پاکستان میں اس وقت عورتوں کی آبادی کم از کم پچاس فی صد ہے۔ اس لئے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ پاکستان کی نصف آبادی یعنی عورتوں کو آپ الگ کر دیں اور کہیں کہ ان کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ مرد کی زندگی میں عورت کا شروع سے لے کر آخر تک، کسی نہ کسی طریقے سے ہر وقت، اتنا اختیار، اتنا انداز اور اتنا موثّر کردار رہتا ہے کہ وہ اُس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ خواہ وہ عورت ماں کی شکل میں ہو، بہن کی شکل میں ہو، بیوی کی شکل میں ہو، استانی کی شکل میں ہو یا عزیز کی شکل میں ہو، مرد کی زندگی میں اس کا اختیار ہمیشہ رہتا ہے۔ اگر خواتین اپنی ذمہ داری پوری کریں اور صحیح معنوں میں اسلامی اقدار کو اپنائیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہر وہ گھرانہ جس میں مومن عورتیں موجود ہوں اور وہ صحیح طریقے سے اپنے بچوں، اپنے مردوں اور گھر کے افراد کو اسلامی تعلیمات سے نوازیں تو ہمارا معاشرہ چند دنوں میں سچّا اسلامی معاشرہ بن سکتا ہے۔ میں آج آپ کی وساطت سے اپنی بہنوں کو، خواتین کو تلقین کروں گا کہ وہ پاکستان کی بہتری، تعلیم عام کرنے، ملک میں اسلامی نظام قائم کرنے اور اسلامی اقدار کو اپنانے کے لئے ایسے تمام اداروں میں

جہاں وہ کوشش کر سکتی ہوں یا مؤثر بن سکتی ہوں، کوشش کریں تاکہ وہ اور مرد دونوں مل کر پاکستان کو ایک مثالی ملک بنائیں جس میں صحیح اسلامی معاشرہ قائم ہو۔

میں آپ کا مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے اظہارِ خیال کا موقع فراہم کیا۔

جہاں آپ کو حکومت سے بہت سی توقعات ہیں، وہاں مجھے اور میرے رفقاء کو بھی آپ سے بہت سی توقعات ہیں۔ اس وقت تک، یعنی جب تک ہم اقتدار عوامی نمائندوں کو منتقل نہیں کر دیتے، میں امید کروں گا کہ آپ اِن توقعات پر پورا اترنے میں اور عوام کی خدمت کرنے میں نہ صرف میرا ہاتھ بٹائیں گے بلکہ مجھے راستہ بتائیں گے تاکہ مَیں، میرے رفقاء اور آپ سب مل کر صحیح طور پر ملک و قوم کی خدمت کر سکیں اور اس ملک کو وہ مقام حاصل ہو جائے جس کے لئے یہ بنایا گیا تھا۔

پاکستان پائندہ باد

خوشحال خان خٹک کے مزار پر حاضرین سے خطاب

اکوڑہ خٹک: ۲ اپریل، ۱۹۸۰ء

صوبۂ سرحد کے دَورے کے دَوران صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے عالمِ باعمل اور عظیم ادیب، خوشحال خان خٹک کے مزار پر بھی حاضری دی۔ مزار پر حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے صدرِ پاکستان نے قوموں کی زندگی میں ادیبوں کی خدمات کی اہمیت واضح کی۔ انہوں نے خوشحال خان کو افغانوں کی پہچان قرار دیا اور تجویز پیش کی کہ خوشحال خان کی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے ایک لائبریری اور ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قائم کیا جائے۔ اس کے علاوہ صدرِ پاکستان نے وفاقی حکومت کی طرف سے بیرونِ ملک اعلیٰ تعلیم کے لئے خوشحال خان خٹک کے نام پر سالانہ وظیفے کا اعلان کیا۔

پریشان خٹک نے سپاسنامہ پیش کیا اور اباسین آرٹ کونسل کے اعزازی سیکرٹری، پروفیسر خاطر غزنوی نے خوشحال خان خٹک پر ایک کتاب صدر کی خدمت میں پیش کی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ۔

محترم جناب گورنر صوبۂ سرحد جنرل فضلِ حق صاحب،
پریشان خٹک صاحب،
معزز خواتین و حضرات!

السّلام علیکم ۔ پریشان خٹک صاحب نے لکھا ہوا سپاسنامہ پڑھنے کی بجائے جو کلمات زبانی کہے ہیں، وہ دل میں اس طرح اُتر گئے ہیں جس طرح کہی ہوئی ایک صحیح بات ایک صحیح آدمی کے دل میں اتر جاتی ہے۔ میں ان سے گزارش کرنے والا تھا کہ وہ اپنا سپاسنامہ سنائیں تو ممکن ہے کہ اس سے کچھ فائدہ ہو جاتا لیکن اس سے میرے لئے کچھ گنجائش پیدا ہو گئی ہے، کیونکہ میرے پاس اس سپاسنامے کا کوئی لکھا ہوا جواب نہیں ہے۔ میرا خیال تھا کہ پریشان صاحب لکھا ہوا سپاسنامہ پڑھیں گے اور مَیں بغیر لکھا ہوا پڑھوں گا تو شاید اُن سے کچھ سبقت لے جاؤں، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے اندازِ بیان اور گفتگو کے بعد

مجھے کچھ جھجک سی ہو رہی ہے، کیونکہ انہوں نے میری اتنی تعریف کی ہے جس کے میں قابل نہیں ہوں اور اس کے ساتھ اناؤنسر صاحب نے جو اور طرّہ لگایا ہے میں اس کے بھی قابل نہیں ہوں۔

لیکن میں ایک بات کا ضرور قائل ہوں اور وہ یہ کہ پاکستان کے قیام میں بہت سے لوگوں کا ہاتھ ہے۔ اس میں نہ صرف عوام کا ہاتھ ہے بلکہ مفکرِ اسلام علامہ اقبال نے قائدِ اعظم کو اس کا پیغام دیا۔ علامہ اقبال کی شاعری میں جہاں خودی کا تصور آتا ہے، وہاں انہوں نے خوشحال خاں خٹک کی خودی اور جذبۂ آزادی کی بھی بہت تعریف کی ہے۔ میری یہ ہمیشہ خواہش رہی ہے کہ خوشحال خان خٹک کے مزار پر حاضری دوں۔ اس لئے جنرل فضلِ حق صاحب نے جب مجھے مردان سے ہوتے ہوئے اکوڑہ خٹک آنے کو کہا تو میں نے اسے نہ صرف خوشی سے قبول کیا بلکہ اپنے لئے باعثِ فخر سمجھا، کیونکہ اس طرح مجھے خوشحال خان خٹک کے مزار پر فاتحہ پڑھنے اور اظہارِ عقیدت کا موقع بھی ملا ہے اور آپ کے سامنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اپنے خیالات کے اظہار کا ذریعہ بھی میسر ہوا ہے۔

سب سے پہلی چیز تو یہ ہے کہ جو قومیں زندہ رہنا چاہتی ہیں، وہ اپنے آباؤ اجداد کے کارناموں اور اپنی تاریخ کو یاد رکھتی ہیں اور وہ اپنے مفکّروں، شاعروں اور ادیبوں کو ایک ایسی زندگی بخشتی ہیں جو تاریخ کا ایک حصّہ بن جاتی ہیں۔ جو قومیں اپنی تاریخ کو بھول جاتی ہیں، وہ کبھی زندہ نہیں رہتیں۔ اس لئے میرا یہ کہنا ہے کہ خوشحال خاں خٹک نہ صرف ایک ادیب، بلکہ جیسا کہ ابھی آپ نے سنا ہے، ایک مفکّر، بہادر سپاہی اور ایک عالم تھے۔ اگر آپ دستار نامہ پڑھیں، باز نامہ پڑھیں اور خوشحال خان کی شاعری کی طرف

توجہ دیں تو وہ نہ صرف آپ کو ایک ادیب اور ایک سپاہی نظر آئیں گے اور ان کے یہاں نہ صرف آپ کو گل و بلبل کی شاعری نظر آئے گی بلکہ ان کے کلام میں آپ کو ایک ایسی خوبی نظر آئے گی جو ان کی شخصیت کی پہچان ہے۔ یعنی ان کے کلام کے وہ اثرات جنہوں نے ملک کے اس حصے کو یکجا کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ میں فرقہ بندی کا قائل نہیں، لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ کسی قوم کو یا قوموں کو یکجا کرنے کے لئے جہاں اور بہت سی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، وہاں ان کے فرقوں کو ابھارنا بھی حقیقی معنوں میں نہ صرف ایک اسلامی رواج ہے بلکہ ایک اہم تقاضا بھی ہے۔ قرآن حکیم میں بھی یہ ذکر ہے کہ "ہم نے تم کو قبیلوں میں صرف اس لئے تقسیم کیا ہے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔" تو جہاں ہم خوشحال خان خٹک کی بطور خٹک ہونے کے تعریف کریں گے، وہاں ہم انہیں ایک ادیب، ایک مفکر اور ایک ایسی شخصیت کے لحاظ سے یاد کریں گے جس نے اس علاقے کے عوام میں ایک نئی روح پھونکی اور جس کی وصیت کے مطابق اس کا مزار ایک ایسی جگہ قائم ہوا ہے جہاں سوائے آزادی کی ہوا کے اور کسی کی ہوا نہ لگے۔

میں پریشان صاحب کی تجاویز کا جائزہ لینے کے لئے نہایت خوشی سے یہ احکامات جاری کروں گا کہ نہ صرف یہاں پکی سڑک ہو، نہ صرف یہاں رہنے کا انتظام ہو، بلکہ میں ایک قدم اور آگے بڑھتا ہوں اور وہ یہ کہ پشتو اکیڈمی جو خوشحال خان خٹک کے کردار کا مظہر ہے، اپنے دائرۂ کار میں رہ کر اُن کی شاعری اور پشتو زبان میں ریسرچ کرے اور بڑے شوق سے یہاں ایک لائبریری، کتب خانہ قائم کرے۔ کتب خانے اور لائبریریاں قوم کا ایک ایسا سرمایہ ہوتی ہیں جس سے بہت سے لوگ مستفید ہوتے ہیں۔ کتب خانے کے علاوہ آپ یہاں ہر سال خوشحال خان

خٹک کی یاد میں کوئی محفل منعقد کریں، کوئی مجلس کریں، خوشحال خان خٹک کے عقیدتمندوں کے لئے یہ کام بھی لازمی ہے۔

میرے خیال میں صوبہ سرحد میں خوشحال خان خٹک کے نام پر ایک ایسی لائبریری، ایک ایسا کتب خانہ، ایک ایسا مکتب اور ایک ایسا ریسرچ انسٹیٹیوٹ ہو جو اس علاقے کے لوگوں میں ایک مثالی روح پھونک دے۔ اس کے علاوہ میں یہ بھی چاہوں گا کہ خوشحال خان خٹک کے نام پر ایک ایسا وظیفہ مقرر کیا جائے جس سے صوبۂ سرحد کا کوئی ہونہار طالبِ علم جس کا تعلق کسی بھی ادارے سے ہو، خواہ وہ سائنس کا طالبِ علم ہو یا آرٹس کا، میڈیکل کا ہو یا انجینئرنگ کا مستفید ہو سکے۔ یا حکومتِ صوبۂ سرحد کسی ایسے شخص کا انتخاب کرے جو بہت ہونہار اور ہوشیار ہو۔ اس کو وفاقی حکومت خوشحال خان کے نام پر وظیفہ دے گی تاکہ وہ بیرون ملک جا کر اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے پاکستان آئے اور صوبۂ سرحد کے عوام کی خدمت انجام دے۔

میں آپ حضرات کا مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے یہ موقع دیا ہے۔ یہ میرے لئے باعثِ فخر ہے اور مجھے یہ سعادت نصیب ہوئی کہ میں نے یہاں نہ صرف خوشحال خان خٹک کے مزار پر فاتحہ پڑھا بلکہ آپ کے سامنے اظہارِ خیال کرنے کا بھی مجھے موقع ملا۔

مجھے امید ہے کہ جب تک پاکستان زندہ رہے گا اور انشاء اللہ پاکستان تا ابد زندہ رہے گا، اس وقت تک خوشحال خان کی روح کو نہ صرف ثوابِ دارین پہنچایا جاتا رہے گا بلکہ اُن کے خیالات، ان کی تعلیمات اور ان کے ان عزائم کو جو شاید ان کے اپنے زمانے میں پورے نہ ہو سکے ہوں، پاکستان کے مسلم عوام، صوبۂ سرحد کے لوگ اور خٹک قبیلے کے لوگ انشاء اللہ عملی جامہ پہناتے رہیں گے۔

پاکستان پائندہ باد

چترال میں کونسلروں سے خطاب

چترال : ۳ اپریل، ۱۹۸۰ء

صدرِ پاکستان پشاور سے چترال پہنچے تو چترال سکاؤٹس نے انہیں سلامی دی۔ چترال میں انہوں نے افغان مہاجرین کے کیمپ کا معائنہ کیا اور چترال کے کونسلرز اور ممتاز شہریوں سے خطاب کیا۔ انہوں نے چترال کے عوام کے جذبۂ آزادی کی تعریف کی اور اسلام سے محبت پر انہیں خراجِ تحسین پیش کیا۔

جنرل محمد ضیاء الحق نے چترال کے مقامی مسائل کا ذکر کرتے ہوئے وعدہ کیا کہ لواری ٹنل کو جلد از جلد مکمّل کیا جائے گا تاکہ چترال کا باقی ملک سے زمینی رابطہ سارا سال قائم رہے۔ انہوں نے مقامی مسائل کے حل کے لئے ڈسٹرکٹ کونسل کو بیس لاکھ روپے کا عطیہ دینے کا اعلان کیا۔

خطاب کے بعد جنرل محمدّ ضیاء الحق نے چترال کے طالب علموں کے ایک وفد سے ملاقات کی اور گرم چشمہ دیکھنے گئے۔ گرم چشمہ پر وہ منتظر عوام میں گھل مل گئے اور دیر تک ان سے باتیں کیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيِّيۡنَ۔

جناب گورنر فضلِ حق صاحب،

محترم خورشید علی خان صاحب، چیئرمین ڈسٹرکٹ کونسل چترال،

جناب کونسلر صاحبان،

اور

اہلِ چترال!

السلام علیکم ۔ میرے لئے یہ ایک نہایت باعثِ فخر موقع ہے کہ میں آپ سے مخاطب ہوں ۔ گو اس میں کچھ تاخیر ہو گئی ہے، لیکن پھر بھی میں اس بات میں فخر محسوس کرتا ہوں کہ آج چترال آ کر آپ سے خود بات چیت کرنے کے قابل ہوا ہوں ۔ میں آپ کا مہمان نہیں ہوں ۔ میں تو میزبان ہوں ۔ آپ میرے مہمان ہیں کیونکہ جو ذمہ داری اس وقت مجھ پر عائد ہو رہی ہے، اس کے لحاظ سے یہ میرا فرض ہے، نہ صرف اسلامی فرض بلکہ دنیاوی فرض بھی! جب تک اللہ تعالیٰ

نے مجھے استطاعت دی ہے، جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہے، جب تک میرے ہاتھ میں کچھ طاقت ہے، اس کا صحیح استعمال اور اس کے ذریعے عوام کی خدمت ہی میرا اوّلین فرض ہے اور اسی فرض کو پورا کرنے کے لئے چترال جیسے علاقے میں آیا ہوں۔ میں معذرت چاہتا ہوں کہ میں اس سے پہلے یہاں نہیں آسکا لیکن اس سے یہ مراد نہ لیں کہ میں نے آپ کو بھلا دیا ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں اور خورشید علی صاحب اور بُرہان الدین صاحب اس کے گواہ ہیں کہ چترال کے علاقے کے مسائل ہمیشہ میرے دل کے قریب رہے ہیں۔ میں آپ کو یہ بھی یقین دلانا چاہتا ہوں کہ موجودہ حکومت کے ذریعے، جس میں وفاقی حکومت کے جو فرائض ہیں وہ اور جنرل فضلِ حق صاحب کی جو ذمہ داریاں ہیں وہ، ہم ان سب کو انشاء اللہ اس خوش اسلوبی سے پورا کریں گے کہ چترال جیسے علاقوں کی جو ضروریات ہیں وہ فوری طور پر پوری ہو جائیں۔ چترال اور اس کے عوام کی جو خدمات پاکستان اور اِس علاقے کے لئے ہیں، انہیں پاکستان کے تمام لوگ ہر وقت سراہیں گے۔ جہاں تک پاکستان کی سالمیت اور پاکستان کی آزادی کا تعلق ہے، میں ہمیشہ لوگوں سے یہ کہتا ہوں کہ چترال جا کر دیکھئے اور ان سنگلاخ علاقوں میں بسنے والے چترالیوں سے جا کر پوچھئے کہ آزادی کس طرح قائم کی جاتی ہے۔ آپ لوگ نہ صرف اپنے علاقے کے لئے مشعلِ راہ ہیں، بلکہ میرے خیال میں چترالی عوام کی کارکردگی اور ان کا حوصلہ پورے پاکستان کے لئے ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ جس طریقے سے جناب خورشید علی صاحب نے اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے، اس کی اصل بنیاد وہ اسلامی اخوّت ہے، وہ اسلامی جذبہ ہے جس میں میرے کہنے سے نہ کوئی زیادتی ہو گی، نہ ہی اس کا ذکر نہ کرنے سے اس کے اندر کوئی کمی واقع

ہو گی۔ چترال سے لے کر خضدار تک، پشاور سے لے کر کراچی تک، مشرقی سرحدوں سے لے کر مغربی سرحدوں تک پاکستان کے تمام بسنے والوں کے مابین اتحاد قائم کرنے والا کوئی ذریعہ ہے، کوئی بنیاد ہے تو وہ ہمارا دین اسلام ہے۔ اس کے بغیر نہ پاکستان پاکستان ہے، نہ چترال چترال ہے، نہ لاہور لاہور ہے، نہ پشاور پشاور ہے۔ جیساکہ آپ کو معلوم ہے، آج سے ۳۲ سال پہلے جب آپ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ آپ پاکستان کا حصہ بننا چاہتے ہیں اور اُس وقت کے برِ صغیر کے مسلمانوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ہم ایک ایسی مملکت بنانا چاہتے ہیں جس میں رہ کر مسلمان اپنے دین اسلام کے مطابق اپنی زندگی بسر کر سکیں، اُس وقت آپ پیش پیش تھے۔ جو بنیادی مقصد تھا وہ یہی تھا کہ ہم اسلام کی اقدار کو اپنائیں، اسلام کی روح کے مطابق اسلامی نظام قائم کریں اور ایک ایسا مثالی ملک بنائیں جو نظریاتی ممالک کی صفِ اول میں ہو۔ مجھے یہ کہنے میں فخر محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور آپ کی دُعاؤں اور تعاون سے موجودہ حکومت کو یہ افتخار حاصل ہوا ہے کہ ہم نے دینِ اسلام کی جانب، نظامِ اسلام کی جانب ایک قدم بڑھایا ہے۔ ہم نے اس کی بنیاد رکھنے کے لئے کچھ اینٹیں لگائی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اس بنیاد کو مضبوط کرنے کے بعد اس کے اوپر اس ملک میں اسلامی نظام کی جو عمارت بنے گی وہ اتنی ہی مضبوط اور عالیشان ہو گی جتنا کہ خود دینِ اسلام ہے۔ اس سلسلے میں نہ مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے اور نہ ہی آپ سے کچھ سُننا ہے۔ آپ جو کام دینِ اسلام کو مضبوط بنانے کے لئے اور دینِ اسلام یا نظامِ اسلام کی طرف اپنا رُخ صحیح کرنے کے لئے کریں گے اور اس طرف جانے کے لئے جو رفتار قائم کریں گے، اس میں آپ کا اور

میرا دونوں کا بھلا ہے۔ ہمارا دین بھی اسی کام میں ہے، دنیا بھی اسی میں ہے اور آخرت بھی! مجھے امید ہے کہ چترال کے رہنے والے عوام نے جہاں اور بھی بہت سی مثالیں قائم کی ہیں، نظامِ اسلام کو اپنانے کے لئے بھی ایک مثالی کردار ادا کریں گے، ایک نمایاں جذبے کا مظاہرہ کریں گے اور اس طرح پاکستان کے بقیہ لوگوں کو یہ دکھائیں گے کہ اسلام صرف زبانی کہنے کا نام نہیں ہے بلکہ جب تک عملاً اُس پر کارروائی نہ ہو، اس وقت تک صحیح معنوں میں اسلامی جذبے کا اظہار نہیں کیا جا سکتا۔ جہاں تک مشکلات کا تعلق ہے، میں معذرت کے ساتھ آپ سے یہ کہوں گا کہ ہمارے بعض بعض علاقے ایسے ہیں جن کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی جا سکی اور چترال اُن میں سے ایک ایسا علاقہ ہے جہاں حکومت کے فرائض کے مطابق بہت سے ایسے کام کرنے کے لئے ہیں جن سے یہاں کے عوام کی مشکلات حل ہوں اور اُن کی زندگی میں کچھ آسانی پیدا ہو سکے۔ یہ حکومت کا فرض ہے۔ میں آپ کو یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ گرچہ میرا آج یہاں آنے کا یہ پہلا موقع ہے، لیکن اس کے بعد میں انشاءاللہ اُس وقت تک آتا رہوں گا جب تک کہ حکومت کے وسائل کے مطابق آپ کے مسائل حل نہیں ہو جاتے۔ جہاں تک یہاں لواری ٹنل کا تعلق ہے، ہم نے وسائل کی کچھ کمی کی وجہ سے اُس کا کام روک دیا ہے۔ لیکن اس کے لئے کچھ بین الاقوامی ذرائع سے کچھ بین الاقوامی اداروں سے گفت و شنید ہو رہی ہے۔ اگر باہر سے اس سلسلے میں کچھ امداد مل گئی اور ہمارے وسائل کے اندر اضافہ ہوا تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ لواری ٹنل کا جو اصلی مقصد تھا وہ پورا ہوگا، یعنی چترال کے علاقے کو باقی پاکستان کے علاقے کے ساتھ اس طرح ملا دیا جائے کہ

آمد و رفت کے وسائل صحیح معنوں میں آسان ہوں تاکہ یہاں کے لوگ آسانی سے
دوسرے علاقوں میں جاسکیں اور دوسرے علاقے کے لوگ یہاں آسکیں۔ اس
وقت تک پی آئی اے آپ کی خدمت کرتی رہے گی۔ کہیں آپ کے دل میں
یہ خیال نہ پیدا ہو کہ شاید یہ صرف لفّاظی ہے، اس لئے میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ
کل رات کو میں جنرل فضل حق صاحب سے اس چیز کے متعلق بات چیت
کر رہا تھا اور انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ واقعی یہ صحیح امر ہے کہ چترال کے ساتھ
پی آئی اے کا تعاون بہت زیادہ ہے۔ صرف موسم کی خرابی کی وجہ سے اگر یہاں
آنا مشکل ہو تو پھر ہوائی جہاز نہیں آسکتا، لیکن اگر موسم صحیح ہو تو جیسا کہ آپ نے
پچھلے دنوں دیکھا ہوگا کہ ایک نہیں چار چار پروازیں بھی آئی ہیں۔ یہ ہماری کوشش
ہے اور ہم کچھ اس قسم کا انتظام کرنے کا بھی جائزہ لے رہے ہیں کہ کچھ ایسے جہاز
بھی مہیّا کئے جائیں جن کی Capacity بیشک کم ہو، وہ کم سواریاں لے جاسکیں،
کم سامان لاد سکیں، لیکن موسم صحیح ہو اور دن کے وقت ایک سے زیادہ پروازیں
کر سکیں تو اس کا بندوبست کیا جائے تاکہ اگر موسم صحیح رہے تو چترال کا تعلق
پاکستان کے باقی حصّوں کے ساتھ قائم رہے اور یہاں کے عوام کو آنے جانے میں
تکلیف نہ ہو۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، حکومت اس بات کا بھی جائزہ لے رہی
ہے کہ آپ کو فی الوقت کرائے کی جو سہولتیں حاصل ہیں، ان میں بھی اگر کچھ
اور ممکن ہو سکے تو آسانیاں پیدا کی جائیں۔ ترقیاتی پروگراموں میں ایسی بہت سی
چیزیں شامل ہیں جن کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ جہاں تک گزشتہ دو ڈھائی سال
کا تعلق ہے، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جناب خورشید علی صاحب سے آج
پہلی دفعہ مجھے سننے کا موقع نہیں ملا ہے۔ میں انہیں چھ دفعہ سن چکا ہوں اور ہر دفعہ

اُن سے یہی کہتا رہا ہوں کہ آپ کے مطالبات جائز ہیں، لیکن حکومت کے پاس وسائل کچھ کم ہیں۔ جیسے ہی ہمارے وسائل پر اللہ تعالیٰ نے کچھ فضل و کرم کیا تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ حکومت کی پہلی توجہ ضلع چترال اور چترال کے علاقے کی طرف ہوگی۔

جنگلات کی Royalty کا مسئلہ پیچیدہ ہے۔ میں اس کے متعلق یہاں کوئی فیصلہ نہیں دینا چاہتا۔ جنرل فضل حق صاحب نے مجھے بتایا ہے کہ یہ مسئلہ صوبائی حکومت کے زیرِ غور ہے اور اس کے بعد ہی انشاء اللہ صحیح فیصلہ ہوگا۔ جہاں تک بجلی کا تعلق ہے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ سے زیادہ میں شوقین ہوں کہ یہاں بجلی آئے، اس لئے نہیں کہ بہت سی بتّیاں دیکھی جائیں بلکہ اس لئے کہ کسی علاقے کی ترقی کے لئے تین چیزوں کا ہونا بہت ضروری ہے اور خاص طور پر اُن علاقوں کے لئے جو ترقی کے میدان میں کچھ پیچھے رہ گئے ہیں۔ ان تین چیزوں میں بجلی، پانی اور سڑکیں ہیں۔ یہ تینوں چیزیں ہماری ترقی کے بنیادی اُصول ہیں، اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ چترال کے لئے ان تینوں کی طرف ہماری توجہ ہر وقت لگی رہتی ہے۔ میں پنڈی جانے کے بعد انشاء اللہ واپڈا کو دوبارہ احکامات جاری کروں گا کہ خواہ چھوٹے جنریٹر کے ذریعے، بڑے جنریٹر کے ذریعے آبشاروں سے، چشموں سے، پانی سے، جس طریقے سے بھی ممکن ہو چترال کے جن علاقوں میں بجلی پہنچائی جا سکتی ہو، پہنچائی جائے۔ جو تمام اخراجات ہوں گے انہیں وفاقی حکومت برداشت کرے گی۔ انشاء اللہ جب اگلی دفعہ میں یہاں آیا تو پھر، نہ صرف میں آپ کو بتاؤں گا بلکہ آپ سے پوچھوں گا کہ بتائیے بجلی کچھ علاقوں میں پہنچی ہے یا نہیں پہنچی۔ اسی طریقے سے سڑکوں کے انتظام کے لئے

ہم پوری کوشش کریں گے، انشاءاللہ! جن جن علاقوں میں جہاں جہاں سڑکیں بن سکیں، انہیں ضرور بنایا جائے گا، لیکن مجھے اُمید ہے کہ آپ حکومت اور انتظامیہ کی مشکلات کو زیرِ غور رکھیں گے کیونکہ یہاں جب تک رسل و رسائل اور آمد و رفت کے انتظامات میں صحیح معنوں میں ترقی نہیں ہوتی ہے، اس وقت تک یہاں بندوبست کرنے کے لئے، سڑکوں کے بنانے کے لئے سڑکیں بنانے کا سامان، مشینری وغیرہ لانے میں بھی دِقّت ہے، لیکن ہماری کوشش یہ ہے کہ جہاں جہاں بھی ہم سڑک بنا سکیں، انشاءاللہ ضرور بنائیں گے۔

بیرونِ ملک روزگار کے متعلق خورشید علی صاحب نے بتایا ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ انشاءاللہ چترال کے لوگوں کے لئے نہ صرف کوٹا مقرر کیا جائے گا بلکہ میں یہاں کے لوگوں کے لئے ایک اور بندوبست کروں گا۔ حکومت کا ایک ادارہ ہے اوورسیز ایمپلائمنٹ کارپوریشن۔ اُس میں فوج کے حاضر نفری کے افسر کو میں نے لگایا ہے جو بہت ہوشیار ہیں اور کام کرنے میں ماہر ہیں۔ انہوں نے اس کمپنی کو بہت ترقی دی ہے۔ میں یہاں سے جانے کے بعد اُن کو فوراً بھیجوں گا تاکہ وہ اپنے عملے کا ایک دفتر یہاں بنائیں اور چترال کے جوانوں میں سے، یہاں کے لوگوں میں سے وہ تمام افراد جو بیرونِ ملک روزگار کرنے کے قابل ہوں، اُن کو چُن کر فوری طور پر بھیجا جائے۔ جن لوگوں کے پاس کوئی ہنر نہیں ہے، اُن کو چھانٹ کر راولپنڈی، اسلام آباد لے جائیں اور خصوصی ٹریننگ دیں تاکہ تین چار مہینوں کے بعد جب اُن کے ہاتھ میں کوئی ہنر آ جائے تو باہر جا کر اپنی روزی کمائیں، اس کا وعدہ میں آپ سے کرتا ہوں۔ اس طریقے سے وفاقی اور صوبائی حکومتوں میں جن اسامیوں پر آپ کا حق ہے وہ آپ کو ضرور ملیں گی۔ اس میں ہماری

طرف سے کوئی سُستی نہیں ہے۔ لیکن موجودہ احکامات کے مطابق بعض دفعہ کسی ایک علاقے کے لوگ کم آتے ہیں تو ان کی جگہ دوسرے علاقے کے لوگ رکھے جاتے ہیں۔ میں آپ کو اس چیز کی یقین دہانی کرانا چاہتا ہوں کہ چترال کا حق چترالیوں کو ملے گا۔ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوگی۔ اس میں بیشی تو ہوسکتی ہے، اضافہ بھی ہوسکتا ہے، لیکن کمی نہیں ہوگی، انشاء اللہ! فیڈرل ملازمین جو چترال کے اندر ہیں اگر ان کے کسی الاؤنس میں کمی ہے تو اس کے متعلق بھی میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ اگر صوبائی حکومت کے ملازمین کو یہاں کوئی الاؤنس مل رہا ہے تو اسی طریقے پر فیڈرل ملازمین کو بھی الاؤنس ملے گا۔ اگر یہاں کے ملازمین کو حکومت کے ملازمین کو کوئی دِقّت ہے، اُن کو جس جس چیز کی مشکلات ہیں، خواہ وہ بجلی کا الاؤنس ہو یا آگ کا الاؤنس ہو یا لکڑی کا الاؤنس ہو، تو میں اُس کا جائزہ لے کر انشاء اللہ آپ کو اطلاع دوں گا۔ یہاں کے ڈپٹی کمشنر کو، خورشید علی صاحب کو، آپ کے علاقے کے رہنے والوں کو اطلاع ملے گی۔ یہاں کے رہنے والوں اور خاص طور پر جو حکومت کے ملازمین ہیں، ان کے لئے ہم کوشش کریں گے کہ اُنہیں جتنے الاؤنس حکومت نے آج تک جاری کئے ہیں، اس میں کوئی اضافہ کرنے کی ضرورت ہو تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس کا جائزہ لے کر فوری احکامات جاری کئے جائیں گے۔

زراعت پاکستان کے لئے ریڑھ کی ہڈی ہے۔ ہماری اصلی معیشت کی بنیاد زراعت ہے۔ میں چترال میں زراعت کے فروغ کے لئے حکومت کے تمام وسائل لگانے کے لئے تیار ہوں۔ گو چترال صوبائی Administered Tribal Area ہے، لیکن میں وفاقی حکومت سے چند ایک ماہرین کو بھیجوں گا تاکہ وہ یہاں صوبائی حکومت سے رابطہ قائم کر کے اس بات کا جائزہ لیں کہ زراعت کے لئے

یہاں کس جگہ پر کنواں کھودا جا سکتا ہے تو وہاں کنواں کھود دیں۔ کہاں پر نہر بن سکتی ہے، کہاں پر چھوٹی ندی بن سکتی ہے، نالہ بن سکتا ہے، پانی کس طریقے پر لایا جا سکتا ہے۔ کہاں کہاں ہم زراعت میں ترقی کر سکتے ہیں۔ اگر چترال کی زراعت میں تھوڑی سی ترقی ہو جائے اور یہاں کے لوگ اپنے کھانے پینے کی چیزوں میں خود اضافہ کر سکیں تو بتائیے، اس سے زیادہ اور کیا ممکن ہو سکے گا۔ میں انشاء اللہ اس کے لئے بھی کوشش کروں گا۔

چرس اور افیون کی کاشت کی اجازت نہیں دی جا سکتی، لیکن اس کا متبادل پیدا کرنا میرا فرض ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم ایک خصوصی رقم اس کے لئے مقرر کریں گے۔ اُن علاقوں کے لئے جہاں چرس اور افیون پہلے کاشت کی جاتی تھی، وہاں لوگوں کو میں ٹریکٹر مہیا کر کے دوں گا۔ ان کو کھاد میں دوں گا۔ اُن کے لئے بیج میں مہیا کروں گا۔ ان کے لئے تمام سہولتیں پیدا کروں گا تاکہ وہ دوسری متبادل کاشت کر سکیں اور اُن کو جو نقصان پہنچا ہے اسے کسی اور طریقے سے پورا کیا جا سکے۔ سیلاب کی تباہ کاریوں اور دُروش میں سیلاب کی روک تھام سے متعلق خاص انتظامات کئے جائیں گے۔

خورشید علی صاحب! میں یہاں اس کے بعد کچھ اور وقت آپ کے ساتھ گزاروں گا۔ یہ نہیں کہ خورشید علی صاحب نے جو بات کی، میں نے اُس کو پورا کر دیا، اور بس ختم ہو گیا۔ اس کے بعد آپ سے کچھ دیر بات چیت ہو گی۔ خاص طور پر یہاں کے جو طالب علم ہیں، اُنہوں نے مجھے ایک لمبی چوڑی عرضی دی ہے۔ میں اُن سے خود زبانی بات کرنا چاہتا ہوں کہ یہاں کے کالج اور اسکول کے لئے میں کیا مدد دے سکتا ہوں اور کس طریقے سے؟ آیا ان کو استاد دوں

کی ضرورت ہے، لائبریری کی ضرورت ہے، گاڑی کی ضرورت ہے، کس چیز کی ضرورت ہے؟ ایسے علاقوں کے لئے جہاں بچّے پڑھتے ہیں، جن میں کوئی سیاست نہیں ہے یا کوئی اور چیز نہیں ہے، اُن کی مدد کرنا، اُن کی صحیح تکالیف کو دُور کرنا میرا اوّلین فرض ہے۔ انشاء اللہ اُن سے بھی بات چیت ہوگی۔ میں صرف ایک چیز کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ہم نے پاکستان میں اتنی تقریریں کی ہیں کہ اب لوگ تقریروں کی وقعت کو بھول گئے ہیں۔ ماضی میں حکومت نے اتنے وعدے کئے ہیں کہ لوگوں کو اب حکومت اور حکومت کے علمبرداروں کی زبان پر بھی اعتبار نہیں رہا، لیکن میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میرا اور میرے رفقائے کار کا جو اُصول ہے، وہ یہ ہے کہ دیکھئے، اگر حکومت کرنے، اگر ملک کا انتظام سنبھالنے کا نام سیاست ہے، اگر ملک کا نظم ونسق چلانے میں کسی حکمتِ عملی کو دخل ہے تو اس کی بھی مثال نہ صرف دینِ اسلام نے بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے لے کر آج تک کئی مسلمان حکومتوں نے مسلمان انتظامیہ نے، اسلامی اقدار کے مطابق قائم کی ہے۔ اگر قرآن کے مطابق، اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے احکامات کے مطابق مجھ پر اور آپ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم سچ بولیں تو پھر بتایئے کہ سیاست میں حکمتِ عملی میں سچ کیوں نہیں بولا جاتا۔ اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ آپس میں تفرقہ بازی کرو، آپس میں نااتّفاقی رکھو اور وہ یہ کہتا ہے کہ جس وقت فیصلہ کیا کرو تو لوگوں سے مشورہ کرو۔ اسلام میں ڈکٹیٹر Dictator کی اجازت نہیں ہے۔ اسلام میں آقا کی اجازت نہیں ہے۔ اسلام کی رُو سے وہ شخص جو اپنے آپ کو عوام کا حاکم سمجھتا ہے، غلط آدمی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

کہا ہے کہ میں نے تم میں سے ایسے لوگوں کا انتخاب کیا ہے اور پھر اُن کو اس چیز کی استطاعت دی ہے کہ وہ قوم کی، ملک کی خدمت کریں اور اس خدمت کی انجام دہی میں اس علاقے کے لوگوں کو، اپنے شہریوں کو اپنے ساتھ ملائیں اور ایک ایسا طریقہ اپنائیں جو اسلامی طریقہ ہو۔ لہٰذا اسلام میں سیاست اس حد تک جائز ہے جس حد تک مسلمانوں کے درمیان آپس میں نااتّفاقی نہ پیدا کی جائے۔ اور جس وقت ہم اپنا نمائندہ چنیں تو اس کے چناؤ کے وقت سب سے پہلی جس چیز کی طرف توجہ دیں وہ ہے اُس کا اپنا اسلامی کردار۔ میں تعریف نہیں کر رہا ہوں، خورشید علی صاحب ماشاءاللہ صحیح معنوں میں ایک مسلمان ہیں۔ یہاں کے لوگوں کی انہوں نے جس طریقے سے خدمت کی ہے اور جہاں تک اُن کے ساتھ میرا تعلق رہا ہے، میں نے اُن کی قیادت کو مثالی قیادت مانا ہے۔ ایسے لوگوں کو سامنے لائیے جو ملک اور قوم کی خدمت کر سکیں۔ اگر ہم نے اس طریقے سے ہر سطح کے اوپر صحیح لوگ چُن لئے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان جیسے ملک میں ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک اگر سارے نہیں تو کم از کم دس میں سے ایک تو صحیح مسلمان ہوگا پھر بھی اللہ تعالیٰ کا وہ فضل و کرم شامل حال رہے گا جس کا خود اس نے وعدہ کیا ہے۔

میں آپ کو یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا جو نظام ہے وہ اتنا بہترین ہے کہ میرے پاس کہنے کو الفاظ نہیں ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کی تعریف میں ایسے الفاظ کہاں سے لاؤں جس سے صحیح معنوں میں اُس کی تعریف ادا ہو۔ وہ رحیم ہے، وہ کریم ہے، وہ اس دنیا کا مالک ہے، اس نے اس کائنات میں ایک ایسا نظام قائم کیا ہے کہ اگر اسے بہ نظرِ غائر دیکھا جائے تو آپ کو محسوس ہوگا کہ اس میں ایسی مثالیں موجود ہیں اور صبح سے لے کر شام تک ایسے انجام دیکھنے میں

آتے ہیں کہ جس نے غلط کام کیا اس کو وہیں سزا ملی ہے۔ حرام کی کمائی کھانے والے کو میں نے آج تک پھلتا پھولتا نہیں دیکھا۔ جس طریقے سے وہ حرام کی کمائی حاصل کرتا ہے، اس سے دوگنے طریقے پر اُس سے نکل جاتی ہے۔ حلال کی کمائی والا شخص رات کو صحیح معنوں میں امن اور چین کی نیند سوتا ہے۔ اپنے اللہ کو یاد کرتا ہے۔ اگر اس میں کچھ کمی رہ گئی ہے تو اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ اس میں جو لطف ہے وہ سوائے اُس کے کسی اور کو نہیں معلوم۔ لہٰذا میں آپ سے اسی بات کی گزارش کروں گا۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ نے جو اپنے نمائندے چُنے ہیں، صحیح چُنے ہیں۔ ان کے اندر اسلامی اقدار ہیں۔ اگر اُن میں سے کچھ تھوڑے بہت کمزور ہیں تو مجھے امید ہے کہ وہ انشاء اللہ خربوزہ، خربوزے سے رنگ پکڑتا ہے کے مصداق اچھے لوگوں سے اچھائی حاصل کریں گے۔

آج پاکستان میں چترال سے لے کر دوسرے کونے تک اور مشرق سے لے کر مغرب تک آپ دیکھیں گے تو لوگ یہ بیشک کہیں گے کہ جناب الیکشن ہونا چاہئے۔ لوگ بے شک یہ کہیں کہ جناب فلاں چیز ہونی چاہئے۔ لیکن میں آپ کو یقین سے بتاتا ہوں کہ ایک چیز کے متعلق جو رُخ اختیار کر لیا گیا ہے، اس کے متعلق آپ کو کوئی دو رائے نہیں ملے گی، اور وہ ہے اسلام کا راستہ۔ اس کے متعلق پورے پاکستان میں نہ تو کوئی شک و شبہ ہے، نہ ہونا چاہئے۔ لہٰذا میں عوام کے نمائندوں سے یہ گزارش کروں گا کہ وہ صحیح معنوں میں اپنے علاقے کی، اپنے لوگوں کی خدمت کریں۔ آپ کی جو مشکلات ہیں اور جن کا میں حل پیش کر سکتا ہوں، وہ میں کروں گا، انشاء اللہ! وفاقی حکومت بھی کرے گی، صوبائی حکومت بھی کرے گی۔ جہاں تک آپ کا تعلق ہے، آپ کا فرض ہے کہ آپ لوگوں کو اعتماد میں لیں۔

اُن کی تکالیف کو سنیں۔ صحیح معنوں میں اُن کی نمائندگی کریں اور جب تک آپ اُن کے مسائل حل نہ کر لیں آپ کو چین نہیں آنا چاہئے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ چترالی عوام کے نمائندے صحیح اسلامی کردار اور اخلاق کے مطابق اپنے فرائض سرانجام دیں گے

میں یہاں لوگوں کو کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے اس کے متعلق لوگ شاید کسی اور طریقے سے خیال کریں، لیکن میں یہاں آپ کو نہایت عاجزی اور انکساری کے ساتھ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر میرے پاس اتنے وسائل ہوں تو میں ساری قوم اور چترال کے اوپر نچھاور کر دوں، لیکن کچھ مجبوریاں ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ کو ان کا احساس ہے۔ اس کے باوجود میں ڈسٹرکٹ کونسل کے چیئرمین صاحب کو اپنی طرف سے بیس لاکھ روپے دیتا ہوں تاکہ وہ اس کا صحیح استعمال کر سکیں۔ اُس کو جس طریقے سے چاہیں مصرف میں لائیں۔ اگر اس رقم میں سے کچھ چھوٹی موٹی سڑک بن سکتی ہو، کہیں ڈسپنسری بن سکتی ہو، کوئی اسکول تعمیر ہو سکتا ہو، آپ کہیں شفاخانہ بنا سکتے ہوں، جس طریقے پر اور جس مرضی سے آپ چاہیں اس کو خرچ کریں۔ یہ رقم اس کے علاوہ ہو گی جس کا میں نے پنڈی میں ۵ اور ۶ مارچ کو وعدہ کیا تھا جو انشاء اللہ عنقریب آپ کو ملنے والی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ میرے اس حقیر تحفے کو وفاقی حکومت کی طرف سے قبول کریں گے اور اس سے اہل چترال کے تمام تو نہیں، لیکن کچھ معمولی سے مسائل ضرور حل ہوں گے، انشاء اللہ جب اگلی دفعہ میں آیا تو پھر میں آپ سے پوچھوں گا کہ بتائیے اب میرے لائق اور کیا خدمت ہے؟ لیکن آنے سے پہلے انشاء اللہ وہ خدمت بھی پوری کر کے پھر آؤں گا۔

میں آپ کا مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے یہ موقع دیا اور نہایت اطمینان سے

میری چند ایک گزارشات سُنیں۔ انشاءاللہ اس کے بعد بھی ملاقات ہو گی۔ ابھی کچھ تھوڑا وقت ہے ہمارے پاس۔ میں یہاں آپ کے سامنے بیٹھوں گا۔ آپ میں سے جو حضرات کچھ اور کہنا چاہیں، جنرل فضلِ حق بھی سنیں گے، میں بھی سنوں گا آپس میں کچھ بات چیت ہو گی تاکہ اگر کسی اور معاملے کے متعلق خورشید علی صاحب نے کوئی ذکر نہیں کیا ہے تو وہ بھی میرے سامنے آجائے۔ اگر مجھے کچھ اور کہنے کی کوئی ضرورت محسوس ہوئی تو ایک دو لفظ میں بھی کہوں گا۔ ان الفاظ کے ساتھ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

پاکستان پائندہ باد

افغان مہاجرین سے خطاب

چترال: ۳۰ اپریل، ۱۹۸۰ء

صدرِ پاکستان نے چترال میں افغان مہاجرین کے کیمپ کا معائنہ کیا اور تعلیمی اور طبّی سہولیات کا جائزہ لیا۔ معائنہ کرنے کے بعد صدرِ پاکستان نے مہاجرین سے خطاب کرتے ہوئے انہیں یقین دلایا کہ جب تک وہ پاکستان کے مہمان ہیں، پاکستانی عوام انصارِ مدینہ کے جذبۂ اُخوّت کے ساتھ اُن کی خدمت کریں گے۔

افغانستان کی صورتِ حال کا ذکر کرتے ہوئے جنرل محمد ضیاء الحق نے افغان مہاجرین کو یقین دلایا کہ نہ صرف پاکستان، جو اُن کا ہمسایہ برادر اسلامی ملک ہے، بلکہ تمام عالمِ اسلام اور اقوامِ عالم ایک سُپر پاور کی طرف سے اس جارحیت کی مذمّت کرتے ہیں اور حتیّ الوسع افغان مہاجرین کی امداد کر رہے ہیں۔ انہوں نے مہاجرین کو یقین دلایا کہ حکومتِ پاکستان اُن کو عزّت سے روزی کمانے کے ذرائع مہیّا کرے گی اور تعلیمی و طبّی سہولیات بہم پہنچائے گی۔ صدرِ پاکستان نے چترال کیمپ کے لئے ایک ڈسپنسری مہیّا کرنے کا وعدہ کیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

مجاہدینِ اسلام!

السلام علیکم - افغانستان کے مہاجرین، میں اپنی طرف سے اور پاکستان کے ساڑھے سات کروڑ عوام کی جانب سے آپ کے ساتھ نہ صرف ہمدردی کا اظہار کرنا چاہتا ہوں بلکہ آپ کو یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ لفظ پاکستان کے معنی ہیں پاک جگہ! اس کا تو نام ہی ہے اسلام کا گھر! اس ملک کے رہنے والے امۂ اسلامیہ پر کامل اعتقاد رکھتے ہیں اور اسلامی امہ میں جغرافیائی حدود کا کوئی تعین نہیں۔

آج کل جو کچھ افغانستان میں ہو رہا ہے، ہمیں اس کا افسوس ہے۔ پاکستان اور حکومتِ پاکستان کا اس سلسلے میں جو موقف ہے، وہ صاف ظاہر ہے۔ ہم نے برسرِعام اس حقیقت کا اعلان کیا ہے کہ روس نے افغانستان میں جو جارحانہ اقدام کیا ہے، وہ سراسر ناانصافی پر مبنی ہے۔ ایک بڑی طاقت

نے کھلے عام ایک چھوٹے سے ملک پر قبضہ کر لیا ہے۔ پاکستان میں جو پچھلی اسلامی کانفرنس وزرائے خارجہ کی ہوئی تھی، اس میں اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس موقع پر جو اعلانات کئے گئے تھے، ان میں سب سے پہلا اعلان یہی تھا کہ ہم سوویت یونین کے اس اقدام کو باطل قرار دیتے ہیں۔ جو دوسرا اعلان کیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ پاکستان کے عوام اور تمام مسلم ممالک سوویت یونین پر زور دیتے ہیں کہ وہ افغانستان سے اپنی افواج کو فوراً واپس لے جائے! افغانستان کے عوام کا فیصلہ اپنا ہے۔ وہ جس طریقے سے اور جس قسم کی حکومت چاہتے ہیں، یہ اُن پر چھوڑا جائے نہ کہ باہر سے ایک بڑی طاقت آکر اُن کے اوپر کوئی نظام مسلط کرے۔

پاکستان کا اس سلسلے میں جو موقف ہے، وہ صاف ظاہر ہے۔ ہم علی الاعلان اس بات کا ذکر کرتے ہیں اور پاکستان نے کھلے عام اس امر کا بارہا اعلان کیا ہے کہ جہاں تک آپ حضرات کا تعلق ہے، آپ ہمارے مہمان ہیں۔ دینِ اسلام میں جس طریقے سے مہاجرین اور انصار کا آپس میں رویّہ ہونا چاہیئے اور ایک دوسرے کے ساتھ سلوک ہونا چاہیئے، اس کے پیشِ نظر آپ بجا طور پر مہاجر ہونے کی حیثیت سے پاکستان کے عوام سے یہ توقع کر سکتے ہیں کہ وہ صحیح معنوں میں انصار کا کردار ادا کریں۔ جہاں تک حکومتِ پاکستان کا تعلق ہے، میں آپ کو یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ہماری صوبائی حکومتوں اور وفاقی حکومت کے جتنے وسائل ہیں اور جو کچھ ہمارے بس میں ہے، ہم آپ کی خدمت، آپ کی مدارات اور آپ کی خاطر کرنے کے لئے صرف کریں گے۔

پاکستان کے لوگوں نے ایک سال تک اپنے ذرائع سے حتیّ المقدور آپ کی خدمت کی۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دوسرے اسلامی ممالک بھی اس کام میں مدد کر رہے ہیں۔ اقوام متحدہ بھی اس ضمن میں کچھ کام کر رہی ہے۔ دوسرے مغربی ممالک بھی آپ کی مدد کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ میں یہاں ایک بات آپ پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ حکومتِ پاکستان کسی سے کوئی رقم خود وصول نہیں کرتی نہ کوئی سامان! آپ نے دیکھا ہوگا کہ یہاں جرمن سفیر آئے تھے اور رضائیاں خود تقسیم کر کے گئے۔ ہم نے اُنہیں اپنے جہاز دیئے تھے اور اُنہیں کہا تھا کہ آپ رضائیاں تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو خود چترال چلے جائیے۔ یہ اُن کی اپنی نیک نیّتی تھی کہ انہوں نے چترال میں مہاجرین کے کیمپ کا انتخاب کیا، کیونکہ وہ پہلے بھی ایک مرتبہ آئے تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ وہ ان مہاجرین کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ جو اشیا باہر سے آتی ہیں، ہم انہیں نمائندے کے ساتھ یہاں، اس کیمپ میں جو صوبہ سرحد کے اندر واقع ہیں، بھجوا دیتے ہیں۔ آپ کو کوئی شک وشبہ نہیں ہونا چاہیئے۔ آدمی فرشتے نہیں ہیں، نہ آپ کے اندر فرشتے ہیں نہ پاکستانیوں کے اندر فرشتے ہیں۔ غلطی سب لوگوں سے ہوتی ہے بعض لوگوں کا ایمان کچھ کمزور ہوتا ہے، کچھ متزلزل ہو جاتا ہے۔ اس میں کچھ غلط قسم کے طریقے بھی ہیں جن کو ہمیں تسلیم کرنا چاہیئے، اس لئے کہ ہم انسان ہیں اور غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے۔ لیکن میں آپ کو یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ باہر سے جو بھی سامان آرہا ہے، اس کے متعلق ہم نے لوگوں کو، بیرونی ملکوں کے اقوام کو یہ بھی کہا ہے کہ بھئی آپ ایسی چیزیں بھیجئے جسے ہمارے بھائی کھا سکیں۔ اگر آپ ڈبوں کے اندر ایسی اشیاء بھیجتے ہیں جنہیں

وہ نہیں کھا سکتے یا جو ہمارے افغان بھائی کھانا پسند نہیں کرتے تو آپ کیوں اپنی رقم ضائع کرتے ہیں۔ ایسی چیز بھیجئے جس سے اُن کا گزارہ ہو۔ ہماری خواہش یہ ہے کہ جب تک آپ ہمارے ملک میں ہیں، ہمارے مہمان ہیں۔ اگر ہمیں روٹی میسّر نہ ہو تو ہم صبر کر لیں گے، لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم آپ کو اپنا ایک نوالہ، یعنی آدھی روٹی آپ کو دیں گے اور آدھی خود کھائیں گے۔ آپ نے جن تین چار باتوں کی نشاندہی کی ہے، ان کی جانب ہماری پوری توجہ ہے۔ یہاں ایک ڈسپنسری موجود ہے۔ کمشنر صاحب بتا رہے ہیں۔ ایک موبائیل ڈسپنسری کے لئے دوسرا بندوبست کیا جائے گا تاکہ آپ کی طبی سہولتیں پوری ہو سکیں۔ اس کے علاوہ آپ کے بچوں کی تعلیم کے لئے یہاں اسکول کا بندوبست کر دیا گیا ہے۔ اگر کوئی اور کسی قسم کی ضرورت ہو تو ہماری حکومت اپنے وسائل سے اور باہر کے ملکوں سے مانگ کر اسے پورا کرے گی۔ موبائیل ڈسپنسری اور بچوں کی تعلیم کا بھی خاطر خواہ انتظام ہوگا اور آپ کے لئے ذریعۂ معاش پیدا کرنے کے طریقے بھی وضع کئے جائیں گے۔ میں آپ سے یہ نہیں کہتا ہوں کہ آپ یہاں سے چلے جائیے یا آپ کوئی کام شروع کر دیجئے۔ لیکن، ہر معاشرے میں جو انسان بستے ہیں خواہ وہ مہاجر ہوں یا انصار ہوں، اُن کی اپنی اپنی کوشش یہی ہونی چاہئے کہ وہ معاشرے کے لئے بوجھ نہ بنیں۔ آپ کسی قسم کی اجنبیت محسوس نہ کریں، میں آپ کو اپنے بھائی سے زیادہ عزیز سمجھتا ہوں۔ لیکن آپ کو یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ جب تک آپ اس ملک کے اندر ہیں، ہمارے مہمان ہیں اور آپ اگر اس ملک میں رہتے ہوئے کوئی طریقۂ کار اختیار کرنا چاہتے ہیں تاکہ آپ کی معاش میں اضافہ ہو سکے تو ہم اس سلسلے میں آپ کو

پوری سہولتیں مہیا کریں گے۔ اگر آپ کسی قسم کی تجارت کرنا چاہتے ہوں تو ہم مدد کے لئے حاضر ہیں۔ ہم نے بغیر دیکھے بھالے، جن اصحاب کے پاس گاڑیاں ہیں، یہاں شاید چترال میں نہ ہوں، لیکن صوبہ سرحد میں جن کے پاس بسیں ہیں اُن کو بسیں چلانے کی اجازت دے رکھی ہے، جن کے پاس گاڑیاں ہیں، اُن کو گاڑیاں چلانے کی اجازت دے دی ہے۔ بعض بعض لوگوں نے جہاں جس زمین پر قبضہ کیا ہے اور اس پر کچھ کاشت کی ہے، اس کی بھی اجازت دے دی گئی ہے۔ ہم ہر قسم کی سہولت مہیّا کرنے کو تیار ہیں، لیکن مجھے معلوم ہے، آپ کو یہاں آکر دیکھنے کے بعد اس بات کا علم ہو گیا ہو گا کہ پاکستان اتنا زیادہ امیر ملک نہیں ہے۔ البتہ ہمارے حوصلے بلند ہیں ہمارے دلوں کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایمانی ولولہ پیدا کیا ہے۔ چترالی عوام کو آپ نے دیکھا ہو گا، پاکستانی عوام کو آپ نے دیکھا ہو گا، ہمارے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام کی محبت پیدا کی ہے۔ اسلام میں جس خاطر مدارات اور مہمان کی جو عزّت ہونی چاہئے، اس کا کچھ جذبہ ہمارے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ اس کے ذریعے ہم انشاءاللہ آپ کی ہر وقت خاطر اور خدمت کرتے رہیں گے، لیکن اگر آپ سے کوئی یہ کہے کہ اپنے گھر جیسی سہولت مل جائے تو جب تک انسان غیر ملک میں رہتا ہے، خواہ برادر ملک ہو، خواہ وہاں کتنی ہی خاطر مدارات کیوں نہ ہو، لیکن جو سہولتیں آپ کو اپنے گھر میں حاصل تھیں، وہ یہاں مہیّا نہیں ہو سکتیں۔ آپ نماز پڑھیئے، اللہ تعالیٰ سے دعا مانگئے اور ہم سب کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ خداوندِ کریم ایسے حالات پیدا کریں کہ افغانستان کی آزادی بحال ہو۔ وہاں اسلام کا نام لینے والے دوبارہ اپنی آزادی حاصل کر سکیں۔ دینِ اسلام کا نام وہاں اسی طریقے سے لیا جائے جس طرح سے پہلے لیا جاتا تھا، ورنہ میں آپ

کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ خالی نام لینے سے کام نہیں بنے گا۔ کل میں نے مردان میں ذکر کیا تھا کہ آپ آج سے سو سال پہلے کی تاریخ اٹھاکر دیکھیں۔ سمر قند، بخارا، تاشقند جو اسلام کے بڑے بڑے مراکز تھے، آج وہاں لوگ قرآن پڑھنے کو ترستے ہیں۔ لہٰذا ہمیں اپنے دین کو بچانے کے لئے جدوجہد کرنی پڑے گی۔ ہمیں خود یہ کوشش کرنی پڑے گی کہ اسلام کا نام زندہ رہے۔ اپنی آزادی کے تحفظ کے لئے ہمیں خود لڑنا ہوگا۔ اس کام میں پاکستان بھی آپ کے شانہ بہ شانہ شامل ہوگا۔ میں آپ کو یہ یقین بھی دلانا چاہتا ہوں کہ مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ میں یہاں پہلے نہیں آسکا۔ ویسے مجھے معلوم تھا کہ یہاں صوبہ سرحد کی انتظامیہ اور آپ لوگوں کے تعاون کے ساتھ جو کچھ تھوڑا بہت ہو رہا ہے، وہ صحیح طریقے پر ہو رہا ہے۔ جو کچھ کمی ہے اُسے ہم انشاء اللہ پورا کریں گے۔ ہم سب کی دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایسے مواقع فراہم کرے کہ آپ دوبارہ اپنے ملک کے لئے، اپنی قوم کے لئے، اسلام کے لئے اور دین کے لئے اپنی جدوجہد جاری رکھ سکیں۔ اور وہ وقت اللہ تعالیٰ قریب لائے کہ آپ اپنے ملک میں آزاد مسلمان کی حیثیت سے واپس جائیں اور صحیح معنوں میں اپنے آپ کو افغان مسلمان کہہ سکیں۔

پاکستان پائندہ باد

تحفّظِ تعمیراتِ اسلامی کے موضوع پر بین الاقوامی سیمینار سے خطاب

لاہور : ۷ اپریل، ۱۹۸۰ء

یونیسکو کے تعاون سے لاہور میں چھ روزہ بین الاقوامی سیمینار منعقد ہوا۔ اس سیمینار کا موضوع تھا" اسلامی تعمیراتی ورثے کا تحفظ اور بحالی"۔ سیکرٹری کلچر جناب اقبال مسعود نے سیمینار کو بتایا کہ یونیسکو اسلامی تعمیراتی ورثے کی بحالی کے لئے فیض، قاہرہ، استنبول، دمشق، ثنا، اصفہان اور لاہور میں جن منصوبوں میں تعاون کر رہا ہے، یہ سیمینار اسی سلسلے میں منعقد کیا جا رہا ہے۔ سیمینار میں پندرہ ممالک کے ماہرین نے شرکت کی۔

صدرِ پاکستان نے اپنے افتتاحی خطاب میں آثارِ قدیمہ کے تحفظ کی معاشرتی اور تاریخی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے سیمینار کی توجہ مندرجہ ذیل تین اہم پہلوؤں کی طرف مبذول کی:

۱۔ پرانی اسلامی تعمیرات کا تحفّظ۔

۲۔ شکستہ عمارتوں کی اصل صورت میں بحالی۔

۳۔ اسلامی ممالک میں واقع تاریخی عمارات میں رابطہ قائم کرنے کی ضرورت۔

صدرِ پاکستان نے پاکستان کی حکومت کی طرف سے اس اہم کام میں ہر ممکن مدد اور تعاون کا یقین دلایا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

گورنر پنجاب، جنرل سوار خان صاحب،
وزیرِ تعلیم، جناب محمّد علی ہوتی صاحب،
سیکرٹری کلچر، جناب اقبال مسعود صاحب،
مندوبینِ گرامی
اور
خواتین و حضرات!

السّلام علیکم۔ مجھے جب تعمیراتِ اسلامی کے تحفّظ سے متعلق اِس پہلے بین الاقوامی مذاکرے کے افتتاح کی دعوت دی گئی تو مجھے خوشی بھی ہوئی اور حیرت بھی۔ حیرت کی وجہ یہ تھی کہ پاکستان، خاص طور پر لاہور شہر کو جہاں مایۂ ناز تاریخی عمارتیں موجود ہیں، اس بارے میں آج تک کیوں نظر انداز کیا جاتا رہا ہے یا خود پاکستان نے آج تک اِس پہلو کو کیوں نظر انداز کیا ہے؟ خوشی کا سبب یہ تھا کہ

چلو اچھا ہوا کہ ذرا دیر سے ہی سہی، لیکن آخر کار اس طرف توجہ دی گئی اور یونیسکو کے تعاون سے لاہور شہر میں اس سیمینار کا اہتمام کیا گیا۔ میں توقع کروں گا کہ اگر ہر سال ایک بین الاقوامی مذاکرہ نہیں تو کم از کم قومی سطح پر ایک نہ ایک ایسی تقریب کا اہتمام ضرور ہونا چاہیئے جو تاریخی عمارات کی اہمیت اور ان کی دیکھ بھال کی طرف قوم کو احساس دلا سکے۔

میں اس سیمینار میں تمام مندوبین خاص کر غیر ملکی نمائندوں کو خوش آمدید کہتا ہوں اور ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات سے اس تقریب میں شرکت کے لئے وقت نکالا اور طویل سفر طے کر کے اس مذاکرے میں شمولیت کی زحمت گوارا فرمائی۔ مجھے امید ہے کہ پاکستان میں ان کا قیام خوشگوار رہے گا۔

خواتین و حضرات! میرے خیال میں پرانی عمارتیں آثارِ قدیمہ نہیں، افکارِ تازہ ہوتی ہیں۔ وہ عظمت کا نشان ہی نہیں عبرت کا مقام بھی ہوتی ہیں۔ وہ بیک وقت انسان کی ترقی اور اس کے زوال کی داستان بیان کرتی ہیں۔ وہ ہر چشمِ بینا کے لئے اپنے دامن میں یہ سبق لئے ہوتی ہیں کہ اِس دنیا میں کسی شے کو دوام حاصل نہیں۔ ازلی اور ابدی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اسی کے فضل و کرم سے بعض انسان، خاندان یا مملکتیں بساطِ عالم پر اپنا تسلط قائم کرنے میں کامیاب ہوتی ہیں اور اسی کی رضا سے اِس دنیا سے نیست و نابود ہو جاتی ہیں۔ میں جب بھی کسی عظیم الشان تاریخی عمارت کو دیکھتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کے لافانی اور عظیم ہونے اور انسان کے عارضی اور فانی ہونے کا احساس اور شدید ہو جاتا ہے۔

آپ جیسے ماہرین ان عمارتوں کو دیکھ کر اُس دَور کی بود و باش، طرزِ زندگی اور تہذیب و تمدّن کا اندازہ لگاتے ہیں۔ میں انہیں دیکھ کر انسان کی خداداد

صلاحیتوں کا اعتراف کرنے لگتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کرۂ ارضی پر اپنا خلیفہ بھیجنے کے لئے جس ذی روح کو تخلیق کیا، اسے تعمیر و تخریب کی بے پناہ خصوصیتوں سے بھی لیس کیا اور ان کے استعمال پر اس کو قدرت بخشی۔ آپ قدیم عمارتوں کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو جہاں آپ کو وہ عظیم تعمیری ذہن ملیں گے جنہوں نے یہ شاہکار تخلیق کئے، وہاں آپ کو وہ تخریبی ہاتھ بھی نظر آئیں گے جنہوں نے طاقت کے نشے یا انتقام کی آگ میں ان عمارتوں کو مسمار کر دیا۔ اِس کے علاوہ آپ کو ایسے آثار بھی ملیں گے جہاں کسی بادشاہ یا نسل نے اپنی ابدیت کی علامت کے طور پر عمارتیں تعمیر کیں یا شہر آباد کئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں کسی ناگہانی آفت کے ذریعے نیست و نابود کر دیا۔ آثارِ قدیمہ کی تاریخ میں بڑی عظمتیں اور بڑی عبرتیں پوشیدہ ہیں۔

میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میں اِس سیمینار کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے یہ بھی سمجھتا ہوں کہ آثارِ قدیمہ اور پرانی عمارتوں کا تحفظ بنی نوع انسان کے لئے بہت ضروری ہے۔ ان سے نہ صرف ہمیں مختلف تہذیبوں کے بننے اور بگڑنے کا پتہ چلتا ہے بلکہ ان کے ذریعے ہم گزرے ہوئے انسانوں کی عظمت اور ان کے عبرتناک انجام سے بھی آگاہ ہوتے رہتے ہیں اور ہم خواہ کسی دَور میں بھی ہوں، اپنے آپ کو ایک طویل سلسلے کی کڑی سمجھنے لگتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان عمارتوں سے اس طویل سفر کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے جسے طے کرنے کے بعد انسان تہذیب و تمدّن کی موجودہ منزل تک پہنچا ہے۔

خواتین و حضرات! اسلامی تعمیرات میں سب سے اوّل بیت اللہ یا خانۂ خدا ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکۂ مکرّمہ میں تعمیر کیا۔ یہ ایک پیغمبرِ خدا کی بصیرت اور اس کی کوششوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ آج بھی

اعلیٰ ترین اخلاقی اقدار کے لئے انسان کی محبت، عزت و تکریم اور بندگی کے جذبات کو بیدار کرتا ہے اور فرزندانِ توحید کے لئے مرکزیت کی علامت کا کام دیتا ہے۔ دوسری اہم عمارت گنبدِ صخرہ اور بیت المقدس ہے جو زمین پر نزولِ آدمؑ بلکہ معراجِ آدمؑ کی علامت ہے۔ یہ دونوں عمارتیں مسلمانوں کو جان سے زیادہ عزیز ہیں اور مومنوں نے نسل در نسل انہیں بنایا اور برقرار رکھا ہے۔ آج بھی یہ عمارتیں اسلامی تعمیراتی ورثے میں مرکزی حیثیت رکھتی ہیں۔

اسلامی تعمیرات میں جہاں محل، قلعے اور باغات شامل ہیں وہاں مساجد کو ایک خاص فوقیت حاصل رہی ہے۔ عمارات میں مسجد کا وجود وجدان اور اعلیٰ انسانی اقدار کی علامت ہے۔ مسجد وہ عظیم مقام ہے جہاں انسان اپنے دنیوی امتیازات کو فراموش کر کے بیک وقت حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کر سکتا ہے۔ مسجدوں میں مسلمانوں کا اجتماع ان کے مشترکہ مقصدِ حیات اور مشترکہ نظریۂ حیات کی نشاندہی کرتا ہے۔ ان عبادت گاہوں کا تقدس اور عظمت بحال رکھنا تمام مسلمانوں کا فرض ہے۔

مذہبی عمارتوں کے بعد اُن تعمیرات کا ذکر آتا ہے جو مسلمان بادشاہوں نے تعمیر کروائیں اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی آب و تاب میں فرق آ گیا۔ اِس طرح کی اَن گنت عمارتیں پاکستان کے مختلف حصوں میں قائم ہیں۔ ان کی ایک اچھی خاصی تعداد اسی شہر میں واقع ہے جہاں آج آپ جمع ہیں۔ یہاں سے تھوڑی دُور شاہدرہ کے مقام پر مغل شہنشاہ جہانگیر کا مزار ہے جو اپنے حسن سمیت آج بھی محفوظ ہے، لیکن جہانگیر کی ملکہ نور جہاں اور نور جہاں کے بھائی آصف خان کے مزار اپنا حسن و وقار کھو چکے ہیں۔ اسی طرح کئی تاریخی عمارتیں ہیں جو اسلامی طرزِ تعمیر کے شاہکار ہونے کے باوجود کسمپرسی کی حالت میں ہیں۔ ان سب کو توڑ پھوڑ سے بچانا اور ان کا اصلی رنگ روپ

بحال کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے ۔

اِس کے علاوہ کہیں کہیں یہ بھی ضروری ہو گیا ہے کہ موجودہ عمارتوں کو محفوظ اور مکمل رکھنے کے لئے ان میں ضروری اضافہ اور توسیع کی جائے، لیکن یہ کام نسبتاً بہت مشکل اور پیچیدہ ہے کیوں کہ اصل عمارت میں کسی طرح کا پیوند لگانا اس کے اصلی حُسن کو مجروح کرنے کا باعث بن سکتا ہے ۔ فنِ تعمیر کے شاہکاروں کو بعض ماہرین نے انسانی جسم سے تشبیہہ دے کر یہ تاکید کی ہے کہ جس طرح کسی انسان کا کوئی عضو مثلاً ناک، کان یا ہونٹ ضائع ہونے کے بعد ہو بہو ویسا ہی نیا کان، ناک یا ہونٹ نہیں لگایا جا سکتا، اسی طرح تعمیراتی شاہکاروں کو بھی بناوٹی اعضا پہنا کر دوبارہ سجایا نہیں جا سکتا۔ اس لئے کوشش یہ کرنی چاہئے کہ ہر عمارت کا اپنا ناک نقشہ اور اپنا حسن قائم رہے اور جہاں کہیں مجبوراً پیوند لگانا پڑے، وہ اس مہارت سے لگایا جائے کہ وہ اصل کے حسن کو مجروح نہ ہونے دے۔ آپ جیسے ماہرین مجھ سے بہتر جانتے ہیں کہ یہ کام کتنا مشکل اور دِقّت طلب ہے ۔

اسلامی تعمیرات کی ایک قسم وہ بھی ہے جو لاہور قلعہ ، مقبرۂ جہانگیر یا شالیمار باغ کی طرح قائم نہیں بلکہ صفحۂ زمین سے مٹتے جا رہے ہیں۔ چیدہ چیدہ کھدائی سے نہ صرف ان عمارتوں کے نشان تازہ کئے جا سکتے ہیں بلکہ فنِ تعمیر کے ماہروں کی مدد سے ان کے خدوخال بھی کسی حد تک بحال کئے جا سکتے ہیں ۔ پاکستان میں اس کی مثال بھنبھور شہر کی ہے ۔ اگر ابتدائی عرب آبادیوں کے پس منظر میں اس شہر کا مطالعہ کیا جائے تو یہاں مسلمانوں کی رہائش، تجارت اور صنعت و حرفت کے بارے میں بے شمار معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں ۔ بھنبھور شہر میں جنوبی ایشیا کی سب سے پہلی مسجد کے آثار ملتے ہیں اور یہیں عربی کی اوّلین کندہ شدہ تحریریں بھی ملتی ہیں ۔ اسی طرح

سندھ میں عرب دار الخلافہ "المنصورہ" کے آثار بھی موجود ہیں۔

یہ تعمیرات، ہماری اسلامی ثقافت کی اہم کڑیاں ہیں۔ عہد غلامی میں ہماری تہذیب کے یہ شاہکار وقتی طور پر ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے اور ان سے بظاہر ہمارا رابطہ ٹوٹ گیا اور انہیں محض آثارِ قدیمہ سمجھا جانے لگا، لیکن آج جب ہر طرف اسلام کے احیاء اور عہدِ نو کا ذکر ہو رہا ہے، یہ عمارتیں بھی نئی اہمیت اور نئے معانی کے ساتھ ہمارے سامنے آتی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ عظمتِ رفتہ کی ان علامتوں کو دوبارہ تازہ کیا جائے اور اِس علاقے میں اسلامی روایات کے تسلسل کو بحال کیا جائے۔

حاضرینِ گرامی! اس مذاکرے کی افتتاحی تقریر میں اسلامی تعمیرات اور ان کی اہمیت پر کوئی لمبی چوڑی تقریر کرنے کی بجائے میں اپنی گفتگو کو صرف چند باتوں میں سمیٹنا اور انہی کی تاکید کرنا چاہتا ہوں:

۱۔ پرانی مساجد کو نہ صرف اچھی حالت میں رکھا جائے بلکہ انہیں صحیح معنوں میں آباد کیا جائے۔

۲۔ اسلامی تاریخی عمارتوں کو توڑ پھوڑ سے محفوظ رکھنے اور ان کے حسن و جمال کو بحال کرنے پر توجہ دی جائے۔

۳۔ بھنبھور اور "المنصورہ" جیسے مقامات کو از سرِ نو تازہ کر کے اسلامی ثقافت کا تسلسل قائم کیا جائے اور یہ سلسلہ ان عمارتوں یا شہروں سے ملایا جائے جو دوسرے ممالک میں واقع ہیں۔ اس طرح مسلم ممالک کو فنِ تعمیر کے حوالے سے قریب تر لانے میں مدد ملے گی۔

۴۔ تاریخی عمارتوں کی دیکھ بھال کے لئے جو عملہ پاکستان میں ہے، ان کی نہ صرف حوصلہ افزائی کی جائے بلکہ ان میں اچھے ماہرین کا اضافہ کیا جائے اور انہیں

ان کی خدمات کا معقول معاوضہ بطور تنخواہ دیا جائے۔

اِن مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے حکومت پاکستان اپنے وسائل اور اپنی صلاحیتوں کے مطابق کام کرتی رہے گی اور یونیسکو جیسے ان تمام بین الاقوامی اداروں سے تعاون کرے گی جو اِس سلسلے میں کام کر رہے ہیں۔

اگرچہ ہمارے مالی وسائل محدود اور ہمارے ترقیاتی اخراجات لامحدود ہیں، لیکن ہم اپنے تاریخی اور ثقافتی ورثے کی اہمیت سے بھی پوری طرح آگاہ ہیں اور اسے محفوظ کرنے میں ہرگز تساہل سے کام نہیں لیں گے کیونکہ ہم سب سمجھتے ہیں کہ جو قومیں ماضی سے رشتہ توڑ لیتی ہیں وہ مستقبل کی غلام گردشوں میں بھٹکتی رہتی ہیں۔ مستقبل پر یقینِ کامل استوار کرنے کے لئے عہدِ ماضی کا شعور انتہائی ضروری ہے، اور بیشک قدیم عمارتیں اس شعور کو اجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ یہ سیمینار شعور کی ان علامتوں کو محفوظ کرنے میں یونیسکو اور حکومتِ پاکستان کی مدد کرے گا۔

پاکستان پائندہ باد

ویٹرنری ریسرچ اِنسٹی ٹیوٹ کے معائنے کے موقع پر خطاب

لاہور : ۷ اپریل ، ۱۹۸۰ء

صدرِ پاکستان نے افزائشِ حیوانات کے تحقیقاتی ادارے کا معائنہ کیا۔ گورنر پنجاب لیفٹیننٹ جنرل سوار خان نے صدر کا استقبال کیا۔ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر نے صدرِ پاکستان کو اس ادارے کی کارگزاری اور مسائل سے آگاہ کیا۔ ادارے کے عملے سے خطاب کرتے ہوئے صدرِ پاکستان نے اُن کی کارگزاری کو سراہا اور مسائل حل کرنے کی یقین دہانی کرائی۔ انہوں نے ادارے کے ٹرانسپورٹ کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایک بس بطور تحفہ دینے کا اعلان کیا۔

انسٹی ٹیوٹ کے معائنے کے بعد صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے اپنے تاثرات قلمبند کرتے ہوئے مہمانوں کی کتاب میں لکھا:

We can be rightly proud of this institute which is doing a fine job.

I wish them all the best.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

جناب گورنر پنجاب، جنرل سوار خان صاحب،
مشیر زراعت پنجاب، ڈاکٹر بھٹی صاحب،
وٹرنری ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر، ڈاکٹر سعید صاحب،
خواتین و حضرات!

السّلام علیکم۔ میں نے اس سے پہلے افزائشِ حیوانات کے کچھ تھوڑے بہت ادارے دیکھے ہیں، لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہاں آنے سے پہلے مجھے اس بات کا یقین نہیں تھا کہ اس قسم کا جدید ادارہ پاکستان میں موجود ہے۔ اس ادارے کو دیکھنے کے بعد نہ صرف مجھے آپ کے ادارے پر فخر ہے، یہاں کے کام کرنے والوں پر فخر ہے بلکہ جس طرح مختلف صوبوں کے بچے بچیاں، لڑکے لڑکیاں، اکٹھے بیٹھ کر تحقیق کا کام کر رہے ہیں اور اپنے حسنِ کارکردگی سے جو نتائج حاصل کر رہے ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنے کو جی چاہتا ہے اور پاکستان

کی سالمیت پر یقین بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح اگر ہر ادارے میں، ہر محکمے میں محبِّ وطن اور اپنا کام صحیح معنوں میں انجام دینے والے مرد اور خواتین ہوں تو پھر ہمیں کسی تشویش کی ضرورت نہیں۔

جہاں تک گریڈز کا تعلق ہے جس کا ڈاکٹر صاحب نے ذکر کیا ہے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر یہ بین الصوبائی معاملہ ہے تو واپس جا کر میں اس معاملے کا ہمدردی سے جائزہ لوں گا۔ میں خود اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ تحقیق کے اداروں میں جب تک ایسی ترغیبات نہیں رکھی جائیں گی کہ اچھا کام کرنے والے خود بخود ان کی طرف کھچے چلے آئیں، اُس وقت تک تحقیق کے اداروں کی ترقی کے امکانات بہت کم رہیں گے۔ اسی نقطۂ نظر کے تحت ہم نے نیشنل ہیلتھ لیبارٹریز اسلام آباد کو نہ صرف نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہیلتھ کا درجہ دے دیا ہے، بلکہ اسے ایک خود مختار ادارہ بنا دیا ہے تاکہ وہاں کے عملے کو گریڈز، تنخواہوں اور الاؤنسز کا مسئلہ نہ رہے۔ ان کی اپنی آمدنی اتنی ہو، حکومت کی گرانٹ اتنی ہو کہ مالی مشکلات پر، خواہ وہ یہاں کام کرنے والے ملازمین کی مشکلات ہوں، خواہ ادارے کی، قابو پا لیا جائے۔ اسی طرح میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے ادارے میں اگر کوئی مشکلات ایسی ہیں جن کی نوعیت بین الصوبائی ہے تو میں ان کو رفع کروں گا۔

ایک دو چیزیں میری طرف سے تحفہ سمجھ لیجئے یا کچھ اور۔ میں نے یہاں لڑکیوں سے باتیں کی ہیں۔ ان کو ٹرانسپورٹ کا مسئلہ درپیش ہے۔ ان کے لئے میں ایک چھوٹی بس بھیجوں گا جو وفاقی حکومت کی طرف سے تحفہ ہوگی۔ اس کے علاوہ جنرل سوار خان صاحب نے پانچ لاکھ روپے آپ کو دیئے ہیں۔ کچھ مشکلات اس سے حل ہوں گی۔ ایک بس میں آپ کو خود اپنی طرف سے بطورِ تحفہ دوں گا تاکہ اس سے ٹرانسپورٹ کی دِقّتیں دُور ہوں،

خواہ وہ آپ کے سکول جانے والے بچوں کی ہوں خواہ کوئی اور۔

مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی ہے کہ عالمی ادارۂ خوراک وزراعت کے دو ماہرین یہاں کام کر رہے ہیں۔ میں اپنی طرف سے اور آپ کی طرف سے ان کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ وہ ہماری مدد کر رہے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ آپ کے جو آرٹسٹ ہیں، ایم۔ آر خان صاحب، ان کی بھی تعریف کرنی لازمی ہے۔ میں نے ان کا کام دیکھا ہے۔ جہاں وہ سرکاری کام کر رہے ہیں وہاں وہ فن کی بھی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ میں ان کے لئے ایک چھوٹا سا تحفہ بھیجوں گا تاکہ ان کی دلجوئی ہو۔

میں جنرل سوار خان صاحب کا، ڈاکٹر سعید صاحب کا اور آپ کا مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے اتنا اچھا ادارہ دیکھنے کے لئے بلایا۔ اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی وہ مشکلات جن کا تعلق وفاقی حکومت سے ہے، انشاء اللہ سب رفع کی جائیں گی۔ جس طرح انسانی وسائل کسی ملک کی ترقّی کے لئے اہمیت رکھتے ہیں، اسی طرح حیوانات بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہیں۔ اگر ہم صحیح معنوں میں اس دولت کا تحفّظ کریں گے، اس کی ترقی اور افزائش کے لئے کوشش کریں گے تو یہ نہ صرف انسانی فریضہ ہے بلکہ ملک کی خدمت ہوگی۔

مجھے امید ہے کہ یہ ادارہ جس احسن طریقے سے اب کام کرتا ہوا نظر آ رہا ہے، آئندہ بھی انشاء اللہ اسی خوش اسلوبی سے اپنی خدمات اور فرائض انجام دیتا رہے گا۔

شکریہ

پاکستان پائندہ باد

شیخوپورہ میں کونسلروں سے خطاب

شیخوپورہ : ۷ اپریل، ۱۹۸۰ء

شیخوپورہ کے کینال ریسٹ ہاؤس میں صدرِ پاکستان نے بلدیاتی اداروں کے منتخب نمائندوں سے خطاب کیا۔ ان میں شیخوپورہ ڈسٹرکٹ کونسل اور میونسپل کمیٹی کے ارکان شامل تھے۔ گورنر پنجاب لیفٹیننٹ جنرل سوار خان اور پنجاب کے بلدیاتی مشیر جناب غلام محمّد مانیکا بھی موجود تھے۔

صدرِ پاکستان نے بلدیاتی اداروں کی اہمیت اور منتخب نمائندوں کی ذمہ داریوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ علاقے میں تعلیم کو فروغ دینا اور مقامی آبادی کو بنیادی سہولتیں مہیا کرنا اُن کے بنیادی فرائض میں شامل ہے۔ جنرل محمّد ضیاءالحق نے زکوٰۃ وعشر کا نظام رائج کرنے کے لئے حکومت کے اقدامات سے حاضرین کو آگاہ کیا اور خشتِ اوّل کے طور پر شیخوپورہ میں زکوٰۃ فنڈ قائم کرنے کے لئے پانچ لاکھ روپے کے عطیے کا اعلان کیا جسے زکوٰۃ کمیٹی مستحقین پر خرچ کرنے کی مجاز ہوگی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیۡنَ

جناب گورنر پنجاب، جنرل سوار خان صاحب،

جناب جنرل ربّانی صاحب،

بلدیاتی مشیر صوبۂ پنجاب، جناب مانیکا صاحب،

چیئرمین ڈسٹرکٹ کونسل، چوہدری نثار احمد خان صاحب،

چیئرمین بلدیہ، چوہدری محمّد اقبال ڈار صاحب،

خواتین و حضرات!

السّلام علیکم - میں آپ کا ازحد ممنون ہوں کہ آپ نے یہاں اتنا اچھا اجتماع منعقد کیا ہے - میرے یہاں آنے کے دو مقاصد ہیں - ایک تو یہ کہ جو عام لوگوں میں تاثّر پایا جاتا ہے کہ اس وقت حکومت اور عوام کے درمیان رابطہ نہیں ہے، اس کو دُور کیا جائے - دوسرا یہ کہ عوام کے نمائندوں کو میں وفاقی حکومت کی طرف سے موجودہ قومی اور بین الاقوامی صورت حال سے آگاہ کر سکوں -

میرا تیسرا مقصد کوئی نہیں، کیونکہ فی الحال نہ میں نے کوئی اپنی سیاسی جماعت بنائی ہے نہ آپ سے میرا کوئی ووٹ لینے کا ارادہ ہے اور نہ آپ سیاسی نمائندے ہیں، کیونکہ آپ کو اس کا بہتر طور پر علم ہے۔ آپ حضرات کا انتخاب اس بنا پر ہوا ہے کہ آپ غیر سیاسی آدمی ہیں اور سراسر عوام کی خدمت کرنے کے جذبے کی بنیاد پر عوام نے آپ کو چُنا ہے۔ آج دو نمائندوں کی نہایت اچھی تقریریں سننے کے بعد میرے دل میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ اس ضلع کونسل کو اور بلدیاتی کونسل کو کس قسم کی قیادت نصیب ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور ان حضرات کو اس قابل بنائے کہ وہ اِس ضلع کی، دیہات کی، شہر کی خدمت کرسکیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں کامیابی عطا فرمائے۔ دوسری بات جس کی طرف میں توجہ دلانا چاہتا ہوں یہ ہے کہ میرا ذاتی طور پر آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا مقصد صرف یہ ہے کہ چند بنیادی باتوں کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر آپ کی خدمت میں پیش کرسکوں۔ پھر آپ اس کو اپنے حلقۂ کار میں، اپنے حلقۂ احباب میں پہنچائیں تاکہ پاکستان میں، پاکستان کے کونے کونے میں ہمارے جو بنیادی اصول ہیں ان کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہ رہے۔ ہمارے بنیادی اصول کیا ہیں؟ سب سے پہلا یہ کہ یہ ملک اسلام کے نام پر بنا ہے، انشاء اللہ اسلام کے نام پر قائم رہے گا۔ اس میں کسی اور نظریے کا دخل نہیں۔ جب ہم اسلام کی بات کرتے ہیں تو ہمیں کم از کم دو باتوں کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہونا چاہئے۔ نبی اکرم صلعم نے جو اصول ہمارے لئے بتائے ہیں وہ ہمارے لئے ہمیشہ مشعلِ راہ ہونے چاہئیں۔ آپؐ نے بتایا کہ اللہ ایک ہے، اسی سے ڈرنا چاہئے، وہی انسان کے لئے کافی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ دنیا ایک سفر ہے، اصل زندگی اس کے بعد آئے گی۔ اس زندگی کو ایک سفر کی طرح مانیے اور اس زندگی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیجیے

تاکہ اگلے جہان میں آپ کے پاس اتنا سرمایہ ہو کہ آپ کی آخرت صحیح معنوں میں مومن کی آخرت ہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلام صرف وعظ و نصیحت ہی کرتا ہے ۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام یہ بھی نہیں کہتا کہ دین کو تلوار کے ذریعے پھیلاؤ۔ اسلام یہ ضرور کہتا ہے کہ جہالت کے خلاف جہاد کرو۔ اسلام یہ ضرور کہتا ہے کہ اسلام کے مخالفین آپ سے نبرد آزما ہوں تو ان کے خلاف جہاد کرو اور ان کو ملیامیٹ کر دو، لیکن اسلام یہ بھی کہتا ہے کہ جو سلوک مسلمانوں کے ساتھ کرو وہی اقلیتوں کے ساتھ بھی کرو۔

مجھے یہ کہنے میں فخر ہے کہ پاکستان میں اسلام کا نام لینے والے، اللہ کا حکم ماننے والے، اللہ سے ڈرنے والے اور رسول اکرمؐ کا حکم ماننے والے ساڑھے سات کروڑ عوام بستے ہیں، لیکن جس طرح رسول کریمؐ کے زمانے میں اسلام کی مخالفت تھی، آج چودہ سو سال کے بعد بھی دنیا میں اسلام کی مخالفت موجود ہے۔ جوں جوں دنیا کی آبادی بڑھتی جا رہی ہے ، مادیت کی طرف ہماری نگاہیں اٹھتی جا رہی ہیں ، ہماری اقدار میں فرق آتا جا رہا ہے ۔ اسلام کے ماننے والوں میں، مجھ میں، آپ میں کچھ خامیاں آگئی ہیں ۔ ہمارا ایمان کچھ کمزور ہو گیا ہے ۔ ورنہ بتائیے آپ کے یہ ساڑھے سات کروڑ عوام اگر اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کریں اور خود اپنے زور بازو سے اپنے ملک کے دفاع، اپنے ملک کی عزت، اپنے ملک کے احترام اور ترقی کی طرف رجوع کریں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ پاکستان میں ہر قسم کی ترقی نہ ہو۔ میں جذبات میں آکر یہ بات نہیں کہہ رہا، حقیقت بیان کر رہا ہوں ۔ آج کل آپ کے سننے میں آیا ہو گا کہ ہماری شمال مغربی سرحد پر ایک اسلامی مملکت افغانستان پر ایک سپر پاور نے

قبضہ کر لیا ہے۔ آپ نے یہ بھی سنا ہوگا کہ پاکستان اپنے دفاع کے لئے کیا کر رہا ہے۔ آپ نے یہ بھی سنا ہوگا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ باہر والے ممالک سے جو مدد آ رہی ہے اسے ہمیں ہر حال میں قبول کر لینا چاہیئے۔ جو لوگ ہماری مدد کر رہے ہیں، جس طریقے سے بھی وہ ہماری مدد کرنا چاہیں ہمیں وہ مدد قبول کر لینی چاہیئے۔ اور لوگ یہاں تک بھی کہہ رہے ہیں کہ اگر آپ کی پشت پناہی کسی بڑی طاقت نے نہ کی تو پاکستان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ لیکن میں آپ سے صرف ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ جس وقت ہم نے یہ ملک بنایا تھا جس وقت قائد اعظم محمد علی جناح نے آزادی کی خاطر جہاد کیا تھا اس وقت کیا اُن کے ذہن میں یہ بات نہیں تھی کہ اِس ملک کا دفاع کیسے ہوگا۔ اگر ہم محض دنیاوی وسائل پر ہی اپنا دفاع منحصر سمجھتے تو قائد اعظم محمد علی جناح کسی اور طرف ہمارا رُخ کرتے۔ اگر پاکستان کی بقا اللہ تعالیٰ کو منظور ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم رہا تو نہ صرف یہ کہ پاکستان ترقی یافتہ ملکوں میں شامل ہوگا، اسلام کا مضبوط قلعہ ہوگا بلکہ ایک ایسی فلاحی مملکت بنے گا جس کی طرف دنیا رشک کی نگاہوں سے دیکھے گی۔ لیکن اس کی ایک شرط ہے جو کڑی شرط ہے کہ میں اور آپ، اپنے آپ کو سب سے پہلے مسلمان بنائیں، اپنے آپ کو سچا پاکستانی بنائیں، اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں۔ اگر ہم نے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا سیکھ لیا تو پھر ہمیں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔ غلامی کا طوق ہم نے ۳۲ سال پہلے اتار پھینکا تھا۔ آزادی کی خاطر ہم نے تین جنگیں لڑی ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک قسم کا طوق اتار پھینکنے کے بعد قوم دوسری قسم کا طوق گلے میں ڈال لے۔ مجھے یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی ہے کہ نہ صرف یہ اجتماع، پوری قوم اس فیصلے پر متفق ہے کہ پاکستان کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی ملک، کسی طاقت کے سامنے نہیں جھکنا چاہیئے۔

اگر ہمارا یہی جذبہ رہا اور اس جذبے کے ساتھ ساتھ ہم نے اپنے اعمال اور کردار کو اسلامی اساس پر استوار کر لیا تو یقین جانیئے کہ پھر ہمیں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔

توکّلتُ علی اللہ کا اصل مقصد یہ نہیں ہے کہ میں اور آپ جا کر حجرے میں بیٹھ جائیں اور وہاں اللہ تعالیٰ سے رجوع کر کے کہیں کہ وہ پاکستان کو تمام قسم کی معدنیات عطا فرمائے، من و سلویٰ آجائے اور پاکستان کے عوام بغیر کسی محنت کے، بغیر کسی مشقّت کے ایسی زندگی گزاریں کہ جس میں کوئی تکلیف ہی نہ ہو، تو یہ چیز ناممکن ہے۔

اگرچہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کچھ بعید نہیں، تاہم اس نے اس زندگی کے کچھ قوانین فطرت بنا دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنے ہاتھ پاؤں ہلاؤ، اپنا دماغ استعمال کرو، محنت مشقّت کرو اور اپنے وسائل کے مطابق زندگی بسر کرو اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

مقدر پر بھی ہمارا ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی روزی پر مُہر لگائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کا رزق مقرر کیا ہے۔ اس میں وسعت اور کمی آسکتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو، میں آپ سے گزارش کروں گا کہ میرا اور آپ کا اگر یہ ایمان ہے کہ ہمیں محنت اور حلال کی کمائی کھانی چاہیئے اور اگر آپ صحیح معنوں میں عوام کی نمائندگی کر رہے ہیں تو میں آپ سے گزارش کروں گا کہ آپ شیخوپورہ شہر کے عوام سے میری طرف سے یہ درخواست کریں کہ سب سے پہلے ہم اپنے آپ کو مسلمان بنائیں۔ اگر ہمارے درمیان کوئی غریب آدمی ہے، اس کے ساتھ محبت کا سلوک کریں، اس کی مدد کریں اور ہم میں سے جو مخیّر حضرات ہیں، جن پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے، جن کے پاس زیادہ دولت ہے، وہ صحیح معنوں میں اگر زکوٰۃ دیں، غربا کی مدد کریں تو پھر ہمیں کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت ہی نہیں۔

اِن بلدیاتی اداروں کا اصل مقصد جس کی طرف آپ نے ضرور توجہ دی ہوگی یہ ہے کہ عوام اپنے مسائل کو اپنے وسائل سے حل کر سکیں۔ اگر آج ہم ترقی کی راہ میں اپنی رفتار تیز کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیئے کہ اپنے اخراجات میں کمی کریں، اپنی بچت میں اضافہ کریں، حلال کی کمائی پر گزارا کریں، پاکستانی ہونے کی حیثیت سے پاکستانی مصنوعات کی قدر کریں، باہر کا کوئی مال نہ خریں۔ اگر ہم اِن چیزوں کو اپنائیں تو پاکستان کی مصنوعات ترقی کریں گی، پاکستان کی مالی حالت اچھی ہو جائے گی پھر ہمارے آپ کے سکولوں کی حالت بھی اچھی ہو جائے گی، آپ کی طبی سہولتوں میں بھی اضافہ ہو جائے گا، سڑکیں بھی اچھی بنیں گی، بجلی بھی آئے گی، پانی بھی آئے گا۔

ہمارا ملک ایک ترقی پذیر ملک ہے اِس ترقی پذیر ملک کے اندر بھی بعض ترقی پذیر علاقے ہیں، بعض ترقی یافتہ علاقے ہیں۔ جہاں تک ہماری حکومت کا تعلق ہے، ہماری یہ پالیسی ہے کہ شہری علاقوں کو سہولتیں ضرور دیں، لیکن اس قوم کی ستّر سے اسّی فیصد آبادی دیہات میں بستی ہے۔ یہ اُن دیہات کے لوگوں کی محنت و مشقت کا نتیجہ ہے کہ میں اور آپ روٹی کھانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اتنی گندم اُگا رہے ہیں کہ ہمیں اس سال باہر سے بہت کم گندم منگوانے کی ضرورت پڑے گی۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کی ترقی دیہات اور شہروں کی بیک رفتار ترقی کے اصول پر ہونی چاہیئے۔

دیہات کی ترقی کے لئے ہم نے تین چیزوں کی طرف توجّہ دی ہے۔ ہماری حکومت کی یہ پالیسی ہے کہ دیہات اور ترقی پذیر علاقوں میں تین چیزوں کی اشد ضرورت ہے۔ بجلی، پانی اور سڑکیں۔ ان کی طرف وفاقی حکومت توجّہ دے رہی ہے اور صوبائی حکومتوں کی نہ صرف اس طرف توجّہ ہے بلکہ ان کے علاوہ دوسرے

شعبوں پر بھی ہے۔

پاکستان میں اس وقت پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد ۲۵ سے ۲۷ فیصد ہے، عورتوں میں یہ شرح صرف ۱۳ فیصد ہے۔ آپ ہی بتایئے یہ ملک جسے ہم اسلام کا قلعہ کہتے ہیں، جس میں ۷۵ فیصد لوگ اَن پڑھ ہیں، کتنی ترقی کر سکتا ہے۔ اسی وجہ سے میں یہ کہا کرتا ہوں کہ ہم میں سے ہر شخص کی یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ اپنے گھر میں، اپنے محلے میں، اپنے شہر میں، جہاں اپنا اثر ہے، ایک آدمی کو پڑھایئے، ایک بچے کو پڑھایئے۔ ہمارے ہاں تعلیم میں ترقی ہونی چاہیئے۔ میری پہلی توجہ قرآنِ پاک کی تعلیم پر ہے، اسلامی تعلیم کی طرف ہے اور اسلامی تعلیم کا منبع میرے نزدیک مسجد ہونی چاہیئے۔ کوئی علاقہ پاکستان میں ایسا نہیں جہاں مسجد نہ ہو اور گزشتہ چند سالوں میں آپ کی مدد کے ساتھ، اسلام پسند لوگوں کی کوششوں کے ساتھ اِن مسجدوں کو اللہ تعالیٰ نے بسایا بھی ہے۔ لوگ نمازیں پڑھنے لگے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعائیں کر رہے ہیں۔ آج اگر یہ ملک ترقی کی راہ کی طرف گامزن ہے یا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پیداوار میں اضافہ ہوا ہے، درآمدات میں اضافہ ہوا ہے، جو تھوڑی بہت ہم نے ترقی کی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اُس کے فرمانبردار لوگوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ مجھے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کے حضور جھک کر عاجزانہ طریقے سے ہر نماز کے بعد یہ دعا مانگنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اس ملک کو مستحکم کرے، اس ملک کے اندر صحیح معنوں میں اسلامی اطوار کو ہمیں رائج کرنے کی توفیق دے اور یہ نہ صرف ایک نظریاتی ملک ہو بلکہ ایک مثالی ملک ہو جس میں لوگ صحیح معنوں میں اپنی زندگی مسلمان کے طور پر گزار سکیں۔

اس وقت پاکستان میں جہاں اسلام کا چرچا ہے جہاں لوگ اسلام پسند ہیں،

جہاں نمازیں بھی پڑھی جارہی ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعائیں بھی کی جارہی ہیں، بین الاقوامی حالات کی وجہ سے جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے، ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو پاکستان کی جڑیں کاٹنے میں مصروف ہیں۔ جو یہ کہہ رہے ہیں کہ اس ملک کے اندر اسلام نہیں لادینیت ہونی چاہیئے۔ اس ملک کا رُخ دائیں بازو کی طرف نہیں بائیں بازو کی طرف ہونا چاہیئے۔ جو کہتے ہیں کہ ایشیا سُرخ ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام کے علاوہ اور جو اس ملک کے اجزائے ترکیبی ہیں ان کی طرف توجہ دینی چاہیئے۔ میرا اور آپ کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کی نشاندہی کریں جو لوگ ان کی پشت پناہی کر رہے ہیں، اُن کی نشاندہی کر کے اُن کا نہ صرف قلع قمع کریں بلکہ ان کو ایسا عبرتناک سبق سکھائیں کہ آئندہ آنے والے لوگوں کے لئے مثال قائم ہو، کیونکہ ہم اس وقت نہایت نازک دور سے گزر رہے ہیں۔ اس وقت پاکستان کی بین الاقوامی طور پر جو صورتِ حال ہے اُس میں اس ملک کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس اہمیت کی وجہ سے دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کی نظریں اِس خطے پر لگی ہوئی ہیں۔ جس طاقت کا اس خطے پر اختیار ہو گا، وہ طاقت اس پورے علاقے میں طاقت آزمائی میں کامیاب ہو سکے گی۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیئے کہ آج افغانستان کی کیا حالت ہے۔ اور افغانستان کو چھوڑ دیجئے، آپ انیسویں صدی کی تاریخ پڑھیئے۔ تاشقند کہاں گیا، بخارا کہاں گیا، سمرقند کہاں گیا۔ کیا وہ اسلام کے مرکز نہیں تھے، کیا وہاں مسلمان نہیں بستے تھے۔ آج وہاں اسلام کا نام لینے والے کتنے لوگ موجود ہیں۔ اسی طرح ایک طاقت یہ کہہ رہی ہے کہ افغانستان میں اسلام نہیں بلکہ لادینیت ہو گی اور ایک افغان باشندے کو اٹھا کر وہاں اُن کے سر پر مسلط کر دیا ہے کہ یہ آپ کی قیادت ہو گی۔ کیا پاکستان میں ایسے حالات موجود ہیں یا نہیں ہیں۔

مجھے اور آپ کو اِس طرف توجہ دینی چاہیئے اس ملک میں بعض عناصر جو افراتفری پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں، اپنے مشرق کی جانب دیکھنا چاہیئے کہ وہاں کیا حالات نمودار ہو رہے ہیں۔ ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ ہماری ۳۲ سال کی تاریخ میں پاکستان کن مشکل حالات سے گزر چکا ہے۔ کیا آج وہ ساری مشکلات حل ہوگئی ہیں؟ کیا ہمارے لئے سیاست کے علاوہ اور کوئی مشغلہ نہیں ہے؟ میں آپ کے سامنے نہایت عاجزانہ طور پر عرض کروں گا کہ ہمیں اپنے اردگرد نظر دوڑانی چاہیئے۔ اس دَور میں اگر ہماری اقدار، اگر ہماری Values ، ہمارے ذہن میں سوائے اللہ تعالیٰ کے ڈر کے کوئی اور ڈر داخل ہوگیا تو پھر یقین کیجئے کہ پاکستان کی سالمیت کو بہت زیادہ نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے۔ میں آپ کو ڈرانا نہیں چاہتا ہوں کیونکہ مسلمان کسی سے نہیں ڈرتا ہے۔ میں پاکستانی عوام کو صرف مطلّع کرنا چاہتا ہوں، میں آپ کی اِس طرف نشاندہی کروانا چاہتا ہوں کہ مثل مشہور ہے کہ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔ اسلام کی تاریخ دیکھئے چودہ سو سال سے اگر اسلام کو نقصان پہنچا ہے تو وہ مسلمانوں سے پہنچا ہے، غیر مسلموں سے نہیں۔ ہمیں اپنے گھر کی بنیادوں کو مضبوط کرنا ہے اور اگر انہیں کوئی کھوکھلا کرنے کی کوشش کر رہا ہے تو ہمیں اس کی نشاندہی کرنی چاہیئے۔

آپ کے انتخاب کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ آپ صحیح معنوں میں پاکستانی ہیں، مسلمان ہیں اور عوام نے جس عقیدت کے ساتھ جس عزم و حوصلے کے ساتھ اور جن توقّعات کے ساتھ آپ کو اپنا ووٹ دیا ہے، آپ عوام کے سامنے بھی اس کے جوابدہ ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی اس کے جوابدہ ہیں کہ آپ نے اپنے دائرۂ اختیار میں، اپنے ضلع میں، اپنے شہر میں، اپنے ملک میں وہ کونسے اقدامات کئے جن سے پاکستان کو اسلام کو طاقت میسّر ہو۔

نظامِ اسلام کے بارے میں لوگ جو لمبے چوڑے بیانات دیتے ہیں، یہ سب سیاست ہے، لیکن میرا نظریہ یہ ہے کہ حکومت کی کچھ ذمہ داریاں ہیں اور کچھ عوام کی ذمہ داریاں ہیں۔ کچھ فرائض حکومت کے ہیں کچھ عوام کے ہیں اور دونوں کو اپنے اپنے دائرے میں کام کرنا چاہیئے۔ حکومت کے ذمے کچھ فرائض تھے، ان میں سے کچھ حکومت نے پورے کر دیئے ہیں۔ عوام کے ذمے بہت سے فرائض ہیں۔ ہم میں سے ہر شخص کا یہ فرض ہے کہ ظاہری طور پر اور باطنی طور پر صحیح طریقے سے اپنے آپ کو مسلمان بنائے۔ اسلام میں پانچ وقت کی نماز فرض ہے۔ زکوٰۃ فرض ہے، روزہ فرض ہے اور پھر اس سے آگے حج فرض ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس میں آپ کو یہ سہولت دی ہے کہ آپ کے پاس اتنا سرمایہ ہو کہ آپ حج کر سکیں۔ اگر ہم اِن فرائض کی طرف توجہ نہیں دیتے ہیں اور ہم کھڑے ہو کر مجمع لگا کر یہ کہتے ہیں کہ پاکستان میں نظامِ اسلام لایا جائے تو یہ سیاست ہے۔ یہ صحیح معنوں میں اسلام کے ساتھ محبت نہیں۔ صحیح معنوں میں نظامِ اسلام لانے کے لئے صرف ایک دن اور ایک رات کا عرصہ بھی نہیں لگتا۔ میں اور آپ اگر خود کو صحیح معنوں میں مسلمان بنالیں، صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کریں، پھر ہم میں نہ تو کوئی غریب رہ سکتا ہے نہ اَمیر اپنے آپ کو امیر کہہ سکتا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک قوم کا خادم ہو سکتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے ڈریں گے تو پھر ملک کو کسی قسم کا خطرہ پیدا نہیں ہو سکتا۔

ہم ملک میں زکوٰۃ اور عشر کا نظام رائج کرنے کے لئے کافی کوششیں کر رہے ہیں۔ اس میں کچھ رکاوٹیں ہیں اُن کا انشاء اللہ جلد ازالہ ہو جائے گا، لیکن مجھ پر اور آپ پر یہ لازم نہیں ہے کہ حکومت نظامِ زکوٰۃ اور عُشر نافذ کرے، تب ہی ہم زکوٰۃ دیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس مجمعے کے اندر تمام لوگ زکوٰۃ دیتے ہوں گے اور زکوٰۃ کا

صحیح مصرف بھی ہوتا ہوگا۔ کوئی یتیم خانے کو دیتا ہے کوئی اپنے گھر میں غریب آدمی کو دیتا ہے، لیکن شیخوپورہ میں آج جو میں نے اتنی اسلام کی باتیں کی ہیں اور پنجاب میں میرا یہ موجودہ دَورہ شیخوپورہ سے شروع ہو رہا ہے تو یہاں اللہ تعالیٰ کے نام کی ایک اینٹ لگانے کے لئے میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ وفاقی حکومت کی طرف سے ۵ لاکھ روپے سے ایک زکوٰۃ فنڈ قائم کیا جائے گا جسے آپ بیت المال کہہ لیجئے۔ اِس بیت المال کو چلانے کے لئے اگر ضلع کمیٹی کے ارکان نے زکوٰۃ کمیٹی چنی ہوئی ہے، وہ کمیٹی اس کے اخراجات کرے گی۔ اگر اس کمیٹی کی تشکیل ابھی تک نہیں ہوئی ہے تو یہ بلدیہ اور ضلع کونسل کے ممبران پر منحصر ہے کہ وہ دونوں آپس میں مل بیٹھ کر ایک کمیٹی بنائیں جو اس رقم کو اُن مصارف پر جن پر زکوٰۃ جائز ہو، صحیح معنوں میں صرف کرے۔ اس میں بیوگان بھی شامل ہیں۔ اس میں آپ کے ضلع کے یتیم بچے بھی شامل ہیں۔ ان مریضوں کو جو اپنا خرچ برداشت نہیں کر سکتے، طبّی امداد دی جا سکتی ہے۔ طلبا کو وظائف بھی دیئے جا سکتے ہیں۔ وہ تمام سات مصارف جن کے اوپر زکوٰۃ جائز ہے، آپ یہ رقم خرچ کریں اور میرا یہ پیغام گھر گھر پہنچائیں کہ اگر حکومت کی طرف سے زکوٰۃ یا عشر آرڈیننس جاری کرنے میں کچھ دیر ہے تو شیخوپورہ شہر اور ضلع کے لوگ اپنا ایک زکوٰۃ فنڈ قائم کریں جس میں ۵ لاکھ روپے کی رقم میں دے رہا ہوں تاکہ اس شہر، اس ضلع میں وہ لوگ جو غریب غربا ہیں، انہیں دو وقت نہیں تو کم از کم ایک وقت روٹی میسّر ہو۔ وہ طالب علم جو اپنی تعلیم کے لئے مالی امداد کے خواہاں ہیں، ان کو مالی امداد پہنچائی جائے اور مجھے یقین ہے کہ اس رقم کا صحیح مصرف ہوگا اور آپ میں سے جو مخیّر حضرات ہیں وہ اس فنڈ میں دل کھول کر چندہ دیں گے، زکوٰۃ دیں گے اور آپ اس زکوٰۃ فنڈ کو بڑھایئے اور اس کو صحیح معنوں میں خرچ کیجئے۔

اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم رہا تو شیخوپورہ ضلع اور شہر کی جو تکالیف ہیں وہ ہماری محنت و مشقت سے دور ہوں گی۔ کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے سے دُور نہیں ہوں گی، کسی ملک کی امداد سے دُور نہیں ہوں گی۔ جس وقت ہم صحیح معنوں میں مسلمان بن گئے، پاکستانی بن گئے تو دیکھئے کس طرح بادل چھٹتے ہیں۔ میں دوبارہ پھر آپ کا مشکور ہوں کہ مجھے آپ نے موقع دیا کہ میں اپنے خیالات کا اظہار کرسکوں اور پنجاب کے دورے کی ابتدا اس ضلع سے کرسکوں جس کی آگے جاکر میں لوگوں کو مثال دُوں گا کہ دیکھئے بلدیۂ شیخوپورہ نے یہ کام خود کیا ہے، ڈسٹرکٹ کونسل شیخوپورہ نے یہ کام خود انجام دیئے ہیں۔ اُن کی مثال لیجئے۔

شکریہ!

پاکستان پائندہ باد

آبی وسائل کے موضوع پر بین الاقوامی سیمینار سے خطاب

لاہور: ۱۸ اپریل، ۱۹۸۰ء

واپڈا کے زیرِ اہتمام لاہور میں آبی وسائل کے متعلق ایک بین الاقوامی سیمینار منعقد ہوا۔ اس سیمینار میں ڈیڑھ سو کے قریب ماہرین نے شرکت کی جن میں غیر ملکی ماہرین کی کثیر تعداد بھی شامل تھی۔ ورلڈ بینک، یو، این، ڈی، پی اور فورڈ فاؤنڈیشن کے نمائندے بھی موجود تھے۔

سیمینار کا افتتاح کرتے ہوئے صدرِ پاکستان نے پاکستان کے زرعی مسائل کی نشاندہی کرتے ہوئے سیم وتھور کا خصوصیت سے ذکر کیا اور کہا کہ اس وقت ہماری سیراب شدہ زمین کا ایک تہائی حصہ اور قابلِ کاشت زمین کا ایک چوتھائی حصہ اِن موذی امراض کی زد میں ہے۔ انہوں نے سیمینار سے درخواست کی کہ وہ اپنی سفارشات میں طے کریں کہ ہماری ترجیحات کیا ہوں، کون سے ادارے کس منصوبے کے ذمہ دار ہوں، مجوزہ منصوبوں پر کیا خرچ آئے گا اور یہ سرمایہ کہاں سے حاصل کیا جائے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ۔

گورنر پنجاب، جنرل سوار خاں صاحب،

پانی اور بجلی کے وفاقی وزیر، ایئر مارشل انعام الحق صاحب،

واپڈا کے چیئرمین، جنرل فضلِ رازق صاحب،

ورلڈ بینک کے ڈائریکٹر، رابرٹ پکوٹے Robert Picciotte صاحب،

غیر ملکی مندوبینِ گرامی

اور

حاضرینِ کرام!

السلام علیکم۔ ایک اہم قومی مسئلے پر بین الاقوامی سیمینار کا افتتاح میرے لئے مسرت اور عزت کا باعث ہے۔ میں واپڈا کے چیئرمین، جنرل فضلِ رازق اور ان کے رفقاء کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مجھے دعوت دے کر آپ کے خیالات سننے اور آپ تک اپنے خیالات پہنچانے کا موقع دیا۔

میں غیر ملکی مندوبین کو خوش آمدید کہتا ہوں اور ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اس مذاکرے میں شرکت کے لئے وقت نکالا۔ مجھے امید ہے کہ ان کی موجودگی سے اس سیمینار کو کامیاب بنانے میں مدد ملے گی۔

آپ نے مجھ سے پہلے چند تقاریر سنیں جو اپنے اپنے دائرۂ کار کے لحاظ سے بہت جامع اور مفید تھیں۔ میں زرعی مسائل اور آبی وسائل کے بارے میں فنّی نقطۂ نگاہ سے آپ کو نئی راہیں نہیں دکھا سکتا، لیکن ایک شہری اور انتظامیہ کے سربراہ کی حیثیت سے ان شعبوں کی یقیناً نشاندہی کر سکتا ہوں جن کی طرف خاص توجّہ دینے کی ضرورت ہے۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، یہ سیمینار پاکستان کی زرعی پیداوار بڑھانے اور آبی وسائل کو بہتر بنانے کے لئے منعقد کیا گیا ہے اور اس سیمینار کے پیشِ نظر، بلکہ زیرِ بحث وہ "نظرثانی شدہ عملی منصوبہ" ہے جو واپڈا کے ماہرین نے چار سال کی مسلسل محنت سے تیار کیا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ اِس منصوبے کی تیاری کا سہرا پاکستانی ماہرین کے سر ہے اور ورلڈ بینک، ایشین بینک، یو این ڈی پی، فورڈ فاؤنڈیشن اور دوسرے بین الاقوامی اداروں نے اسے پاکستان کی زرعی ترقی کے لئے ایک مفید دستاویز قرار دیا ہے۔

اس سیمینار کا افتتاح کرتے وقت میں اپنی بات کا آغاز تین بنیادی باتوں سے کرنا چاہتا ہوں:

پہلی یہ کہ ملکی اَنا اور ملکی بقا کو برقرار رکھنے میں ملک کی اقتصادی حالت اہم کردار ادا کرتی ہے۔

دوسری یہ کہ ہمارے ملک کی اقتصادی حالت میں زراعت ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور

تیسری یہ کہ زراعت کی ترقی کا تصوّر آبی وسائل کے بغیر ناممکن ہے۔

زراعت اور آبی وسائل کا تعلق بہت پرانا ہے اور ہم ایک عرصے سے اپنی معلومات اور اپنی صلاحیت کے مطابق ان وسائل کو زرعی ترقی کے لئے کام میں لا رہے ہیں، لیکن آج زیرِ غور مسئلہ یہ ہے کہ آبی وسائل کو کس طرح بہتر بنایا جائے تاکہ ہم زیادہ سے زیادہ زرعی پیداوار حاصل کر سکیں۔

فی الحال پوزیشن کچھ اس طرح ہے کہ ملک میں زیرِ کاشت اراضی پونے پانچ کروڑ ایکڑ کے لگ بھگ ہے، جس میں سے تقریباً تین کروڑ پینتیس لاکھ ایکڑ زمین کو نہری پانی ملتا ہے جبکہ ایک کروڑ بیس لاکھ رقبہ بارش کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ ان علاقوں سے جو زرعی پیداوار حاصل ہوتی ہے وہ ملک کی بڑھتی ہوئی ضروریات سے بہت کم ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ایک زمانے میں، اور وہ زمانہ صدیوں پرانا نہیں، یہی میرا اور آپ کا دیکھا ہوا زمانہ ہے جب یہ علاقہ، خاص طور پر پنجاب کا علاقہ خوراک کا گھر سمجھا جاتا تھا اور یہاں کے کسانوں اور کاشتکاروں کی محنت سے دُور دُور تک لوگ فائدہ اٹھاتے تھے۔ آج یہ عالم ہے کہ ہم بہت سے زرعی ماہرین، آبی وسائل کے ماہرین اور جدید ٹیکنالوجی کے باوجود خوراک کے معاملے میں دوسروں کے محتاج ہیں۔ کیا یہ تبدیلی ہم سب کے لئے لمحۂ فکریہ نہیں اور کیا یہ حالت ہمارے ماہرین کے لئے ایک چیلنج نہیں کہ ہم کیا تھے اور آج کہاں کھڑے ہیں؟ یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جس کی طرف میں ہر موقع پر زراعت سے متعلق تمام لوگوں کی توجہ مبذول کراتا رہتا ہوں۔

ہم گزشتہ دو تین سالوں سے صورتِ حال کو بہتر بنانے کی کوشش کر رہے ہیں اور مجھے خوشی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حکومت کی بہتر پالیسیوں، کاشتکاروں کی محنت اور ماہرین کی کوششوں سے شعبۂ زراعت میں بہتری کے آثار نظر آنے لگے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ۱۹۷۷ء تک پچھلے چھ سات سالوں میں زرعی

ترقی کی اوسط سالانہ شرح بمشکل ۱٫۵ فیصد تھی جبکہ آبادی تین فیصد سالانہ کے حساب سے بڑھ رہی تھی، یعنی پیداوار کی رفتار آبادی کے مقابلے میں نصف تھی۔ ہم نے ۱۹۷۷ء میں جن نئی پالیسیوں کا آغاز کیا، ان کے نتیجے میں پچھلے سال زرعی ترقی کی یہ شرح ڈیڑھ فیصد سے بڑھ کر ۴٫۲ فیصد ہوگئی اور اس سال شرح کا تخمینہ سات فیصد لگایا گیا ہے جو انشاء اللہ پورا کر لیا جائے گا۔

زرعی ترقی کی شرح کو بہتر بنانے میں بہت سے عوامل کا حصہ ہے۔ جن کی تفصیلات میں جانے کا یہ وقت نہیں، البتہ اس بات کی طرف اشارہ کافی ہے کہ تین بڑی فصلوں یعنی گندم، چاول اور کپاس کی پیداوار بڑھانے میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال رہا تو مجھے امید ہے کہ اس سال ہم ایک کروڑ ساٹھ لاکھ ٹن گندم پیدا کرنے کا ہدف Target حاصل کر لیں گے۔ یہ ہدف پچھلے سال کی نسبت ساڑھے پینسٹھ لاکھ ٹن زیادہ ہے۔ یہ اضافہ اگرچہ بڑا حوصلہ افزا اور خوش آئند ہے، لیکن قومی ضرورت سے بہت کم ہے۔ البتہ اتنا فرق ضرور پڑا ہے کہ پچھلے سال ہم نے کوئی تین سو کروڑ روپے کی گندم درآمد کی تھی جبکہ اس سال اس مد پر ایک سو کروڑ روپے خرچ ہونے کی توقع ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ چاول اور کپاس کی فصلیں اتنی اچھی ہوئی ہیں کہ ملکی ضروریات پوری کرنے کے علاوہ اُن کی برآمد سے خاطر خواہ زرمبادلہ بھی حاصل کر رہے ہیں۔

یہ ترقی اپنی جگہ حوصلہ افزا ضرور سہی، لیکن وجۂ اطمینان نہیں بن سکتی کیونکہ زرعی میدان میں اپنی منزل حاصل کرنے کے لئے ابھی بہت محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ کوئی قابلِ فخر کارنامہ نہیں کہ ہم ایک جنس کو برآمد کر کے جتنا زرمبادلہ کمائیں وہی دوسری جنس کی درآمد پر خرچ کر دیں۔ ہمیں زرعی میدان میں ایک

ایسا معیار حاصل کرنا ہوگا کہ ہم گندم جیسی بنیادی اشیائے ضرورت میں جلد از جلد خود کفیل ہو سکیں اور باقی اشیاء برآمد کر کے دیگر ضروریات پوری کرنے کے لئے معقول مقدار میں زرِمبادلہ کما سکیں۔

زرعی پیداوار کم ہونے سے زراعت پر ہی نہیں ملکی صنعت پر بھی گہرا اثر پڑتا ہے کیوں کہ ہماری اکثر صنعتوں کا دارومدار بھی زیادہ تر زرعی پیداوار پر ہے۔ اگر دیکھا جائے تو نہ صرف قومی آمدنی کا ایک تہائی حصہ زراعت سے پورا ہوتا ہے بلکہ کل ملک کے دو تہائی زرمبادلہ کا انحصار براہِ راست یا بلاواسطہ زرعی پیداوار پر ہوتا ہے۔

ان چند گزارشات سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگر ہم نے اپنی زراعت کو ملک کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے مطابق ترقی نہ دی تو ملکی معیشت کے بُری طرح متاثر ہونے کا اندیشہ ہے اور زراعت کو اُس وقت تک خاطر خواہ ترقی نہیں دی جا سکتی جب تک ہم اپنے آبی وسائل میں اضافہ کرنے اور انہیں بہتر طور پر استعمال میں لانے میں کامیاب نہ ہو جائیں۔

آبی وسائل کا ذکر کرتے ہوئے قدرتی طور پر سیم اور تھور جیسی بیماریوں کا خیال آتا ہے جو ہماری زرخیز زمین کو تپدق کی طرح کھا رہی ہیں۔ اس وقت ہماری سیراب شدہ اراضی کا تقریباً ایک تہائی اور قابلِ کاشت اراضی کا تقریباً ایک چوتھائی حصہ اِن مُوذی امراض کی زد میں ہے اور مزید علاقے ان کی گرفت میں آ رہے ہیں۔ اگر ہم نے سیم اور تھور کی لعنت سے نجات حاصل کرنے کی کوشش نہ کی تو آبی وسائل کی افزائش اور ان کے بہتر استعمال سے ہونے والے فوائد کی خود بخود نفی ہو جائے گی۔

مجھے خوشی ہے کہ اس سلسلے میں واپڈا کی زیرِ نگرانی ایک ایسا ماسٹر پلان تیار کیا گیا ہے جس سے ان مسائل کو حل کرنے میں خاصی مدد ملے گی جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ سچ پوچھئے تو میں نے اس "پلان" یا "نظرثانی شدہ عملی پروگرام" کا مطالعہ نہیں کیا، لیکن میرے خیال میں ایک اچھے پروگرام میں دو بنیادی خصوصیات ہونی چاہئیں:

ایک یہ کہ یہ منصوبہ یا پروگرام کسی ایک تھیوری یا نظریے کو صحیح ثابت کرنے کے لئے تیار نہ کیا گیا ہو بلکہ اسے تیار کرتے وقت ملکی ضروریات اور عملی حقائق کو پیشِ نظر رکھا گیا ہو، یعنی یہ Realistic ہو۔

دوسری یہ کہ یہ پروگرام مالی اور انتظامی لحاظ سے قابل عمل یعنی Practicable ہو۔

مجھے امید ہے کہ واپڈا کا یہ منصوبہ پہلی خصوصیات پر ضرور پورا اترتا ہوگا کیونکہ اس کی تیاری میں اُن ماہرین نے حصّہ لیا ہے جو ملکی ضروریات، عملی حقائق اور ہمارے روزمرّہ مسائل سے پوری طرح آگاہ ہیں، البتہ مجھے یہ نہیں معلوم کہ آیا یہ مالی لحاظ سے بھی قابلِ عمل ہے یا نہیں۔ مجھے امید ہے کہ جب اس سیمینار میں اس کا تجزیہ کیا جائے گا تو اس بات کا بھی خیال رکھا جائے گا کہ اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے وسائل کہاں سے مہیّا کئے جائیں گے۔

مجھے اس بات کا اچھی طرح احساس ہے کہ ہمیں کئی ترقّیاتی منصوبوں کے لئے عرصے تک غیر ملکی امداد کا سہارا لینا پڑے گا، لیکن قوم کی توقعات کے عین مطابق موجودہ حکومت کی یہ کوشش ہے کہ زیادہ سے زیادہ اپنے وسائل پر انحصار کیا جائے اور مُلک کو خود کفالت اور خود اعتمادی کی منزل سے ہمکنار

کیا جائے ۔ اس لئے میں اس منصوبے کے لئے مالی وسائل مہیّا کرنے کے سلسلے میں اہلِ وطن کو مشورہ دوں گا کہ اگر ہم دوسروں کے محتاج ہونے کی بجائے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہتے ہیں تو اس کے لئے ہمیں کچھ قربانیاں دینی ہوں گی ۔ ایک قربانی یہ ہے کہ ہمیں "اسراف" جیسی غیر اسلامی عادت سے نجات حاصل کر کے اپنی روزمرّہ زندگی میں سادگی اور کفایت شعاری کو اپنانا ہوگا تاکہ ہم زیادہ سے زیادہ بچت کر کے زیادہ سے زیادہ منصوبوں کے لئے خود سرمایہ مہیّا کر سکیں میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر ہم نے سادگی، قومی بچت اور مُلکی سرمایہ کاری کی عادت ڈال لی تو نہ صرف ہم بیرونی قرضوں کے بوجھ سے بچ جائیں گے بلکہ اپنے منصوبوں کو اپنی مرضی سے پایۂ تکمیل تک بھی پہنچا سکیں گے ۔

حاضرینِ گرامی ! مجھے یقین ہے کہ اس مذاکرے میں بڑی فاضلانہ بحث ہوگی جس کی افادیت سے مجھے انکار نہیں، لیکن میں دراصل ایک پریکٹیکل آدمی ہوں اور ہر ذہنی ورزش یا فنی بحث سے عملی نتائج کی توقع رکھتا ہوں ۔ مجھے امید ہے کہ افتتاحی اجلاس کے بعد تین نشستوں میں جو بحث کی جائے گی، اس سے ان سات سوالوں کے جوابات اخذ کرنے میں مدد ملے گی :

۱۔ آبی وسائل سے متعلق ہمارے زرعی مسائل کیا ہیں اور انہیں حل کرنے کے لئے ہمیں کیا طریقۂ کار اختیار کرنا چاہیئے ؟

۲۔ اس طریقۂ کار میں کن باتوں کو اوّلیت دینی چاہیئے یعنی اس سلسلے میں ہماری Priorities کیا ہوں ؟

۳۔ کون سا کام کس ادارے کے سپرد کیا جائے اور اسے انجام دینے کے لئے اگر اسے اضافی وسائل کی ضرورت ہے تو انہیں کیسے پورا کیا جائے ؟

۴۔ اس سارے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کتنا سرمایہ درکار ہوگا اور اسے حاصل کرنے کے ذرائع کیا ہوں گے؟

۵۔ کیا اس منصوبے کی لاگت مالی لحاظ سے ملک کے لئے مفید ہوگی؟

۶۔ آبی وسائل میں کفایت شعاری Economy کا عنصر کیسے پیدا کیا جائے؟

۷۔ سیم اور تھور پر کیسے قابو پایا جائے؟

مجھے یقین ہے آپ اِن سوالوں کے علاوہ کئی اور پہلوؤں کا بھی جائزہ لیں گے، لیکن میں توقع کرتا ہوں کہ جب یہ مذاکرہ اختتام کو پہنچے تو اس کے ساتھ ہی حکومت کو نہ صرف قابلِ عمل سفارشات بھیجی جائیں بلکہ اس بات کی بھی نشاندہی کی جائے کہ ملکی وسائل کے پیشِ نظر ان سفارشات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے فنڈز کیسے مہیا کئے جائیں۔ مجھے اُمید ہے کہ ورلڈ بینک، یو۔ این۔ ڈی۔ پی، یو۔ ایس۔ ایڈ، فورڈ فاؤنڈیشن اور دوسرے بین الاقوامی ادارے اس سلسلے میں پاکستان سے یقیناً تعاون کریں گے۔

میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے آج کی تقریب میں شرکت کی دعوت دی اور ایک قومی موضوع پر تبادلۂ خیال کا موقع دیا۔ اللہ تعالیٰ اس مذاکرے کو ہر لحاظ سے کامیاب فرمائے۔ آمین!

پاکستان پائندہ باد

لاہور ڈویژن کے کونسلروں سے خطاب

لاہور: ۸ اپریل، ۱۹۸۰ء

لاہور ڈویژن کے بلدیاتی اداروں کے منتخب اراکین کا ایک اجتماع لاہور میں ہوا جس سے صدرِ پاکستان، جنرل محمد ضیاء الحق نے خطاب کیا۔ اِس تقریب میں پنجاب کے گورنر، لیفٹیننٹ جنرل سوار خان اور پنجاب کے مشیرِ بلدیات، جناب غلام محمد مانیکا بھی موجود تھے۔ لاہور کے میئر، جناب شجاع الرحمان نے سپاسنامہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ بلدیاتی نظام عوام اور حکومت کے درمیان ایک رابطے کے پُل کا کام سرانجام دیتا ہے۔

صدرِ پاکستان نے اپنے خطاب میں کہا کہ انہوں نے ملک کا یہ دورہ اس لئے شروع کیا ہے کہ عوام کے منتخب نمائندوں سے مل کر اُن کا نقطۂ نظر سُنیں اور پھر باہمی مشورے سے ایک ایسا ترقیاتی لائحۂ عمل تیار کیا جائے جس سے عوام کی تکالیف دُور ہوں۔ اس سلسلے میں وفاقی حکومت کی طرف سے ۱۵ء۱ کروڑ روپے حکومتِ پنجاب کو امداد کے طور پر دیئے جا چکے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ منتخب نمائندوں کو ملک میں نظامِ اسلام کے نفاذ میں حکومت کا ہاتھ بٹانا چاہئے۔

خطاب کے بعد صدرِ پاکستان نے حاضرین سے درخواست کی کہ وہ اپنا نقطۂ نظر اور اپنی آراء پیش کریں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیۡنَ

جناب گورنر پنجاب، جنرل سوار خان صاحب،
مشیرِ بلدیات، جناب مانیکا صاحب،
میئر لاہور، جناب شجاع الرحمٰن صاحب،
دانشورانِ لاہور،
کونسلر صاحبان
اور
خواتین و حضرات!

السلام علیکم۔ سب سے پہلے میں آج کی اس مجلس کا عندیہ بیان کرنا چاہتا ہوں تاکہ کسی غلط فہمی کا احتمال نہ رہے۔ آپ نے ابھی قرآنِ مجید کی آیاتِ مبارکہ سنی ہیں۔ آپ کو اس بات کا علم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر یہ فرض عائد کیا ہے کہ جب بھی انھیں کوئی مسائل، زندگی کی تکالیف یا دنیاوی معاملات میں

کسی الجھن کا سامنا ہو، انھیں چاہیے کہ آپس میں بیٹھ کر صلاح مشورہ کریں تاکہ ایک احسن نتیجہ برآمد ہو اور آپس میں صلاح مشورہ کا مقصد ایسے نتائج کا پیدا کرنا ہو جس سے ملک کی بہتری اور فلاح مقصود ہو۔ اسی نقطۂ نظر سے میں نے کل سے شیخوپورہ (پنجاب) کا دورہ شروع کیا۔ آج اُس کا دوسرا دن ہے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ آپ کے نقطۂ نظر کو سن کر اور آپ کے تجربے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایسا لائحۂ عمل تیار کیا جا سکے جس سے حکومت مستفید ہو سکے۔

میں ایک دو نکات آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں تاکہ خیالات کی ہم آہنگی واضح ہو سکے اور ہم سب مل کر ایک ایسی منزل کا رخ کر سکیں جس سے پاکستان کو عزّت اور وقار حاصل ہو اور اِسی لئے آپ حضرات کو یہاں آنے کی زحمت دی گئی ہے۔ میں چاہوں گا کہ میری مختصر سی تقریر کے بعد آپ خواتین و حضرات میں سے جو بھی کِسی قسم کا صائب مشورہ دینا چاہے یا کسی مسئلہ کی نشاندہی کرنا چاہے، وہ اِس سلسلے میں اپنے خیالات پیش کرے تاکہ اس پر میں عمل کر سکوں۔ کوئی ایسا مسئلہ جس کا تعلق وفاقی حکومت سے ہو، وہ بھی پیش کیا جا سکتا ہے تاکہ اُس پر عمل درآمد کا بھی جائزہ لیا جا سکے، لیکن ایک بات ملحوظ رہے کہ تقاریر، پند و نصائح پر ختم نہیں ہونی چاہئیں اور کچھ عملی تجاویز بھی پیش کی جانی چاہئیں تاکہ مسائل کو حل کرنے میں پیش رفت بھی کی جا سکے۔

ایک نظریاتی مملکت کے لئے سب سے اہم چیز اُس کا نظریہ ہوتا ہے۔ آپ نے ابھی شجاع الرحمٰن صاحب کی تقریر سنی ہے۔ انہوں نے اسی بات پر زور دیا ہے کہ ایک نظریاتی ملک کے لئے اپنے نظریے کی حفاظت ہی سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ دینی لحاظ سے بھی اور دنیاوی نقطۂ نظر سے بھی۔

دنیا میں نظریاتی ممالک ایک دو ہی ہیں۔ پاکستان دنیا کا پہلا ملک ہے جو نظریاتی بنیاد پر وجود میں آیا۔ ہم اِس کا مقابلہ کسی دوسرے ملک سے نہیں کر سکتے کیونکہ اس کا نظریہ ہی اس کی انفرادیت ہے اور یہ ملک اسلام کے نام پر ہی قائم ہوا ہے۔ اِس سلسلے میں کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بات مسلّم ہے کہ جب کسی نظریاتی ملک میں عوام کی آنکھوں سے نظریہ ہی اوجھل ہو جائے تو وہ ملک اپنی بنیادی جڑوں سے اکھڑ جاتا ہے۔ دوسرے ممالک کو قائم رکھنے کے لئے، یعنی غیر نظریاتی ممالک کو قائم و دائم رہنے کے لئے کسی نظریے کی قطعی ضرورت نہیں ہوتی، لیکن ایک نظریاتی ملک کے لئے اُس کا نظریہ ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ اگر اس ملک کے نظریے کو ہی ٹھیس پہنچنا شروع ہو جائے تو سمجھ لیجئے کہ اس کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی ہیں اور اس کا زوال نزدیک تر آتا جا رہا ہے۔ آج سے ۳۲ سال پہلے پاکستان بھائی چارے، مساوات اور جمہوریت کے اصولوں پر حاصل کیا گیا تھا اور مسلمانوں نے یہ مطالبہ بھی پیش کیا تھا کہ انہیں ایک ایسا خطّہ دیا جائے جس کے اندر مسلمانوں کی اکثریت ہو، جسے وہ اپنا گھر کہہ سکیں اور جہاں وہ دینِ اسلام کے مطابق زندگی گزار سکیں، لیکن ۳۲ سال گزرنے کے باوجود یہ سب باتیں سطحی ہو کر رہ گئی ہیں اور ہم عملی طور پر بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ میں آپ پر یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ کوئی ایک شخص، اکیلا اور تنہا پاکستان میں اسلام کی روح پیدا نہیں کر سکتا۔ یہ ایک اجتماعی کام ہے اور صرف حکومت بغیر عوامی تعاون کے، یہ کام سر انجام نہیں دے سکتی۔ یہ کام کسی الٰہ دین کے چراغ سے مکمل نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لئے لازمی ہے کہ ہم میں سے ہر کوئی اپنی زندگیوں کو صحیح معنوں میں اسلام کے سانچے میں ڈھالے۔ ایک دفعہ ہم اس مقصد میں کامیاب ہو گئے تو سمجھ لیجئے

نظامِ اسلام کی برکتوں کا در ہمارے لئے وا ہوگیا۔ حکومت کے کارندے زبردستی نظامِ اسلام کو نافذ نہیں کر سکتے۔ یہ آپ جیسے منتخب نمائندوں کا فرض ہے کہ وہ اس سلسلے میں آگے آئیں اور نظامِ اسلام کے لئے کام کا آغاز کریں۔ اس بلدیاتی انتخاب سے پیشتر میں نے اِس جگہ اُس وقت کے حاضرین سے گزارش کی تھی کہ وہ انتخابات میں ایسے افراد کا چناؤ کریں جو اسلام پسند ہوں اور اُن کا مزاج اور کردار پاکستانی اور اسلامی ہو اور چونکہ آپ اِسی بنیاد پر منتخب ہو کر آئے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ آپ نہ صرف لوگوں کے صحیح نمائندے ہیں، بلکہ صحیح معنوں میں اسلام اور پاکستان کے نمائندے بھی ہیں۔ اس ملک کے لئے ہمیں بہت کچھ کرنا ہے۔ وقت بہت کم ہے، اس لئے کہ بہت سا وقت پہلے ہی ضائع ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اُس نے ہمیں بہت مواقع فراہم کئے، ہم پر بڑا کرم کیا، لیکن ساتھ ساتھ جھنجھوڑا بھی۔ آپ ۱۹۷۱ء کو یاد کیجئے کہ اُس وقت پاکستان کی کیا حالت تھی اور اب اس کے بعد پاکستان کی کیا حالت ہے۔ ہمارا ایک بازو کٹ چکا ہے۔ اِس طرح ہم ایک عجیب صورتِ حال سے دوچار ہیں۔ جب آپ یہ کہتے ہیں کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا تھا اور اسلام ہمارا دین ہے اور یہ کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو تمام زمانوں کے لئے ہے، اس استدلال کے جواب میں ہمارے دشمن یہ کہتے ہیں کہ اگر ایسا ہی ہے تو بتائیے کہ مشرقی پاکستان میں کون بستے تھے؟ کیا وہاں مسلمان نہیں تھے؟ کیا وہ پاکستان کا حصہ نہیں تھے؟ پھر انہوں نے پاکستان سے علیحدگی اختیار کر کے کیوں بنگلہ دیش تخلیق کیا؟ اس تکلیف دِہ سوال کا جواب دینے سے پہلے ہمیں اپنے دل کو ٹٹولنا چاہئے اور اپنے گریبان میں جھانکنا چاہئے۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ کیا ہم صرف باتیں ہی کرتے ہیں یا اُن پر عمل بھی کرتے ہیں۔ ایک دوسری بات جس کی طرف میں آپ کی توجہ

مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہر معاشرے کا اپنا ایک منفرد کردار ہوتا ہے۔ ہمارے معاشرے کا کردار اسلامی ہے، یہاں کسی دوسرے کردار کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ لوگ اس وقت لادینیت کی طرف بھاگ رہے ہیں اور اس بات کا پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ پاکستان مشکلات میں گھرا ہوا ہے، اس کے مشرق و مغرب میں خطرناک بادل چھائے ہوئے ہیں، اس لئے مدد مانگنی چاہیئے اُن ہی دشمنوں سے جن سے خطرہ ہے، اُنہی سے رابطہ قائم کیا جانا چاہیئے جن سے پاکستان کی سالمیت کو خطرہ لاحق ہے۔ یہ عجیب استدلال ہے کہ چونکہ پاکستان کی سالمیت کو خطرہ ہے اس لئے پاکستان کی سالمیت کے دشمنوں سے ہی بات چیت کی جانی چاہیئے، اُنہی سے دوستی پیدا کرنی چاہیئے۔ یہ اُن لوگوں کی موشگافیاں ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، یہی اُن لوگوں کی ذہنیت ہے۔ کیا پاکستان کے ساڑھے سات کروڑ عوام جو اپنے آپ کو مسلمان اور پاکستانی گردانتے ہیں، یہ چاہیں گے کہ اپنے دشمن کے آگے ہاتھ پھیلادیں اور گھٹنے ٹیک دیں۔ عجیب بات ہے کہ اللہ سے ڈرنے والے انسانوں سے خوف کھانے لگے ہیں۔ اگر نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے تو پھر اللہ ہی اس ملک کی حفاظت کرنے والا ہے، لیکن میرا ایمان ہے کہ اس ملک کو اللہ تعالیٰ کے نام پر قائم کیا گیا تھا۔ پچھلے ۲۲ سال میں اس پر بڑے بڑے سانحے گزرے ہیں، یہ قائم و دائم رہا ہے۔ اس ملک میں اللہ کے نام لیوا موجود ہیں۔ ایسے لوگ نہ صرف ہم جیسے گناہگاروں پر سایۂ رحمت کئے ہوئے ہیں بلکہ اس ملک کی سالمیت کے بھی محافظ ہیں۔ میں اپنی اور آپ کی طرف سے اُن خدا کے نیک بندوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے برگزیدہ بندوں کو اس ملک میں قائم و دائم رکھے اور ان کی

دعائیں قبول فرمائے کیونکہ یہ اُن کی دعاؤں کا ہی ثمر ہے کہ آج میں اور آپ زندہ وسلامت ہیں اور آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور اپنے آپ کو آزاد جمہوریہ پاکستان کا باشندہ کہلانے کا حقدار سمجھتے ہیں۔ بہرحال ایسے پُرخطر حالات میں قومیں اتحاد ویکجہتی کا مظاہرہ کرتی ہیں اور افراتفری پھیلانے والے عناصر کی نہ صرف نشاندہی کرتی ہیں بلکہ ان کا قلع قمع بھی کرتی ہیں اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے لئے دست بہ دعا رہتی ہیں۔ اگر ہم میں بھی یہ جذبہ پیدا ہو جائے اور ہم صحیح معنوں میں مسلمان بن جائیں اور پھر پاکستانی بھی، تو یقین رکھیئے کہ گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں اور خطرے کی کوئی بات نہیں۔ قائدِ اعظم نے ۱۹۴۸ء میں فرمایا تھا کہ پاکستان کو اگر کسی وقت خطرے کا سامنا ہوا تو ہم اس کی خاطر میدانوں، پہاڑوں اور ریگستانوں میں لڑیں گے اور اس وقت تک لڑیں گے جب تک دشمن ہمیں اٹھا کر بحیرۂ عرب میں نہ پھینک دیں۔ آج تو حالات بہت بہتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مساجد آباد ہو گئی ہیں، اُن میں کہیں زیادہ رونق ہے۔ لوگ اسلام کا نام لیتے ہیں، اذانیں ہوتی ہیں، اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔ رسولِ اکرمؐ کے نام لیوا موجود ہیں۔ قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اس پر عمل بھی کیا جانا چاہیئے۔ آج ۱۹۸۰ء میں ہم دنیاوی طاقتوں سے کیوں ڈرنے لگے ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ اسلام کی اقدار کا بول بالا کریں اور اللہ تعالیٰ سے ڈریں، اس کے فضل وکرم کی دعا مانگیں اور اس کی گرفت سے بچنے کی خواہش کریں۔ ہم بہت کمزور بندے ہیں، ہم اس کی آزمائش کے لائق نہیں ہیں، لیکن اگر ہمیں آزمائش سے گزرنا پڑے تو اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سرخرو کرے اس لئے کہ پاکستان اِس وقت انتہائی نازک حالات سے گزر رہا ہے۔ پاکستان اپنی بتیس ۳۲ سالہ تاریخ میں اتنے نازک دور سے نہیں

گزرا۔ جتنے مراحل اور خطرات اسے اب درپیش ہیں اتنے کبھی نہ تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ میں نے جتنے کام بھی کئے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی وجہ سے بخیر و خوبی سر انجام پائے۔ ہمیں کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی، اللہ تعالیٰ ہمیں، مجھے اور میرے رفقاء کو اتنی طاقت بخشے کہ ہم قوم کو اس کی صحیح منزل کی طرف لے جاسکیں۔

پچھلے دو سالوں میں اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنا خاص فضل و کرم کیا ہے۔ زرِ مبادلہ میں اضافہ ہوا ہے۔ درآمدات بڑھی ہیں۔ برآمد میں اضافہ ہوا ہے۔ لوگوں کی آمدنی میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ کیا ہم نے ان تمام باتوں کے لئے کبھی اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنے کا قصد کیا ہے کہ اُس نے ہمیں اس دوران اپنے فضل سے نوازا، رحم و کرم کیا جس کی ہمیں توقع نہیں تھی اور جس کے ہم اہل نہیں تھے۔ انہی باتوں کے پیشِ نظر میں اپنی ہر تقریر کا آغاز اسلام سے کرتا ہوں اور اختتام بھی اسلام کے مبارک نام پر۔ اسلام ہی ہمارے پاس ایک ایسا خزانہ ہے جسے ہم نے گم کر دیا یا اس کے اندر کسی قسم کی ملاوٹ کر دی، تو اُس کا نعم البدل نہیں مل سکے گا۔ میں آپ سے گزارش کروں گا کہ اسلام کے جذبے سے سرشار ہو جائیے اور قوم کی خدمت کو اپنا فرضِ اولین گردانیئے۔

اس میں عبادت کا پہلو ہے اور یہی عبادت ہے۔ اسی خدمت میں دین بھی عطا ہوتا ہے اور دنیا میں سرخروئی بھی حاصل ہوتی ہے۔ ایک دوسری بات جو توجہ طلب ہے وہ سزا و جزا کا اسلامی نظریہ ہے۔ مسلمان ہونے کے ناطے میرا اور آپ کا اس پر ایمان ہے۔ میرا یہ مشاہدہ ہے کہ جس شخص نے والدین کی عزت نہیں کی، اس کی اولاد نے بھی اس شخص کی عزت نہیں کی۔ دوسری طرف جس شخص نے حرام کا مال کھایا، اُس شخص کا اسی دنیا میں اس سے دُگنا نقصان ہوا ہے۔ اس طرح اگر ایک شخص نے دوسرے شخص پر ظلم کیا ہے تو اِسی دنیا میں اُسے اُس ظلم کا بدلہ ملا ہے اور اگر

ایک شخص نے لوگوں کی خدمت کی ہے اور اس دنیا میں اُسے اپنی خدمت کا صلہ نہیں ملا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اُسے اپنی نگاہِ کرم میں رکھے گا اور اُسے اُس کا اجر ضرور ملے گا۔ اِس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم سچے مسلمان بن جائیں، اپنے ایمان کو مضبوط بنائیں اور سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی سے نہ ڈریں۔ رسولِ اکرمؐ نے آج سے چودہ سو سال پہلے وحدانیت کا سبق دیا تھا۔ یعنی اللہ ایک ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ رسول اکرمؐ نے خانۂ کعبہ کے تمام بتوں کو پاش پاش کر دیا تھا۔ یہ ایک ایسا کارنامہ تھا جس کا ذکر آج بھی کیا جاتا ہے۔ چند دن ہوئے یہاں سے کچھ لوگ ہندوستان گئے۔ وہاں ایک صاحب تشریف لائے۔ میں ان کا نام نہیں لینا چاہتا۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ آج یہاں اس لئے آئے ہیں تاکہ مسلمانوں کو ہدیۂ تبریک پیش کیا جا سکے، اُن کے سامنے اُن کی تعریف کی جا سکے۔ انہوں نے فرمایا کہ اسلام نے دنیا کو مساوات کا جو درس دیا ہے اُس سے دنیا کی بہت سی قومیں ابھی تک ناآشنا ہیں۔ یہ ہمارے پڑوسی ملک کا واقعہ ہے، کہیں دور دراز کی بات نہیں۔ گزارش یہی ہے کہ ہمارے ہاں مساوات کا عمل جاری وساری رہنا چاہئے۔ اگر صحیح معنوں میں حلال کی روزی کمائی جائے اور زکوٰۃ بھی ادا کی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ امیر وغریب میں اتنا فرق رہ جائے۔ اگر زکوٰۃ کا نظام قائم ہو اور پوری زکوٰۃ ادا کی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ اِس ملک میں کوئی شخص بھوکا رہ جائے۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ باقی ترقی پذیر ممالک کے مقابلے میں پاکستان کی حالت بہت ہی اچھی ہے۔ ہمارے ہاں لوگوں کی آمدنی زیادہ ہے، روزگار کے مواقع زیادہ ہیں، پھر بھی ابھی کافی کمی ہے، لیکن جو سہولتیں میسر ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنا چاہئے اور دعا کرنی چاہئے کہ وہ ہمارے رزق میں وسعت دے، ہمارے وسائل کو

بڑھائے تاکہ ہم صحیح معنوں میں حلال کی روزی کما سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ بھی فرض عائد کیا ہے کہ ہم اُس سے یہ دعا بھی مانگیں کہ وہ ہمارے کام میں برکت ڈالے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی حکم ہے کہ ہم محنت بھی کریں اور اپنی عقل سے بھی کام لیں۔ قدرت نے چند ہمہ گیر اصول تخلیق کئے ہیں جن کی خلاف ورزی سے نقصان کا احتمال ہے۔ اگر آپ آگ میں ہاتھ ڈالیں گے تو وہ ضرور جلے گا۔ اس آگ کی حدّت کو برداشت کرنا آپ کے ایمان پر منحصر ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ آگ میں ہاتھ تو میں ڈالوں اور انگلی جنرل سوار خاں صاحب کی جل جائے، لیکن اگر ایک شخص پختہ ایمان کے ساتھ آگ میں ہاتھ ڈالتا ہے اور اللہ کے نام پر یہ فعل سرانجام دیتا ہے تو اس کا ہاتھ تو ضرور جلے گا، مگر اللہ تعالیٰ اُسے برداشت کی قوت بھی عطا کرے گا۔ اسی طرح قدرت کا اصول ہے کہ جو شخص بھی محنت کرے گا اُسے اس کا پھل ضرور ملے گا۔ جہاں اللہ تعالیٰ دوسری چیزوں کا اجر اس دنیا میں دیتا ہے، وہاں محنت کا اجر بھی ضرور عطا کرتا ہے۔ محنت رائگاں نہیں جاتی اور اگر رائگاں چلی جائے تو اللہ تعالیٰ اُس آدمی کے دل میں بار بار محنت کرنے کی توفیق سرایت کر دیتے ہیں اور وہ اُسی کی طرف رجوع کرتا ہے حتیٰ کہ اپنی محنت کا پھل پالیتا ہے۔ ہمیں پاکستان کی تعمیر کے لئے زبردست محنت کرنی ہے۔

شجاع الرحمٰن صاحب نے فرمایا ہے کہ لاہور شہر کے ارد گرد کی زمین اس حد تک زراعت کے قابل نہیں رہی، جب اسے پانی ملتا تھا۔ میری گزارش یہ ہے کہ ہم اس زمین کو آباد کرنے کے لئے حتی المقدور کوشش کریں اور اپنے وسائل کو بروئے کار لائیں۔ زراعت پاکستان کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ آج ہی ایک مقام پر سیمینار ہو رہا تھا، جس کا موضوع تھا کہ پاکستان میں زراعت کو

ترقی دینے کے لئے پانی کا استعمال کیسے کیا جائے ۔ اِس سیمینار میں بہت سی تقاریر ہوئیں اور بہت سی تجاویز بھی پیش کی گئیں، لیکن اُن تمام باتوں کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے ۔ زمین ہمارے پاس ہے ، پانی ہمارے پاس ہے، بجلی ہم پیدا کر رہے ہیں ۔ ہمیں چاہئے کہ ہم محنت کریں، ہمارے پاس اتنی افرادی قوت ہے کہ ہم نہ صرف اپنا کام کر سکتے ہیں بلکہ دوسروں کی خدمت بھی کر سکتے ہیں ۔ ان تمام وسائل کے ہوتے ہوئے آخر کیا وجہ ہے کہ ہم اتنی ترقی نہیں کر پائے جتنی کہ ہونی چاہئے ۔ جہاں مَیں اسلام کی بات کرتا ہوں کہ اسلام کے نفاذ کے لئے بھی ہمیں ہنگامی بنیادوں پر کام کرنا چاہئے تاکہ ایک حقیقی انقلاب لایا جا سکے ، وہاں میرا خیال یہ بھی ہے کہ پاکستان کی معیشت میں بھی انقلاب ناگزیر ہے اور اس انقلاب کے لئے جو بات بنیادی ستون کی حیثیت کی حامل ہے، وہ ہے محنت ۔ اور کاشتکار کو محنت کا صحیح معاوضہ ملنا چاہئے ۔ آج تک یہ ہوتا آیا ہے کہ ۸۰ فی صد عوام جو زمینوں پر محنت کر کے صبح و شام خون پسینہ ایک کر کے ہمارے لئے خوراک پیدا کرتے ہیں، اُن پر کوئی توجہ نہیں دی گئی اور شہری آبادی پر، جو صرف نعرے بازی اور سیاست پر یقین رکھتی ہے، بہت توجہ دی گئی ہے ۔ اُس کی فلاح و بہبود کے لئے بہت کچھ کیا گیا ہے ۔ اُن کے لئے تعلیمی ادارے، سکول، کالج اور ہوسٹل بھی تعمیر ہوئے ہیں ، لیکن آپ مجھے یہ بتائیے کہ ہم نے دیہات کے لئے کیا کیا ہے ۔ ہمیں زراعت کے میدان میں انقلاب لانے کے لئے دیہات کے زراعت پیشہ لوگوں کو اُن کی محنت کا اجر یا مزدوری ایمانداری سے صحیح طور پر ادا کرنا ہوگی اور اُس کا خرچہ مجھ سمیت ملک کے ساڑھے سات کروڑ عوام اٹھائیں گے ۔ اس لئے میری آپ سے یہی گزارش ہے کہ اگر ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا ہے تو ہمیں نہ صرف اسلامی اقدار سے وابستہ رہنا ہے بلکہ اپنے اعمال و کردار کو بھی

اسلامی رنگ میں ڈھالنا ہے اور اس کے لئے سب سے ضروری بات محنت کے جذبے کو زندگی کے تمام شعبوں میں بدرجۂ اتم فروغ دینا ہے۔ ہمیں زراعت کے شعبے میں انقلاب لانا ہے اور نہ صرف اپنی ضروریات کو پورا کرنا ہے بلکہ اپنے پڑوسی اور دوست ممالک کی ضروریات کا بھی خیال رکھنا ہے۔

ایک دوسرے مسئلے کی طرف جناب شجاع الرحمٰن صاحب نے توجہ دلائی ہے۔ وہ لاہور شہر کا ٹرانسپورٹ کا مسئلہ ہے۔ یہ بات میرے علم میں ہے کہ لاہور اور کراچی جیسے بڑے شہروں میں لوگوں کی آمد و رفت کے وسائل بہت محدود ہیں۔ جہاں پندرہ سو[۱۵۰۰] گاڑیوں کی ضرورت ہے وہاں صرف دو سو[۲۰۰] سے ہی کام چلایا جا رہا ہے۔ اس مسئلے کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے وفاقی اور صوبائی حکومتوں نے سویڈن کی حکومت سے مل کر لاہور شہر کی ٹرانسپورٹ کی مشکلات کو حل کرنے کے لئے ایک منصوبہ بنایا ہے، اسے ایک سال ہو گیا ہے۔ انشاء اللہ جلد ہی چند ہفتوں یا مہینوں میں اس منصوبے کے خاطر خواہ نتائج آپ کے سامنے آنا شروع ہو جائیں گے۔ والوو Volvo کی بڑی بڑی بسیں انشاء اللہ لاہور میں چلنا شروع ہو جائیں گی۔ ٹرانسپورٹ کے مسئلے پر قابو پانے کے ساتھ ہی لاہور شہر کی تقریباً ساٹھ فی صد مشکلات حل ہو جائیں گی۔

اس کے علاوہ جناب شجاع الرحمٰن صاحب نے ایک بات کی طرف توجہ دلائی ہے جس کے بارے میں مَیں اور گورنر صاحب آگاہ ہیں، وہ یہ ہے کہ پرائیویٹ بسوں کو شہر کے اندر کسی جگہ بھی چلانے میں ممانعت نہیں ہونی چاہیئے۔ ہمیں اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آپ بسیں مہیا کیجئے، ہمارا اور آپ کا فرض ہے کہ ہمارے وہ محنت کش بھائی جو اس وقت پاکستان سے باہر کام کر رہے ہیں، زرِ مبادلہ کی ایک بھاری مقدار ہمیں مہیا کر رہے ہیں، ہم اُن کے بے حد مشکور ہیں،

لیکن اگر اِس زرِمبادلہ کو جائز طریقے سے خرچ نہ کیا جائے تو واقعی افسوس کی بات ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ اِس زرمبادلہ کی بدولت لوگوں نے پیسے کے لالچ میں فنانس کارپوریشنیں کھول لی ہیں۔ ہم نے لاہور، کراچی اور اسلام آباد کے لوگوں کو بار بار کہا ہے کہ یہ لوگ دھوکے باز اور چور ہیں، ان کے ساتھ آپ کسی قسم کا کاروبار نہ کریں لیکن مجھے نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ لوگوں نے ہماری گزارشات کی طرف توجہ نہیں دی اور بینکوں سے پیسہ نکلوا کر ان فنانس کارپوریشنوں میں جمع کروادیا ہے، صرف اِس بنیاد پر کہ ان لوگوں نے یہ کہا کہ وہ دو تین سال میں رقم پر اتنا بڑا سود ادا کریں گے یا یہ کہ رقم دوگنا ادا کی جائے گی۔ اس دھوکہ بازی سے پاکستان کے لوگوں کو اندازاً ۱۵ کروڑ روپے کا نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ اِن کارپوریشن والوں نے پیسہ کھایا اور رفوچکر ہو گئے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے بیرونِ ملک گئے ہوئے عزیزوں اور رشتہ داروں کو سمجھائیں کہ وہ مادیّت کی طرف ضرورت سے زیادہ توجہ نہ دیں۔ اگر باہر کے آئے ہوئے پیسے سے زمین خرید لی جائے یا کچے مکان پختہ بنا لئے جائیں تو یہ ایک احسن قدم ہے۔ اس طرح اگر ہمارا معیارِ زندگی بلند ہو جائے تو بہت اچھی بات ہے۔ ان چیزوں کے علاوہ جو پیسہ بچ جائے، اس کو جائز طور پر خرچ کرنا ایک سوچنے کی بات ہے۔

ہمارے پڑوس میں ایک بہت بڑا ملک آباد ہے۔ وہ آبادی اور رقبے کے لحاظ سے بھی ہم سے کہیں بڑا ہے، ہم سے دس گنا بڑا ہے۔ وہاں کے لوگ بھی کام کرنے کے لئے باہر کے ممالک میں جاتے ہیں، لیکن عرصہ دس سال سے انہوں نے امپورٹس پر پابندی عائد کی ہوئی ہے۔ ملک کے اندر نہ کوئی کار آتی ہے نہ ریفریجریٹر اور نہ ہی ایئرکنڈیشنر۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ ملک کے اندر ہی بنائی جاتی ہے

اور ملکی اشیاء ہی استعمال میں لائی جاتی ہیں۔ لیکن، اس کے برعکس ہم نے کیا کیا ہے؛ یہ کہ جو شخص بھی باہر سے آتا ہے، اس کی کوشش یہ ہوتی ہے اور اس کی خواہش ہوتی ہے کہ جوں ہی وہ پاکستان میں داخل ہو، کسٹم والے اُس کی آؤ بھگت کریں، اسے گنہ رجانے دیں اور اس کے پیچھے پیچھے اس کا ریفریجریٹر اور ایئر کنڈیشنر بھی آئے، اور اگر وہ خود نہیں آتا تو فارم آئے، اس پر دستخط کر کے اپنے ایجنٹوں کو بھیج دیتا ہے جو اس کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ سو عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ باہر سے کمائی ہوئی حلال کی رقم کو جائز ضروریات پر خرچ کیا جانا چاہئے، لیکن ٹیلی وژن، ریڈیو اور دوسری تعیّشات پر بے دریغ خرچ کرنا کسی طرح بھی دانشمندی نہیں ہے۔ غیر ضروری اشیاء کی طرف اس رویّے میں حکومت کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ ان اشیاء میں سے اکثر کو پاکستان لا کر مہنگے داموں فروخت کر دیا جاتا ہے۔

اِس گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ ہمیں پاکستانی بننا چاہئے اور پاکستانی مصنوعات کے استعمال کو ترجیح دینا چاہئے۔ باہر کی مصنوعات سے مکمّل پرہیز ہی میں ملک و قوم کی بہتری ہے۔

ہمیں یک جہتی اور باہمی قوّت سے ایک ایسے انقلاب کی طرف پیش قدمی کرنا ہے جس سے پاکستان کی معیشت بحال ہو اور پاکستان میں زرعی انقلاب کا آغاز ہو۔ زرعی انقلاب کے لئے سخت محنت درکار ہے اور تعلیمی ترقی اشد ضروری ہے۔ ہمارا تعلیمی معیار نہایت پست ہے۔ خواتین میں ۱۳ فیصد پڑھی لکھی ہیں۔ پاکستان کی کل آبادی کا ۲۵ فیصد پڑھا لکھا طبقہ ہے، باقی ۷۵ فیصد لوگ اَن پڑھ ہیں۔ اسلام میں صرف اور صرف کلمہ پڑھنے سے ہی بات نہیں بنتی، گو مسلمان ہونے کے لئے یہی بنیادی چیز ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ باقی اور متعلقہ ہدایات پر

عمل بھی انتہائی ضروری ہے۔ مذکورہ ہدایات پر عمل اُسی وقت ہو سکتا ہے۔ جب آپ انہیں پڑھ کر سمجھ بھی سکیں۔ اس لئے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت ہی کی جائے، گو کہ اس کا ایک الگ اور عظیم مرتبہ ہے، لیکن قابلِ رشک بات یہ ہے کہ قرآنِ مجید کی ہدایات کو سمجھا بھی جائے کہ یہ ایک عظیم سرچشمۂ ہدایت ہے۔ اگر ہم عربی نہیں سمجھ سکتے تو اس کا اُردو ترجمہ ہی پڑھ سکتے ہیں اور فیض یاب ہو سکتے ہیں، لیکن مولوی صاحبان اُردو ترجمے کی اہلیت نہیں رکھتے اِس لئے کہ اُس کے لئے تعلیم ضروری ہے۔ قرآن کو پڑھنے اور سمجھنے کے لئے تعلیم از حد ضروری ہے۔ مجھے دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ ہمیں پاکستان کے اندر تعلیمی انقلاب لانا ہے۔ اگر ہم میں سے کوئی پڑھا لکھا ہو تو ہمارا فرض ہے کہ اپنی گلی، محلّے میں تعلیم کے رجحان کو فروغ دیں اور اِس سلسلے میں اپنی کوششیں تیز تر کر دیں۔ جنرل سوار خان صاحب نے صوبۂ پنجاب میں یہ پالیسی اپنائی ہے کہ مسجد کو مکتب کا درجہ دے دینا چاہئے۔ امام مسجد کی موجودگی میں پڑھنے پڑھانے میں کسی دشواری کا سامنا نہیں ہونا چاہئے۔ اس پالیسی کو اپنانے کے بعد ہم کم از کم پرائمری جماعت تک مسجدی تعلیمی میدان میں شایانِ شان ترقی کر سکتے ہیں جس کا اپنا ایک رول ہو گا۔

میں سمجھتا ہوں کہ کونسلر حضرات کو بہت سی مشکلات کا سامنا ہے۔ ہمارے وسائل محدود ہیں۔ جیسا کہ میں نے راولپنڈی بلدیاتی کنونشن منعقدہ ۵-۶ مارچ، میں ذکر کیا تھا کہ وسائل محدود ہونے کے باوجود میں بلدیاتی اداروں کی کچھ نہ کچھ مالی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ میری اس خواہش کے مطابق صوبۂ پنجاب کو اپنے حصّے کے مطابق ۱ء۵ کروڑ روپیہ دیا جا چکا ہے۔ اب جنرل سوار صاحب کو چاہئے کہ وہ ڈسٹرکٹ کونسلوں کو اپنے منصوبے کے مطابق اس رقم کی تقسیم کریں۔ آپ کے حصّے میں چند ہزار روپے آتے ہیں یا چند لاکھ روپے آتے ہیں، میں نہیں سمجھتا کہ اس سے آپ کی تمام

مشکلات حل ہو جائیں گی، لیکن یہ رقم وفاقی حکومت کی طرف سے ایک ادنیٰ سا عطیہ ہے۔
مجھے یہ بھی گزارش کرنی ہے کہ ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا ہے، اپنے محدود وسائل پر انحصار کرنا ہے اور ایک ایسے کردار کو اپنانا ہے جس سے ملک و قوم کو فائدہ حاصل ہو۔ مسلمانوں میں کوئی اونچ نیچ نہیں ہے۔ یہاں مساوات کا اصول جاری و ساری نظر آتا ہے، یہاں تک کہ اگر سربراہِ مملکت کوئی غلطی کرتا ہے تو ایک عام شخص بھی اس کی نشاندہی کرنے کا حق رکھتا ہے۔ کسی غلطی کی طرف توجہ دلانا بھی ایک اسلامی جذبہ ہے۔ ہماری مثال ایک گھر کی سی ہے۔ ہر کنبہ اپنی آمدنی کے مطابق ہی خرچ کر سکتا ہے۔ آمدنی محدود ہو تو اخراجات بھی آمدنی کو پیشِ نظر رکھ کر ہی کئے جاتے ہیں۔ یہی انسانی عقل کا تقاضا ہے۔ بالکل اسی ماڈل پر، ڈسٹرکٹ کونسل ہو یا کارپوریشن یا پاکستان کا کوئی صوبہ ہو، چل سکتا ہے، اِس لئے کہ آپ مجھے یہ کبھی نہیں کہیں گے کہ اگر کسی شخص کا گزارہ پانچ سو روپے ماہوار میں نہیں ہو سکتا تو اُسے چوری کرنی چاہئے یا ڈاکہ ڈالنا چاہئے، یا وہ گھر کے اندر نوٹ چھاپنے کی مشین لگا لے۔ اِن باتوں کی توقع نہیں کی جانی چاہئے اور نہ ہی ایسی باتوں کی اسلام میں اجازت ہے، بلکہ گنجائش بھی نہیں ہے۔ ہمیں چاہئے کہ حلال کی روزی کمائیں اور صالح عادات اپنائیں۔ قومیں محنت و جانفشانی اور بے پناہ قربانیوں کے بل بُوتے پر ہی پروان چڑھتی ہیں۔ مجھے اور آپ کو اپنی آنے والی نسل کے لئے قربانی دینا ہے اور آنے والی نسل کو اپنی آئندہ نسل کے لئے۔ یہ سلسلہ جاری رہے گا تو ہم بحیثیتِ قوم دنیا کے نقشے پر ایک نمایاں مقام بنانے کے اہل قرار پائیں گے۔
اللہ کے فضل و کرم سے پاکستان کے وسائل وسیع ہیں، اس لئے لوگ بھی خوش حال ہیں۔
میں آپ سے گزارش کروں گا کہ آپ محنت اور مستقل روی کے جذبے سے

کام کیجئے۔ اگر آپ کو اپنے محلّے میں کوئی نالی بنانی مقصود ہو تو پہلے آپ اُسے کچا ہی بنا لیجئے، پھر چندہ اکٹھا کر کے اسے پختہ کر لیں۔ اپنے اوپر رضا کارانہ طور پر ٹیکس لگوا لیں اور اس طرح یہ چھوٹے چھوٹے کام کئے جا سکتے ہیں۔ آپ کے ٹیکسوں سے جمع شدہ رقم صوبائی یا وفاقی حکومت کے پاس جاتی ہے۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ استفسار کریں کہ ملک کی آمدنی اور اخراجات کیا ہیں؟ اخراجات کن مدوں پر ہوتے ہیں؟

اِس ملک کا ڈھانچہ بلدیاتی اداروں پر منحصر ہے، خواہ اس کو آپ جمہوریت کہیں یا کسی دوسرے نظام کا نام دیں۔ میں چاہتا ہوں کہ نظامِ حکومت کی عمارت کی بنیاد بلدیاتی اداروں سے اٹھے۔ تمام منصوبہ بندی، سب سے نچلی سطح یعنی یونین کونسل سے شروع ہو کر وفاقی کونسل یا وفاقی حکومت تک جانی چاہئے۔ منصوبہ بندی اوپر کی سطح سے تشکیل پا کر نچلی سطح تک پہنچنی چاہئے، تبھی وہ قابلِ عمل ہو سکتی ہے۔ اِسی طرح آپ اپنی گلی اور محلّے کا جائزہ لے سکتے ہیں کہ آپ کی کیا ضروریات ہیں اور آپ کے وسائل کتنے ہیں۔ وسائل کے مطابق ہی آپ کسی اسکول کی مدد کیجئے اور کسی کالج کو رقم دیجئے۔ تھوڑی بہت مدد وفاقی حکومت بھی کرے گی۔ ہمیں تعلیم کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کسی دوسری چیز کی ہو سکتی ہے۔ اس لئے میں کونسلر خواتین و حضرات سے گزارش کروں گا اور توقع کروں گا کہ جہاں ہم اسلام کا نام لیتے ہیں وہاں ہمیں اپنے اعمال کی طرف بھی دھیان کرنا چاہئے اور صحیح معنوں میں حلال کی روزی کمانے پر انحصار کرنا چاہئے۔ اپنی مشکلات کو اپنے وسائل کے اندر رہتے ہوئے ہی حل کرنا چاہئے تاکہ ہمارا دوسروں کی امداد پر انحصار کم سے کم ہوتا چلا جائے اور ہم اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی پوزیشن میں ہوں۔ لاہور جسے پاکستان کا دل کہا جاتا ہے، میں توقع کروں گا کہ اس 'دل' سے اللہ کی آواز بلند ہو گی اور اسلام کا بول بالا ہو گا اور اہالیانِ لاہور نے اس

ملک کی تعمیر میں جتنی قربانیاں دی ہیں، ہم اس کے مشکور ہیں۔ پاکستان، اہالیانِ لاہور کا اور ہم سب کا ورثہ ہے۔ اس ملک کی تعمیر میں اور پھر اس کے دفاع کی کوششوں میں اہالیانِ لاہور کا بڑا ہاتھ ہے۔ اس لئے میں توقع کروں گا کہ ہم پاکستان کو مضبوط تر بنانے کے لئے جدوجہد کرتے رہیں گے۔ یہ صرف اِسی طرح ہو سکتا ہے کہ ہم سچے مسلمان بن جائیں اور اپنے اعمال و کردار کو اسلامی رنگ میں ڈھال لیں، محنت کریں، اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں اور پھر اللہ تعالیٰ سے اُس کے فضل و کرم کی دعائیں مانگیں۔ مجھے امید ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں اتنا نوازے گا کہ آپ دیکھیں گے کہ معجزے رونما ہونے لگے ہیں۔ اِن الفاظ کے ساتھ ہی میں جناب شجاع الرحمن صاحب کی تجویز جو لاہور کو میٹروپولیٹن کارپوریشن کا درجہ دینے کے بارے میں ہے، اُس پر کوئی حکم صادر نہیں کرنا چاہتا، بلکہ یہ سمجھتا ہوں کہ اگر ڈسٹرکٹ لاہور، میونسپل کارپوریشن کے ارکان، اہالیانِ لاہور اور حکومتِ پنجاب اس تجویز کے حق میں ہے تو وفاقی حکومت کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے اپنی گزارشات پیش کرنے کا موقع فراہم کیا۔ اب جو وقت آپ کے پاس موجود ہے، آپ اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں تاکہ ہم باہمی صلاح مشورے سے اُن حالات کا جائزہ لے سکیں جو پاکستان کو اس وقت درپیش ہیں اور یہ دیکھ سکیں کہ ہم اندرونی طور پر کس طرح متّحد اور ایک دوسرے کے معاون ہو سکتے ہیں اور وفاقی حکومت کس طرح سے عمومی طور پر پنجاب اور خصوصی طور پر لاہور کی ترقی و خوش حالی کے لئے بہتر اقدام کر سکتی ہے۔

پاکستان پائندہ باد

اٹک میں میلہ مویشیاں کے موقع پر عوام سے خطاب

اٹک : ۱۰ اپریل، ۱۹۸۰ء

صدرِ پاکستان، جنرل محمد ضیاء الحق نے اٹک کے میلہ مویشیاں میں دھنّی اور ساہیوال کے خوبصورت جانور دیکھے اور نیزہ بازی اور گھڑ سواری کے مقابلے بھی دیکھے۔ پنجاب کے گورنر، لیفٹیننٹ جنرل سوار خان بھی ان کے ہمراہ تھے۔ تقسیمِ انعامات کی تقریب میں ضلع کونسل اٹک کے چیئرمین میجر (ریٹائرڈ) محمد اکبر نے سپاسنامہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ لوکل باڈیز کے قیام سے ملک میں تعمیر و ترقی کا ایک نیا دور شروع ہوا ہے۔ صدرِ پاکستان نے تقسیمِ انعامات کے بعد اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے بلدیاتی جمہوری نظام کی وضاحت کی۔ انہوں نے اعلان کیا کہ اٹک کو عنقریب نیشنل ڈائیلنگ سسٹم سے ملا دیا جائے گا۔ صدرِ پاکستان نے حضرو میں ایک انٹر کالج قائم کرنے کا بھی اعلان کیا۔ اٹک میں بیت المال کے قیام کے لئے زکوٰۃ فنڈ سے پانچ لاکھ روپے کا عطیہ دیا اور میلے میں تقسیم انعامات کے لئے ایک لاکھ روپے دیئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین

جناب گورنر پنجاب، جنرل سوار خان صاحب،
ضلع کونسل اٹک کے چیئرمین، حاجی محمد اکبر خان صاحب،
معزز خواتین و حضرات،
اہلِ ضلع اٹک!
السلام علیکم۔ میں جناب حاجی محمد اکبر صاحب کا بہت مشکور ہوں کہ اُن کی وساطت سے آج مجھے نہ صرف یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ میں اٹک کے میلہ مویشیاں میں ضلع اٹک کے مہمان گھڑ سواروں کی مہارت دیکھوں، بلکہ نہایت خوبصورت مویشی بھی دیکھ سکوں۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی ہے کہ آپ نے اپنے ضلع کی شہرت کے مطابق اس میلے کا بندوبست کیا ہے۔ میں جناب اکبر صاحب، اُن کے رفقاء، اراکینِ بلدیہ اور ضلع کونسل کے کونسلروں اور اہلِ اٹک کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے خوش اسلوبی سے ایک نہایت اہم

تقریب کا اہتمام کیا ہے۔

قوموں کی زندگی میں ثقافت کا حصّہ بڑا اہم ہوتا ہے۔ ثقافت کا ایک حصّہ کھیل بھی ہے۔ جن ضلعوں نے، جن علاقوں نے اچھے شہسوار پیدا کئے ہیں، مجھے امید ہے کہ وہ اچھے شہری بھی پیدا کریں گے، اچھے پاکستانی بھی پیدا کریں گے اور اچھے مسلمان بھی پیدا کریں گے۔ آج کل میں نے جو اضلاع کا دورہ شروع کیا ہے، اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ میں عوام کے نمائندوں سے ملاقات کروں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے اور جناب اکبر صاحب کی محنت کا نتیجہ ہے کہ مجھے نہ صرف کونسلر حضرات سے بلکہ اہالیانِ اٹک سے بھی خطاب کرنے کا یہ موقع ملا ہے۔

آج کی تقریب میں مَیں نے نہ صرف اچھّے مویشی دیکھے، نہ صرف اچھّے گھڑسوار دیکھے بلکہ یہ دیکھ کر اور سن کر بڑی خوشی ہوئی ہے کہ اٹک کے علاقے میں بسنے والے صحیح معنوں میں اچھے مسلمان اور پاکستانی ہیں۔ آپ کا جذبۂ حب الوطنی اور جذبۂ ایمان دیکھ کر میں بہت متاثر ہوا ہوں۔ انشاءاللہ اپنے دورے کے دوران جب دوسرے علاقوں میں جاؤں گا تو اُن سے ضرور ذکر کروں گا کہ اگر جذبۂ ایمان، جذبۂ حب الوطنی اور بندوبست کا سلیقہ دیکھنا ہے تو اس علاقے کی طرف دیکھئے جس کو ہم پسماندہ کہتے ہیں، یعنی علاقہ اٹک۔

آج کل ملک کو جس آزمائش سے گزرنا پڑ رہا ہے، اس کے پیشِ نظر ہم سب کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ ہم اپنے مقام، اپنے ہدف اور اپنے نظریۂ حیات کا صحیح تعین کر لیں۔ نظریۂ پاکستان کے متعلق مجھے یقین ہے کہ کسی کو کوئی شک و شبہ نہیں۔ پاکستان اسلام کے لئے بنا ہے، انشاء اللہ اسلام کے لئے قائم رہے گا۔ یہ

صحیح معنوں میں اسلام کا قلعہ ہے۔ اسلام وہ دین ہے جو تمام آنے والی نسلوں کے لئے قائم و دائم رہے گا، جس میں اتنی وسعت ہے کہ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ دنیا میں اُن کے بنائے ہوئے اصولوں، اللہ تعالیٰ کی ہدایات اور قرآن کریم کی روح کے مطابق انشاء اللہ تا قیامت قائم رہے گا! اور پاکستان جب تک اس نظریے پر قائم ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمیشہ ترقّی کرے گا۔

اسلام ایک امن پسند دین ہے۔ یہ وہ دین ہے جو آپ کو عزمِ آزادی سکھاتا ہے۔ یہ وہ دین ہے جو آپ کو آپس میں بھائی چارے کا سبق دیتا ہے۔ یہ وہ دین ہے جو کہتا ہے کہ اگر حق کی خاطر جان کی بازی بھی لگانی پڑے تو اس سے بھی آپ نہ کترایئے۔ یہ وہ دین ہے جو یہ کہتا ہے کہ اس کے سائے میں بسنے والی تمام قومیں امن سے رہیں، خواہ وہ اقلیت کے ساتھ تعلق رکھتی ہوں۔ اقلیتوں کے ساتھ بھی وہی سلوک ہونا چاہیئے جو ایک مسلمان کے ساتھ ہو۔ مجھے پختہ یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم رہا اور نظریۂ پاکستان پر یقین قائم رہا تو انشاء اللہ تعالیٰ ہمارے اس ملک کی ترقی کے آگے کوئی چیز حائل نہیں ہو سکتی۔ اگر ہمارا آپس میں اتفاق رہا تو مجھے یقینِ کامل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ ملک ہمیشہ ترقی کرے گا۔ اس کی طرف کوئی شخص بُری نظر سے نہیں دیکھ سکے گا۔ آج کل پاکستان ایک نہایت نازک اور اہم دور سے گزر رہا ہے اور اس دور میں مَیں بطور ایک پاکستانی، بطور آپ کے خادم اور بطور سربراہ مملکت یہ اعلان کرتا آرہا ہوں کہ اس موقع پر ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی رسی پکڑنی ہے، کسی کے آگے دامن نہیں پھیلانا ہے، ہم نے اپنا سر کسی کے سامنے جھکانا نہیں ہے۔ یہ سر صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک سکتا ہے۔

اہل اٹک کا جذبہ دیکھ کر میرا خون آج کم از کم ایک سیر بڑھ گیا ہے۔ ایسے موقعوں پر میں چند ایک باتوں کی نصیحت بھی کرتا ہوں اور بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کو دُہرانا پڑتا ہے۔

پاکستان کی معیشت میں زراعت ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے، چند دن ہوئے میں نے لاہور میں ذکر کیا تھا کہ ہم زراعت میں انقلاب لانا چاہتے ہیں۔ ایسا انقلاب جس سے پاکستان کے عوام کو نہ صرف روزی مہیّا ہو، نہ صرف ان کے لئے غلّہ مہیا کیا جائے بلکہ ہم اپنے پڑوسی ممالک، اپنے مسلم برادری کے ممالک کی خدمت کے لئے ان کی ضروریات کا غلّہ بھی پیدا کر سکیں۔ اتنا غلّہ پیدا کرنے کے لئے محنت کی ضرورت ہے۔ محنت کے بغیر قومیں نہیں بنتیں۔ قومیں اس وقت تک اپنے پاؤں پر کھڑی نہیں ہو سکتیں جب تک وہ محنت نہ کریں۔ ہمیں یہ عزم کرنا چاہئے کہ پاکستان کی بقا کے لئے، پاکستان کی سالمیت کے لئے، پاکستان کی آزادی کے لئے ہم سخت محنت کریں گے۔ محنت کے لئے ایک جذبہ چاہئے۔ اس جذبے کا پیدا کرنا دین کا کام ہے۔ پاکستان کے لئے جو دینِ کامل ہے وہ دینِ محمدّی ہے، دینِ اسلام ہے اور اس کے اصولوں پر ہمیں قائم و دائم رہنا ہوگا۔

اس کے ساتھ ساتھ میں دو تین اور باتوں کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہیں کہ محنت اپنی جگہ اہم ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر کوئی مسلمان جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، خدائے بزرگ و برتر کے احکامات پر عمل کرتا ہے، اگر وہ تھوڑی محنت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کے نتیجے کو اور زیادہ بہتر بنا دیتا ہے۔ اس لئے میں آپ سے درخواست کروں گا کہ صحیح معنوں میں ہمیں ہمّت اور محنت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی بھی

امید رکھنی چاہئے۔ میں اپنے یقین اور ایمان کے ساتھ آپ کے سامنے یہ ذکر کر رہا ہوں کہ اس اڑھائی سال کے عرصے میں، اور میرا ۳۵ سال کا تجربہ ہے، لیکن خاص طور پر گزشتہ اڑھائی تین سال کے اندر میں نے دیکھا ہے کہ اگر قوم نے اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مانگی ہے تو اللہ تعالیٰ نے وہ عطا کی ہے۔ ہم نے غلطیاں بھی کی ہیں، لیکن یہ اس کا فضل و کرم ہے کہ اس نے ہمیں صحیح راستے پر ڈالا۔ یہ اس کا فضل و کرم ہے کہ اس نے ہمیں اس قابل بنایا کہ ہم قوم و ملک کے لئے صحیح فیصلے کر سکیں۔ قوموں اور لوگوں کی زندگی میں وہ اشخاص بہت بڑا کردار ادا کرتے ہیں جو صحیح معنوں میں ان کے نمائندے ہوتے ہیں۔

آج سے کچھ عرصہ پہلے ہم نے اس ملک کو صحیح راستے پر چلانے کے لئے، اسلام کے نظریے کے مطابق، آپ عوام سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنے نمائندے چنیں۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی ہے کہ جو نمائندے ضلع اٹک اور بلدیہ اٹک کے لئے چنے گئے ہیں، وہ صحیح معنوں میں آپ کے نمائندے ہیں۔ اُن سے میں اور آپ صحیح معنوں میں توقع کر سکتے ہیں کہ وہ قوم و ملک کی خدمت کریں، صحیح قیادت کا عملی مظاہرہ کریں اور اچھا کردار پیدا کر کے لوگوں کے سامنے مثال قائم کریں۔ مجھے امید ہے کہ ضلع اٹک انشاء اللہ اس سلسلے میں بھی قیادت کا مقام حاصل کرے گا۔

جہاں تک آپ کے مسائل کا تعلق ہے، مجھے معلوم ہے کہ پاکستان میں ہر جگہ بہت سے مسائل ہیں، لیکن ہمارے وسائل محدود ہیں اِس لئے ہمیں آہستہ آہستہ آگے بڑھنا ہو گا۔ محنت کے باعث اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جس طرح وسائل میں اضافہ ہو گا اسی طرح مسائل میں کمی ہو گی۔ لیکن میں اپنی طرف سے آپ کے سامنے چند اعلانات کرنا چاہتا ہوں۔ ضلع اٹک کے بیت المال کے لئے پانچ لاکھ روپے

کے زکوٰۃ فنڈ کا اعلان کرتا ہوں۔ یہ رقم چونکہ زکوٰۃ فنڈ کی رقم ہے، اس لئے مجھے امید ہے کہ اس کا مصرف صرف وہی ہوگا جس پر زکوٰۃ خرچ کی جاسکتی ہے۔ میں توقع کروں گا کہ یہ ضلع اٹک کے ایسے لوگوں پر خرچ کی جائے گی جن کو روزی کے سلسلے میں مدد کی ضرورت ہے، جن کو تعلیم میں مدد دی جاسکتی ہے یا وہ لوگ جو کسی وجہ سے معذور ہیں۔ یہ رقم ان پر خرچ کی جائے گی۔

جناب اکبر صاحب نے اپنی تقریر میں چند ایک چیزوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ میں انہیں یقین دلاتا ہوں اور آپ کو بھی یقین دلاتا ہوں کہ وفاقی حکومت کے جتنے وسائل ہیں، ان کو انشاء اللہ تعالیٰ بروئے کار لاکر آپ کی مشکلات کو حل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اس میلے میں حصّہ لینے والے بعض حضرات کو میں نے دیکھا ہے اور بعض کو نہیں دیکھا ہے، لیکن اُن کے لئے میں نے ایک خصوصی انعام رکھا ہے تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہو۔ اُن میں سے بعض حضرات ایسے بھی ہیں جن کو شاید مالی امداد کی ضرورت نہیں۔ آج کی تقریب میں جن لوگوں نے اہم کردار ادا کیا ہے، میں ڈسٹرکٹ کونسل اور اس کے چیئرمین سے درخواست کروں گا کہ وہ وفاقی حکومت کی طرف سے ایک لاکھ روپے کے نقد انعامات اُن لوگوں میں تقسیم کریں جن کو حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے۔

ضلع اٹک ایک بارانی علاقہ ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے کہ زراعت کی طرف ہماری پوری توجہ ہے، لیکن زراعت کے ساتھ ساتھ ہمیں دو تین اور شعبوں کی طرف بھی توجہ دینی ہے۔ اُن میں سب سے پہلا شعبہ تعلیم ہے۔ تعلیم کی اس وقت اشد ضرورت ہے۔ تعلیم کے لئے ہمیں مسجد کو مکتب بنانا ہے۔

اور ہر آدمی کو یہ کوشش کرنی ہے کہ اُس کے دائرۂ اختیار میں، اس کے حلقۂ اختیار میں، اس کے اہلِ خاندان میں، اس کے محلے میں، اس کے ڈسٹرکٹ کونسل میں، اس کی بلدیہ میں کوئی آدمی ایسا نہ ہو جو تعلیم سے بہرہ ور نہ ہو۔ تعلیمی میدان میں جس قسم کی بھی مدد وفاقی حکومت دے سکتی ہے، وہ ہم انشاء اللہ ضرور مہیّا کریں گے۔ جناب اکبر صاحب نے اپنی تقریر میں پولی ٹیکنک کا ذکر کیا ہے۔ یہاں توپ خانہ سینٹر میں ایک چھوٹا سا مرکز ہے۔ میں اس کے لئے اتنی مالی امداد مہیا کروں گا کہ اس مرکز کو وسعت دے کر نہ صرف فوجی دائرۂ کار میں اس کی افادیت بڑھائی جائے بلکہ اٹک کے بچوّں اور جوانوں کے لئے یہ ایک ایسا مثالی پولی ٹیکنک ادارہ بن جائے جس میں وہ اپنی فنی تعلیم حاصل کر سکیں۔

جہاں مَیں تعلیم کا ذکر کرتا ہوں، مجھے معلوم ہے کہ وفاقی اور صوبائی حکومت کے فی الحال اتنے وسائل نہیں ہیں کہ ہم فوراً تمام سکول بنا دیں، لڑکیوں کے لئے اور لڑکوں کے لئے کالج بنا دیں، لیکن پڑھنے پڑھانے کے لئے ہر جگہ ایک دار المطالعہ کی ضرورت محسوس کی گئی ہے۔ میں اٹک کے ضلع ہیڈ کوارٹر میں انشاء اللہ ایک ایسی لائبریری بنانے کا بندوبست کروں گا جس میں نہ صرف مذہبی، دینی کتابیں ہوں بلکہ جدید کتب بھی رکھی جائیں تاکہ پڑھنے والے لوگوں کی پیاس بجھانے کا مرکز بن سکے۔

ہسپتال کے لئے انشاء اللہ آپ کو پوری مدد دی جائے گی۔

حضرو میں انٹر کالج قائم کرنے کا میں اعلان کرتا ہوں اور باقی ضروریات آہستہ آہستہ حکومت کے وسائل کے مطابق پوری کی جائیں گی۔ انشاء اللہ سڑکوں کی طرف بھی توجہ دی جائے گی، بجلی کی طرف بھی توجہ دی جائے گی، گیس بھی یہاں پر آئے گی اور اس کے ساتھ ساتھ آج کل کے موجودہ زمانے کے

مطابق جتنی بھی زندگی کی اور ضروریات ہوں گی، انشاءاللہ آپ دیکھیں گے کہ وفاقی اور صوبائی حکومتوں کی طرف سے آپ کی اعانت اور مدد کے ساتھ اور آپ کے ساتھ شانہ بشانہ چلتے ہوئے پوری کی جائیں گی۔

آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ اٹک کو نیشنل ڈائیلنگ کے ساتھ ملانے کے لئے ضروری اقدامات کر لئے گئے ہیں۔ عنقریب یہ منصوبہ مکمّل ہو جائے گا۔

آخر میں آپ حضرات کا دوبارہ شکریہ ادا کرنے سے پہلے مَیں صرف یہ بتا دینا چاہتا ہوں، خواہ آپ یہ سمجھیں مَیں اس کو دہرا رہا ہوں کہ پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے اور نظریاتی ملک اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک اس کے سامنے اپنا نظریہ ہو۔ میں آپ سے دوبارہ درخواست کروں گا کہ آپ پاکستان کے نظریۂ اسلام کو ہر وقت سامنے رکھئے۔ اللہ تعالیٰ نے جو احکامات دیئے ہیں ان کی طرف پوری توجہ دیں، خوب محنت سے کام کریں اور پھر اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا مانگیں تو مجھے پوری امید ہے کہ انشاءاللہ تعالیٰ پاکستان، پاکستان رہے گا۔ یہاں کے بسنے والے انشاءاللہ تعالیٰ پاکستان کو نہ صرف ایک مثالی ملک بنائیں گے بلکہ دنیا کے دوسرے ممالک آپ کی مثال دیں گے کہ پاکستان کے لوگوں کا نظریہ دیکھئے، ان کا ایمان دیکھئے، ان کی محنت، ان کی ترقی دیکھئے۔

ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ہم کسی ملک کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی نہیں کرنا چاہتے، اسی طرح ہم بھی کسی ملک کو یہ اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ ہمارے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کرے۔ پاکستان اسلام کا قلعہ ہے۔ اس ملک میں نہ صرف مسلمانوں کو آزادی مہیا ہے بلکہ تمام اقلیتوں کو بھی وہی آزادی حاصل ہے جو ایک عام پاکستانی مسلمان شہری کو حاصل ہے، لیکن

اس کے ساتھ ساتھ میں آپ کے اس جذبے کی تعریف کرتا ہوں جس کے تحت آپ نے افغان مہاجرین کے امدادی فنڈ میں دل کھول کر آج چندہ دیا ہے اور اس سے پہلے بھی دیتے رہے ہیں۔ افغان مہاجرین کی ہم اپنے جذبۂ اسلام کے ساتھ خدمت کر رہے ہیں۔ ہم بطور انصار اپنے ان مسلمان مہاجرین کی خدمت کر رہے ہیں جن کو اپنے ملک سے اسلام کی خاطر نکلنا پڑا۔ ان کا وہاں رہنا محال ہو گیا تھا۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ جب تک وہ ہماری سرزمین پر رہیں، ہم صحیح معنوں میں انصار کے جذبے کے تحت اُن کی امداد کریں جس طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں انصار نے مہاجرین کی خدمت کی تھی، اسی طریقے سے آج میرا اور آپ کا فرض ہے کہ اُن کی خدمت کریں۔ مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ اگر یہ قوم متّحد رہی، اگر اس قوم نے اپنے نظریے پر صحیح طریقے سے عمل کیا، اللہ تعالیٰ کے فضل کی طرف رجوع کیا، محنت سے کام کیا، تعلیم حاصل کی، آپس میں اتّفاق رکھا تو جس طریقے سے آج آپ نے اٹک میں مویشیوں کے میلے میں نظم و ضبط اور اعلیٰ قسم کی تنظیم کا مظاہرہ دیکھا، پاکستان کے تمام لوگ انشاء اللہ اسی طریقے سے اجتماعی طور پر بھی نمونہ پیش کریں گے۔

پاکستان پائندہ باد

سندھ میڈیکل کالج کے جلسۂ تقسیم اسناد کے موقع پر خطاب

کراچی: ۱۴ اپریل، ۱۹۸۰ء

سندھ میڈیکل کالج کا پہلا کانووکیشن اپریل ۱۹۸۰ء میں کراچی میں منعقد ہوا۔ صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے اسناد تقسیم کرنے کے بعد طلبا سے خطاب کیا۔ اجلاس میں گورنر سندھ لیفٹیننٹ جنرل ایس ایم عباسی اور کراچی یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی شریک ہوئے۔ یہ تقریب جناح پوسٹ گریجویٹ میڈیکل سینٹر میں منعقد ہوئی۔

صدرِ پاکستان نے فارغ التحصیل ڈاکٹروں کو نصیحت کی کہ وہ غریب علاقوں اور غریب طبقوں کی خدمت کو بھی اپنا شعار بنائیں۔ انہوں نے کہا اسلامی تصور کے مطابق طب پیسہ کمانے کا ہی نہیں خدمتِ خلق کا بھی اہم ذریعہ ہے۔ صدرِ پاکستان نے کالج کے لئے بہت سی مراعات کا بھی اعلان کیا جن میں طلبا و طالبات کے لئے ہوسٹل کا قیام، اس دوران میں طلبا اور اساتذہ کی رہائش کے لئے پانچ لاکھ روپے کی رقم، لائبریری کے لئے پانچ لاکھ روپے، صوتی و بصری آلاتِ تعلیم کا عطیہ اور غریب طلبا کو بلا سود قرض دینے کے لئے ایک لاکھ روپے کے عطیات شامل تھے۔ صدرِ پاکستان نے کالج کے پرنسپل کے جذبۂ ایثار کی بھی تعریف کی کہ انہوں نے محض خدمت کے جذبے سے یہ عہدہ قبول کیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ۔

جناب گورنر صوبۂ سندھ، جنرل ایس، ایم، عباسی صاحب،
وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی، پروفیسر ترمذی صاحب،
سندھ میڈیکل کالج کے پرنسپل، ڈاکٹر کشف الدجیٰ صاحب،
سندھ میڈیکل کی سٹوڈنٹ یونین کے پریذیڈنٹ،
اساتذۂ کرام، عزیز طلبا و طالبات،
خواتین و حضرات!

السّلام علیکم۔ میری آج کی تقریر بھی میری باقی تقریروں کی طرح پند و نصائح پر مبنی ہے نصیحت آپ کو میں ضرور سناؤں گا خواہ آپ سُنیں یا نہ سُنیں۔ جس چیز کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہر ملک، ہر قوم اور ہر ادارے کی اپنی روایات ہوتی ہیں۔ آج آپ سندھ میڈیکل کالج کی ایک روایت پیدا کر رہے ہیں کیونکہ یہ آپ کا پہلا کانووکیشن ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ اس ادارے میں

بہت سے نامور اساتذہ اور نامور ڈاکٹر موجود ہیں اور ان کو کانووکیشن کی تقریب سے کوئی لاعلمی نہیں ہے۔ دوسرے ہمارے ہاں بعض چیزوں میں کچھ تضاد پایا جاتا ہے تو اس لئے ہمارے ذہن میں بالکل صحیح خاکے اور صحیح قسم کے افکار پیدا ہونے چاہئیں۔ میں ابھی اپنی تقریر پہ نہیں آیا ہوں، مَیں ابھی آپ کو ایک چھوٹا سا لیکچر دے رہا ہوں کہ روایت کیسے قائم کی جاتی ہے۔ اس قسم کی تقریبات کوئی افسوس کی محفلیں نہیں ہوتیں بلکہ یہ تو ایک درخشندہ اور نہایت خوش و خرّم ماحول میں ہونی چاہئیں۔ اس میں سنجیدگی کا پہلو یہ ہے کہ سامعین، طلبا و طالبات اطمینان سے کہنے والے کی بات سُنیں اور انعامات کے موقع پر صحیح معنی میں داد و تحسین دیں۔ اب ہمارے ہاں ایک تضاد یہ پایا گیا ہے کہ جناب تالی بجانا غیر اسلامی ہے اور یہ ٹوپی پہننا اسلامی ہے، تو میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے ہاں تضاد نہیں ہونا چاہئے۔ اگر ایک چیز کو ہم اپنانا چاہیں تو ہم اُس کو صحیح معنوں میں اپنا بھی سکتے ہیں۔ اگر کسی چیز کو اپنی روایات سے خارج کرنا چاہیں تو خارج بھی کر سکتے ہیں۔ اس لئے میں آپ سے یہ عرض کروں گا کہ جہاں آج کانووکیشن پر تقسیم اسناد اور تقسیم انعامات کے موقع پر صحیح معنوں میں نظم و ضبط اس طریقے سے اپنائیں کہ باہر بہت سی جو پولیس نظر آ رہی ہے اس کا وجود نہ ہو اور طلبا میں اتنا اتحاد، تنظیم اور نظم و ضبط ہو کہ دیکھنے والے حضرات اس پر رشک کریں۔ جس وقت تقسیمِ انعامات ہو رہی ہو اُس وقت زور سے تالی بجائیں کیونکہ ہمارے ہاں یہی ایک داد و تحسین کا طریقہ ہے۔ یا پھر آپ کوئی دوسرا مشرقی طریقہ اپنائیں کہ عربی الفاظ میں اتنے زور سے مرحبا کہیں، اللہ اکبر کہیں کہ شامیانہ اڑ جائے یا پھر اگر آپ اس طرف نہیں جانا چاہتے تو پھر تالی بجائیے۔ دونوں میں سے ایک چیز تو کیجئے آپ، ورنہ اتنے طلبا اور اتنی طالبات نے اتنی اچھی پوزیشنیں لی ہیں،

اتنے اچھے انعامات حاصل کئے ہیں، وہ کیا کہیں گے، ہم ایک ایسی محفل میں گئے جہاں لوگوں کو اتنی بھی تمیز نہیں تھی کہ ایک بچے نے تین میڈل لئے ہیں اور ایک بچی نے اتنے انعامات لئے ہیں اور لوگ خاموشی سے اُن کی شکلیں دیکھتے رہے تو اگلا جو کانووکیشن ہو گا، اس میں جو موجودہ طالب علم ہیں، جو آج فارغ التحصیل ہو رہے ہیں، وہ یہاں نہیں ہوں گے۔ آپ میں سے بعض اشخاص یہاں ہوں گے، بعض انعام لینے والے ہوں گے، بعض اساتذہ کے رتبے پر پہنچے ہوئے ہوں گے۔ اس لئے ایسے موقعوں پر، خاص طور پر ان اداروں میں جن کی زندگی ابھی ابتدائی مراحل میں ہے، انہیں چاہئے کہ اپنی روایات صحیح طریقے پر قائم کریں۔ ان روایات کے اندر اگر اسلامی پہلو ہو تو فبہا، مرحبا، یہ قابلِ فخر چیز ہو گی، لیکن کچھ تو کیجئے آپ۔ اس لئے میں آپ سے یہ گزارش کروں گا کہ سندھ میڈیکل کالج، جس نے اتنے اچھے نتائج پیدا کئے ہیں، اس کے طلبا وطالبات اس قسم کی تقاریب کے لئے ایسی روایات قائم کریں جن پر آنے والے لوگ جانے والے لوگوں پر فخر محسوس کر سکیں۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اپنے پہلے جلسۂ تقسیمِ اسناد کی اس باوقار تقریب میں مجھے مدعو کر کے میری عزت افزائی کی۔ میڈیکل کالجوں کی ان تقریبات میں میری شرکت کا ایک خاص مقصد یہ ہے کہ فارغ التحصیل اور زیرِ تربیت ڈاکٹروں سے براہِ راست بات کر کے انہیں معاشرے کے حقوق اور حکومت کی پالیسیوں Policies سے آگاہ کیا جائے، اس کے ساتھ ساتھ ان کی مشکلات کا جائزہ لے کر انہیں حل کرنے کی کوشش کی جائے۔ فی الحال ہم پند و نصائح کی طرف آتے ہیں۔ جب آپ کی مشکلات کا ذکر آئے گا تو میں ان کے بارے میں بھی آپ کو بتاؤں گا۔

میں اپنی تقریر کے بنیادی متن کی طرف آنے سے پہلے ان طلبا اور طالبات

کو مبارک باد دیتا ہوں جنہوں نے طویل محنت کے بعد ڈاکٹر بننے کا اعزاز حاصل کیا۔ میری اس تحسین اور مبارک باد کے خصوصی مستحق وہ طالب علم ہیں جنہوں نے امتحانات میں امتیازی حیثیت حاصل کی اور آج انعامات پائے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو عملی زندگی میں بھی اسی طرح کامیاب اور کامران کرے۔

معزز حاضرین!

تقسیمِ اسناد کے جلسوں میں عام طور پر تعلیم کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ کہا جاتا ہے کہ تعلیم کا بنیادی مقصد معاشرے کے لئے مفید اور ذمہ دار افراد پیدا کرنا ہے جو اپنی جگہ درست ہے، لیکن پاکستان جیسے نظریاتی ملک میں تعلیم کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ یہاں تعلیم برائے تعلیم نہیں بلکہ تعلیم ایک اعلیٰ مقصد کے تابع ہے اور اس اعلیٰ تر مقصد کا تعین اس ملک کا نظریہ کرتا ہے۔ ہمارے ہاں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ ہمارا بنیادی نظریہ کیا ہے اور یہ نظریہ تعلیم کے مقاصد متعین کرتا ہے۔ ہمارا نظریۂ حیات نظریۂ اسلام ہے اور صرف نظریۂ اسلام — اور یہ ایسا مکمل ضابطۂ حیات ہے جس کے ہوتے ہوئے نہ تو کسی اور نظریۂ حیات کی ضرورت باقی رہتی ہے اور نہ ہی اس میں کسی دوسرے نظریے کی پیوند کاری کی گنجائش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے قومی تعلیمی پالیسی کی بنیاد صرف اسلام اور نظریۂ پاکستان پر رکھی ہے۔

میں سابقہ حکومتوں پر الزام دھرنا نہیں چاہتا، لیکن ایک پاکستانی شہری کی حیثیت سے محسوس کرتا ہوں کہ ہمیں قیامِ پاکستان کے فوراً بعد اسلام پر مبنی نظامِ تعلیم جاری کر دینا چاہئے تھا کیونکہ نظامِ تعلیم سے جو نسل تیار ہوتی ہے اس پر ملک و قوم کے مستقبل کا دار و مدار ہوتا ہے۔

یعنی اگر آئندہ نسل کی تعلیم و تربیت صحیح خطوط پر کی جائے تو ملک کا مستقبل محفوظ اور مستحکم ہو جاتا ہے اور اگر غلط اقدار پر نئی نسل کی پرورش کی جائے تو ملک کی بنیادیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ ہمارے نظامِ تعلیم کی چند بنیادی خامیوں کے باوجود ہماری طلبا برادری ملک و قوم کے مفاد کو اچھی طرح سمجھتی ہے اور اسے پورا کرنے کے لئے سرگرمِ عمل رہتی ہے۔ البتہ بعض جگہوں پر بے راہ روی کے جو آثار نظر آتے ہیں، وہ اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ کہیں نہ کہیں ہم سے ان کی صحیح تربیت میں کوتاہی ہوئی ہے۔ ان بے راہ عناصر کی تعداد نسبتاً بہت کم ہے اور مجھے یقین ہے کہ محبِ وطن اور ذمہ دار طلبا ان عناصر کو ان کے ناپاک عزائم میں کبھی کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

میں نے ابھی جو کچھ کہا ہے، اس کا تعلق ساری طالب علم برادری سے ہے، لیکن اب میں جو کچھ عرض کرنے والا ہوں اس کا زیادہ تر اطلاق ڈاکٹری جیسے فنی اور پیشہ ورانہ شعبے پر ہوتا ہے اور وہ بات یہ ہے کہ معاشرے کی ترقی اور خوشحالی، بلکہ خود اس کی بقا کا انحصار اس بات پر ہے کہ اس کے ارکان اپنی معاشرتی ذمہ داریاں کہاں تک پوری کرتے ہیں؟ کیا ہم معاشرے سے لیتے زیادہ ہیں اور دیتے کم ہیں؟ کیا ہماری توقع ہمیشہ یہی ہوتی ہے کہ معاشرہ یا ملک یا حکومت ہمیں کیا سہولتیں فراہم کرتی ہے اور ہم ہرگز یہ نہیں سوچتے کہ ہم معاشرے کے لئے، قوم کے لئے، ملک کے لئے کیا کر رہے ہیں؟

اس طرف آپ کی توجہ مبذول کرانے کی وجہ یہ ہے کہ آج میں ایسے پیشے کا ذکر کر رہا ہوں جس پر معاشرہ بھاری رقم خرچ کرتا ہے۔ ایک بہت محتاط اندازے کے مطابق ایک ڈاکٹر بنانے پر حکومت تقریباً سوا لاکھ روپے خرچ کرتی ہے۔ اگر

سالانہ چار ہزار ڈاکٹر بنیں تو اس تخمینے کے مطابق ملک ان پر ہر سال پچاس کروڑ روپے خرچ کرتا ہے۔ اگر یہ چار ہزار کے چار ہزار ڈاکٹر ڈگری جیب میں ڈالتے ہیں اور ڈالتے ہی کسی ایسے ملک کا رُخ کرنا چاہیں جہاں آمدنی کے امکانات نسبتاً زیادہ ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان طالب علموں نے ایم بی بی ایس کی ڈگری تو حاصل کر لی، لیکن ان میں ایک اچھے انسان اور ایک اچھے شہری کا شعور پیدا نہیں ہو سکا۔ یہی شعور پیدا کرنا ایک کامیاب نظامِ تعلیم کا اوّلین مقصد ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں آپ کو باہر جانے سے روک رہا ہوں، ہرگز نہیں۔ اگر آپ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اُسے حاصل کرنے کے لئے آپ کے پاس ذرائع ہیں تو ضرور جائیے تاکہ آپ کی اہلیت میں اور اضافہ ہو۔ اگر آپ باہر کچھ پیسے کمانے کے لئے جانا چاہتے ہیں، بڑے شوق سے جائیے، لیکن میں آپ سے یہ بھی عرض کروں گا کہ ملک و قوم کی خدمت کو ضرور پیشِ نظر رکھیں۔

اگر آپ روپے پیسے کے خیال سے بالاتر ہو کر سوچئے تو آپ کی ذمہ داریاں اور بھی عظیم نظر آنے لگتی ہیں۔ والدین جس بچے کی پرورش کرتے ہیں اور اسے تعلیم دلواتے ہیں، ان کا صرف یہی حق نہیں ہوتا کہ بچہ بڑا ہو کر ان کی لگائی ہوئی رقم اُنہیں لوٹا دے بلکہ ان کا یہ بھی حق ہوتا ہے کہ وہ اپنے فرائض کا احساس کرتے ہوئے ان کی خدمت بجالانے کی کوشش کرے۔ معاشرہ، ماں باپ کی حیثیت رکھتا ہے جو بڑی مشکلوں کے ساتھ اپنے بچوں کی پرورش کرتا ہے۔ بچوں کا یہ فرض ہے کہ وہ جوان ہو کر نہ صرف اس کے مالی حقوق پورے کریں بلکہ ہر لحاظ سے اس کی خدمت بھی بجا لائیں۔

ہمارے ہاں معاشرے کی بجائے اپنی درس گاہ سے تعلق کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے اور جگہ جگہ Alma Matter Old Boys Association , Alumni Association

جیسی اصطلاحات سننے میں آتی ہیں جو نہایت خوش آئند ہیں۔ اس تعلق کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے میں نے پچھلے دو تین میڈیکل کالجوں میں یہ کہا تھا اور آج پھر یہاں اسے دہرانا چاہتا ہوں کہ اگر میڈیکل کالج کا فارغ التحصیل ہر لڑکا اور ہر لڑکی اپنی مادرِ علمی کو صرف ایک بار ایک ہزار روپے ادا کر دیں تو چند سال میں اس کالج کے پاس اتنی رقم جمع ہو جائے گی کہ وہ اپنی ضروریات خاطر خواہ طریقے سے پوری کر سکے گا۔

میری خواہش ہے کہ آپ اپنی درس گاہ سے اپنے اس دلی لگاؤ کو اتنی وسعت دیں کہ پورا معاشرہ اور اس کی ضروریات آپ کے پیشِ نظر رہیں۔ اس معاشرے میں، جس نے آپ کو تعلیم و تربیت کی سہولتیں مہیا کی ہیں، کم و بیش آٹھ کروڑ انسان بستے ہیں جن کی بھاری اکثریت پسماندہ دیہاتوں یا گندے شہری محلّوں میں رہتی ہے، جہاں غربت اور غلاظت کی وجہ سے بیماریاں زیادہ پھیلتی ہیں۔ اس کے برعکس ان علاقوں میں طبّی سہولتیں مقابلتاً ناکافی ہوتی ہیں کیونکہ سندھ میڈیکل کالج، کراچی یا دوسرے بڑے شہروں میں جو طلبا تعلیم حاصل کرتے ہیں، وہ پسماندہ علاقوں میں جانے اور کام کرنے سے کتراتے ہیں۔ ان کا جی چاہتا ہے کہ وہ یا تو کسی امیر ملک میں چلے جائیں یا کسی خوشحال علاقے میں کلینک کھول لیں تاکہ وہ راتوں رات دولت مند ہو جائیں۔ اگر ہر سال پاس ہونے والے ڈاکٹروں کا یہی رویّہ ہو تو معاشرے میں ان افراد کی طبّی ضروریات کون پوری کرے گا جو ایک عرصے سے اچھے دنوں کی اُمید پر زندگی گزار رہے ہیں۔ اگر آپ نے معاشرے کے ان ضرورت مند افراد کی طرف توجہ دی تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی ضروریاتِ زندگی پوری ہونے کے علاوہ آپ کو سکونِ قلب کی جو دولت نصیب ہوگی وہ کروڑوں روپے سے بھی خریدی نہیں جا سکتی۔

اس سلسلے میں، میں آپ کی توجہ دو تین چیزوں کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔

آج سے کچھ عرصہ پہلے پاکستان میں آنکھوں کے علاج کے لئے کچھ کیمپ مہیّا کئے گئے۔ اگر آپ ان کیمپوں کا جائزہ لیں تو آپ کو نظر آئے گا کہ ان کے نظم و ضبط، ان کے انتظام، ان کے طریقۂ کار اور چلانے میں غیر ملکی ماہرین کا ہاتھ زیادہ ہے۔ آج اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک نہیں بلکہ ایک سے زیادہ Eye Camp آنکھوں کے ہسپتال، پاکستانی قوم کی خدمت کا جذبہ رکھنے والے عظیم پاکستانی ڈاکٹر چلا رہے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ نے کوڑھ کی بیماری کا نام سنا ہوگا۔ پاکستان کے اندر بھی لپریسی Leprosy موجود ہے اور اس مرض کے ہسپتال کی سربراہ ایک غیر ملکی خاتون ہے، مگر مجھے یہ بھی بتانے میں خوشی ہے کہ اس خاتون کے ساتھ بہت سی پاکستانی خواتین اور بہت سے پاکستانی حضرات کا بھی تعلق ہے۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جہاں ہم اپنے پاکستانی ڈاکٹر غیر ممالک میں بھیجتے ہیں اور پاکستان کے شہری، آپ حضرات جو ڈاکٹر بننے والے ہیں، یا ڈاکٹر بن چکے ہیں، یہ سوال پوچھتے ہیں کہ کیا ہم میں اس قسم کے لوگ نہیں ہیں جو قوم کی صحیح معنوں میں خدمت کر سکیں۔ ایسے لوگ ضرور موجود ہیں اور اگر میں آپ کو آج ان کے نام گنوانا شروع کروں تو آپ فخر محسوس کریں گے کہ پاکستان کے ڈاکٹری پیشے کے اندر ایسے ایسے محبِ وطن لوگ آئے ہیں جنہوں نے اتنی خدمت کی ہے اور اس طریقے سے کی ہے کہ دائیں ہاتھ کو پتہ نہیں تھا کہ بایاں ہاتھ کیا کر رہا ہے۔ ہمیں ایسے ڈاکٹر چاہئیں، ایسے شہری چاہئیں اور مجھے امید ہے کہ آج کے فارغ التحصیل طلبا اور طالبات جو ڈاکٹر بنے ہیں، ان میں سے بھی ایسے بہت سے بچے اور بچیاں انشاءاللہ ملک اور قوم کی خدمت کریں گے۔

حکومت کچھ عرصے سے اس بارے میں صرف اخلاقی تلقین کا سہارا لے رہی تھی، لیکن اس کے خاطر خواہ نتائج نہ نکلنے کی وجہ سے اب یہ پالیسی وضع کی گئی ہے کہ جو

طلبا اور طالبات فوج میں لازمی ملازمت کے لئے بھرتی نہ ہوں وہ دیہات میں لازماً دو سال تک خدمات انجام دیں۔ اس طرح اب وہ اخلاقاً نہیں قانوناً دیہات کا رُخ کرنے پر مجبور ہوں گے۔

جہاں جہاں ڈاکٹر دستیاب ہیں وہاں عام لوگوں کو شکایت یہ ہے کہ ان کی فیسیں اتنی بھاری اور ان کی دوائیں اتنی مہنگی ہیں کہ صرف وہی لوگ ان کے متحمّل ہو سکتے ہیں جو خود ڈاکٹروں کی طرح روپیہ کماتے ہوں۔ ممکن ہے اس شکایت میں کچھ مبالغہ ہو اور ڈاکٹروں کے پاس اس کا کوئی معقول جواز ہو، لیکن میں جو بات واضح کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں طبّی سہولتوں کو نہ صرف وسعت دینا ضروری ہے بلکہ انہیں عام شہریوں کے لئے قابلِ حصول بنانا بھی لازم ہے کیونکہ اگر ایک آدمی بیماری کی حالت میں ڈاکٹر کے پاس جانے کی مالی صلاحیت نہیں رکھتا تو اس کے لئے وہاں ڈاکٹر کا ہونا یا نہ ہونا یکساں ہے۔

اس مسئلے کے دوسرے پہلو کا تعلق ملک کی عام سماجی اور معاشی حالت سے ہے۔ جوں جوں ترقی کی رفتار تیز ہوتی جائے گی، ہمارے ہاں فی کس سالانہ آمدنی میں اضافہ ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ لوگ طبّی سہولتوں سے مستفید ہونے لگیں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ لوگوں کی آمدنی کی شرح تو ایک فیصد سالانہ بڑھے اور ڈاکٹر کی فیس دس فیصد سالانہ بڑھ جاتی ہے۔ میں نے کئی ڈاکٹروں کو یہ دلیل دیتے سنا ہے کہ ہماری فیس واشنگٹن، لنڈن، پیرس، یورپ کے کسی بھی ڈاکٹر سے بہت کم ہے میرا اُن کو مشورہ یہ ہے کہ وہ فیس کا تعیّن کرتے وقت ترقی یافتہ ممالک کے بجائے اپنے ملک کی سماجی اور معاشی حالت کو پیشِ نظر رکھیں۔ یہ نہ ہو کہ وہ پریکٹس تو کریں لیاری یا لالو کھیت میں اور فیس لیں لندن اور نیو یارک کے مطابق۔

میری تقریر کا زورِ بیان اس بات پر صرف ہوا ہے کہ ڈاکٹر اور معاشرے کا باہمی تعلق کیا ہے اور اس تعلق کو نبھانے کے لئے ڈاکٹروں پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ جب میں میڈیکل کالجوں میں سپاسنامے سنتا ہوں ــ اور آج کا سپاسنامہ بھی اس میں شامل ہے جس میں طلبا کی چیئرمین نے کچھ تکالیف کا اظہار کیا ہے، میں ان کو تسلیم کرتا ہوں، لیکن اصولی طور پر ایک چیز جس کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ جب ان مشکلات یا مسائل کی طرف دیکھا جائے تو ترازو دوسری طرف جھکتی ہے، یعنی ان میں یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ میڈیکل طلبا کو مزید سہولتیں مہیّا کی جائیں، ان کے لئے ہوسٹل تعمیر کئے جائیں، کتابیں مہیّا کی جائیں، ہاؤس جاب پیدا کئے جائیں اور اس قسم کی دوسری چیزیں صحیح معنوں میں تکالیف ہیں۔ موجودہ حکومت آپ کی ان ضروریات کو پورا کرنے کے لئے سرتوڑ کوشش کر رہی ہے۔ لیکن اس کے وسائل اتنے محدود ہیں کہ تمام کالجوں کے تمام مطالبات بیک وقت پورے نہیں کئے جا سکتے۔ آپ کے کچھ مسائل دوسرے کالجوں کے ساتھ مشترک ہیں جن کا جائزہ لینے کے لئے، جیسا کہ پرنسپل صاحب نے ابھی فرمایا ہے، عنقریب ایک کمیشن قائم کیا جا رہا ہے۔ یہ کمیشن ملکی وسائل کی روشنی میں آپ کی جملہ ضروریات کا مطالعہ کر کے حکومت کو ایسی سفارشات پیش کرے گا جنہیں اپنا کر آپ کے مسائل مستقل طور پر حل کئے جا سکیں۔ لیکن اس کے ساتھ جہاں آپ مجھے یہ فرما رہے ہیں کہ آپ کے پاس کتابیں ہونی چاہئیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں۔ آپ کی ضروریات کے لئے آپ کو ہاؤس جاب ملنے چاہئیں، لیکن اس کا میں آگے جا کر ذکر کروں گا، لیکن اگر میں آج یہ کہوں کہ جن مخیّر حضرات کے صاحبزادے یا صاحبزادیاں یہاں کالج کے اندر تعلیم پا رہے ہیں ان کے لئے آج سے ایک سو روپے فیس بڑھا دی جائے تو کیا آپ تالیاں بجائیں گے۔ مجھے اس کی بڑی خوشی ہوئی، لیکن مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ میرے جانے کے بعد آپ کی

ایک اور محفل بنے گی اور میرا جلوس نکالا جائے گا کہ یہ غلط کہا گیا ہے۔ اس لئے میں آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ جہاں آپ اپنی تکالیف کا جائزہ لیں، وہاں یہ بھی سوچیں کہ ملک کے مسائل کیا کیا ہیں۔ اب دیکھئے سندھ میڈیکل کالج کی بنیاد کس طریقے پر رکھی گئی۔ یہاں کوئی ایک ہسپتال ایسا ہے جس کے اندر طلبا کی ٹریننگ صحیح معنوں میں ہو سکے۔ ایک سو طلبا کے لئے ایک ہزار بستروں کا ہسپتال ہونا لازمی ہے اور پرنسپل صاحب نے ابھی فرمایا ہے کہ یہاں کلاس ساڑھے تین سو کی ہے اور اس وقت دو ہزار سے زیادہ طالب علم یہاں موجود ہیں۔ اب بتایئے، اگر یہاں صحیح معنوں میں ہم اچھا ہسپتال نہ بنائیں، آپ کو تعلیم کی سہولتیں مہیا نہ کریں تو یہاں ڈاکٹر بنیں گے یا قصائی بنیں گے۔ ہمیں قصائی نہیں بنانا۔ وہ تو بہت سے باقی شہروں کے اندر موجود ہیں۔ ہمیں ڈاکٹر بنانے ہیں، اس لئے ڈاکٹر بنانے کے لئے ملک میں تمام وسائل پیدا کرنا حکومت کا کام ہے۔ ان وسائل کی محدودیت کو پہچاننا آپ کا کام ہے اور میں آپ کو یہاں یہ جتلانا نہیں چاہتا کہ جس دور میں مَیں نے پرائمری تعلیم حاصل کی تھی، اس میں وسائل کم تھے اور میں نے چٹائی کے اوپر بیٹھ کر پڑھنا لکھنا سیکھا ہے۔ اور میں آپ کو یہ بتا دوں کہ یہ نہیں کہ اس زمانے میں کسی قسم کی تعلیم کی کمی تھی، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج تعلیمی لحاظ سے میں اپنے آپ کو کسی سے کم نہیں سمجھتا۔ اس لئے وسائل چاہے محدود ہوں، اگر ہم میں صحیح معنوں میں جذبۂ تعلیم موجود ہے، سیاست نہیں ہے، ہم اپنے اساتذہ کی عزّت کرنا جانتے ہیں تو پھر آپ چٹائی پر بیٹھ کر بھی ڈاکٹر بن سکتے ہیں بشرطیکہ ڈاکٹری کے دوسرے اعضا اور پرزے موجود ہوں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس ترپال کی کٹائی کر کے آپ سرجن بن سکتے ہیں۔ اس کے لئے آپ کو جو ضروریات مہیا کی جاتی ہیں وہ ضروری ہیں، لیکن میں ایک پہلو کی طرف آپ کی توجہ دلا رہا ہوں۔

مجھے اُمید ہے کہ سندھ میڈیکل کالج کے طلبا و طالبات اس چیز پر غور و خوض کریں گے۔
اب آپ کے چند شدید مسائل جو فوری طور پر حل چاہتے ہیں، اُن پر فوری توجہ دی جائے گی۔
اُن میں سے جو مسائل صوبائی حکومت کی تحویل میں آتے ہیں، میں اُن کی طرف جنرل عباسی صاحب
کی توجہ مبذول کراؤں گا، اور جن مسائل کا تعلق وفاقی حکومت سے ہے انہیں میں حل
کرنے کی کوشش کروں گا۔ میرے خیال میں، تعلیم کے میدان میں محنت کا نہ صرف
صلہ ملنا چاہئے بلکہ اس کی کھلے بندوں داد و تحسین بھی دینی چاہئے۔ میں آج یہ اعلان
کر کے خوشی محسوس کر رہا ہوں کہ اس سال سندھ میڈیکل کالج کی گریجویٹ کلاس میں
جو طالب علم سب سے اچھے مانے گئے ہیں، انہیں حکومتِ پاکستان اپنے خرچ سے
اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر بھجوائے گی اور میں اُن سے یہ توقع کروں گا کہ وہ تعلیم حاصل کرنے
کے بعد سندھ میڈیکل کالج میں آئیں گے کویت یا ابوظہبی نہیں جائیں گے۔

چونکہ سندھ میڈیکل کالج کی روایات کی طرف میں نے توجہ دی تھی، روایات کے
مطابق یہ چیز غلط ہوگی کہ ہم صرف ایک لڑکے کو بھیجیں، کیونکہ آپ نے دیکھا ہے کہ
یہاں انعامات کے دَوران بچّے اور بچیاں دونوں تقریباً ایک ساتھ برابر شانہ بشانہ چل
رہے تھے۔ ہر معاشرے میں جہاں مردوں کو محنت کرنے کی ضرورت ہے وہاں خواتین کو
بھی لازم ہے کہ وہ اپنا صحیح مقام پیدا کریں۔ اس لئے سندھ میڈیکل کالج کے لئے آئندہ
باہر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی ایک نشست ایک طالبِ علم کے لئے اور ایک طالبہ کے لئے
ہوگی۔ اس کا تعین پرنسپل صاحب کریں گے کہ کون سب سے بہتر طالب علم ہے، یہ تو
آپ نے دیکھ لیا ہے۔ کون سب سے بہتر طالبہ ہے اس کا بھی آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔
مجھے امید ہے کہ پرنسپل صاحب اور اساتذہ ان کی سلیکشن کریں گے۔ دوسرا معاملہ
آپ کا ہاؤس جاب House job کا ہے۔ اس بارے میں آپ مجھ سے بہتر

جانتے ہیں کہ ہر ڈاکٹر کے لئے ہاؤس جاب مہیا کرنا ممکن نہیں۔ بھئی، یہ ہسپتال ہے میرے عزیزو۔ یہ پان کی دکان نہیں ہے کہ آپ وہاں جائیں اور کہیں کہ جناب ایک گلوری دے دو کہ میں زبان پر، منہ کے اندر رکھ لوں۔ ہاؤس جاب کے لئے آپ ڈو میڈیکل کالج کے اندر جا کے دیکھیئے جو پرانا ادارہ ہے، آپ لاہور کے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں جا کے دیکھیئے۔ وہاں جو طلبا و طالبات میرٹ کے طور پر اعلیٰ پوزیشن لیتے تھے ان میں سے چند کو ہاؤس جاب دیا جاتا تھا اس وجہ سے کہ ان کی تعلیم، ان کی محنت کو تسلیم کیا جائے اور ان کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ اپنے استادوں اور اپنے ماہرینِ پیشہ سے کچھ اور زیادہ سیکھ سکیں۔ یہی طریقہ ہوگا یہاں کراچی کے اندر بھی۔ یہ میرے ساتھ ہمیشہ ہوتا ہے، یہاں مجمع لگا ہوگا کہ جناب ہم نے FSc پاس کی ہوئی ہے۔ پوچھو کہ بیٹی یا بیٹے کون سی کلاس میں کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ جناب سیکنڈ ڈویژن میں۔ میں نے کہا کہ سیکنڈ ڈویژن کے لئے تو گنجائش نہیں، تو انہوں نے کہا کہ جناب آپ داخل کر لیجئے پھر ہم آگے محنت کر لیں گے۔ اسی طریقے سے اگر ایک کلاس ساڑھے تین سو کی ہے۔ اس میں سے ساڑھے تین سو کو ہاؤس جاب نہیں دیئے جا سکتے۔ ہاؤس جاب کا صرف مقصد آپ کو روزی مہیا کرنا نہیں ہے، ہاؤس جاب کا مقصد آپ کو عملی طور پر تعلیم دینا ہے اور اس تعلیم کے اندر سلیکشن لازمی ہے اور یہ سلیکشن صرف میرٹ پر ہونا چاہیئے، ضیاء الحق کے اوپر نہیں کہ کتنے ہاؤس جاب تقسیم کرتا ہے یا وائس چانسلر صاحب کتنے تقسیم کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی آپ کی ضروریات کے مدِ نظر، جب میں پچھلی دفعہ یہاں پوسٹ گریجویٹ میڈیکل کالج میں آیا تو کچھ طلبا سے میری ملاقات ہوئی اور انہوں نے یہ معاملہ اٹھایا کہ ہمیں کچھ ہاؤس جاب ملنے چاہئیں۔ میں نے اسی وقت حکم دیا اور اس وقت سے لے کر آج تک ساٹھ نئے ہاؤس جاب آپ کو مل چکے ہیں۔ اب آپ کا

مطالبہ یہ ہے کہ جناب رہائش کی جگہ مہیا کی جائے۔ پھر کل کو آپ یہ کہیں گے کہ جناب ہاؤس جاب بھی مِل گیا ہے، رہنے کے لئے جگہ بھی مہیا کی جائے، ہماری شادی بھی کروا دیجئے۔ یہ تو نہیں ہوسکتا۔ میں آپ کو سنجیدگی کی راہ دکھانا چاہتا ہوں میں نے ایسے یہ مذاقاً کہہ دیا ہے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا آپ بھی کچھ خدمت کرنے کے لئے تیار ہیں، کچھ آپ بھی قربانی دے سکتے ہیں یا نہیں۔ میں نے پچھلی دفعہ لڑکوں سے کہا تھا دیکھو، میں نے ۳۵ سال فوج میں گزارے اور ان ۳۵ سال میں سے اگر میں فوج کا زمانہ نکالوں تو ½ ۱۷ سال میرے تنبوؤں میں گزرے ہیں۔ میں نے کہا آپ کا تو پانچ سال کا عرصہ ہے۔ پانچ سال میں سے ایک سال تنبو میں گزار لیں، ہے ہمت آپ میں؟ سب نے منہ دوسری طرف کر لیا۔ کہنے لگے کہ جناب ہم تو آپ سے مانگ رہے ہیں، دینے کے لئے ہم تیار نہیں۔ اس لئے حکومت کی یہ خواہش ہے کہ زیادہ سے زیادہ جتنے ہاؤس جاب آپ کے لئے پیدا کئے جاسکیں ضرور پیدا ہوں اور آپ میں سے جن بچوں یا بچیوں کو ہاؤس جاب ملا ہے ان کی رہائش کا مسئلہ ہمارے زیرِ غور ہے اور وفاقی حکومت کی طرف سے ۵ لاکھ روپے کی ایک گراں قدر رقم اس مقصد کے لئے مختص کی گئی ہے کہ آپ کے لئے کوئی گھر، کوئی مکان یا کوئی کوارٹر یا فلیٹ وغیرہ لے یا یہاں نزدیک کوئی بندوبست کرے جس سے آپ کا رہائش کا مسئلہ کچھ حل ہو جائے۔ کچھ میں ڈالوں گا کچھ آپ اس میں تھوڑا ڈالئے — اس کے علاوہ تعلیم کی طرف آیئے۔ تعلیم کے لئے یہ ضروری ہے کہ آپ نہ صرف محنت کریں بلکہ آپ کے اساتذہ قابل اور اچھے ہوں۔ مجھے بڑی خوشی ہے کہ سندھ میڈیکل کالج کے اساتذہ کا سٹینڈرڈ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بہت عمدہ ہے، لیکن ان کی مشکلات یہ ہیں کہ بچوں میں کچھ اس قسم کی کشمکش چلتی جا رہی ہے کہ جناب جب تک ہوسٹل نہیں ہوتا یا جب تک ہمارے پاس دوسری

تعلیمی چیزیں نہیں ہوں گی، ہم تو پڑھتے نہیں۔ اس لئے میں آپ کو دو تین سہولتیں دے رہا ہوں۔ ایک تو یہ کہ میں ایک خاص رقم مختص کرتا ہوں جس سے یہاں سندھ میڈیکل کالج کے بچّوں اور بچیوں کے لئے ایک اچھا ہوسٹل بنایا جائے۔ اس کے ساتھ تعلیم کی طرف میری توجہ زیادہ رہتی ہے اور خاص طور پر میڈیکل کالجوں کی۔ میں نے آپ کے کالج کا جائزہ نہیں لیا ہے۔ میں پرنسپل صاحب کو بتانا چاہتا ہوں کہ آج کل بیرونی ممالک کے اندر جو ماڈرن باڈیز وغیرہ ملتی ہیں، وہ ڈاکٹروں کو مہیا کی جائیں تاکہ ان پر چیر پھاڑ کر سکیں۔ مگر یہ آسان نہیں ہے۔ اس کے لئے مغربی ممالک میں ایک جدید طریقہ نکالا گیا ہے اور راولپنڈی میڈیکل کالج اور راولپنڈی میں، آرمڈ فورسز میڈیکل کالج میں ہم اس پر تجربات کر رہے ہیں جو نہایت کامیاب ثابت ہوئے ہیں چونکہ یہ مہنگی چیز ہے، اس لئے میں سندھ میڈیکل کالج کے لئے اتنی رقم مخصوص کروں گا جس سے اگر وہ چاہیں تو باہر سے جدید قسم کی مصنوعی باڈیز منگوالیں۔ آپ کی کلاسوں میں Audio Visual Aids ہونے چاہئیں۔ ابھی پچھلے دنوں میں نے لاہور کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں کچھ ٹریننگ ایڈز کے ایک سٹال پر دیکھا ہے۔ پرنسپل صاحب وہاں موجود تھے۔ انہیں بھی معلوم ہے اس قسم کی جدید ٹریننگ ایڈز کا ہونا بہت ضروری ہے ٹریننگ ایڈز ہوں Audio Visual Aids ہوں یا اگر ہم اس کو کسی صحیح طریقے سے Close Circuit Television مہیا کر کے اس سے طلبا کو صحیح معنوں میں پڑھا سکیں تو میں ان تمام چیزوں کی اجازت دیتا ہوں، ان کا مالی خرچ وفاقی حکومت برداشت کرے گی۔ مجھے کراچی کا جائزہ لینے کا اتفاق نہیں ہوا ہے لیکن لاہور، پنڈی اور پشاور میں بعض ایسے اشخاص سے میری ملاقات ہوئی ہے کہ ان کو دیکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین آجاتا ہے کہ جس کی مدد وہ کرنا چاہے اس کو بہت سے مواقع مل جاتے ہیں میں نے لاہور میں بھی

اس چیز کا ذکر کیا تھا۔ میں نے میڈیکل کالج میں ایسے بچے دیکھے جو رات کو مزدوری کرتے ہیں ریلوے اسٹیشن پر کام کرتے ہیں اور رکشا چلاتے ہیں، ہوٹلوں میں کام کرتے ہیں اور دن کو اپنی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ایسے طلبا و طالبات کے لئے حکومت کا کام ہے کہ ان کی مالی مشکلات دُور کرے۔ اس لئے میں پرنسپل صاحب کی خدمت میں گزارش کروں گا کہ جو غریب طلبا اور طالبات اپنی فیس مہیا نہیں کر سکتے، جہاں میں نے مخیّر حضرات کی اس طرف توجہ دلائی تھی، ان کے لئے فیس کے کوٹے کے علاوہ انہیں ایک قسم کا اور وظیفہ دینا چاہیئے، کالج کی مدد کے لئے۔ لیکن جن طلبا کو مالی مشکلات پیش ہیں، ان کے لئے کالج کے پرنسپل صاحب کے پاس اتنے اختیارات، اتنے وسائل ہونے چاہئیں کہ وہ جس کو چاہیں مالی امداد دے سکیں، بشرطیکہ روپیہ بطورِ قرضِ حسنہ دیا جائے تاکہ ڈاکٹر بننے کے بعد وہ بغیر سُود کے، سُود وُود کا اس میں ذکر نہیں ہے، اصل رقم کالج کو واپس کریں تاکہ اس رقم سے دوسرے طلبا و طالبات کی مدد کی جا سکے۔ ایک اچھے کالج میں ایک اچھی لائبریری کا ہونا لازمی بات ہے۔ میڈیکل کالجوں میں لائبریری کے ساتھ، جیسا کہ آپ کی یونین کے پریذیڈنٹ صاحب نے کہا تھا کہ اس قسم کا ادارہ بھی ہونا چاہیئے، جو طلبا کو مہنگی قسم کی کتابیں مہیا کر سکے۔ میں ۵ لاکھ روپیہ آپ کی لائبریری اور Book Bank کے لئے دینے کا اعلان کرتا ہوں۔ یہ میری طرف سے کچھ تھوڑی سی حقیر رقم آپ کے وظائف کے لئے تھی۔ اس سے میں آپ کی کچھ مشکلات کا حل، فوری طور پر کر سکا ہوں۔ تفصیلاً تمام میڈیکل کالجوں کے جو مسائل ہیں ان کے جائزے کے لئے جیسا کہ میں نے آپ کی خدمت میں پہلے عرض کیا ہے، ایک میڈیکل کمیشن تشکیل دیا جا رہا ہے۔ وہ جائزہ لے گا اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وفاقی حکومت کے جتنے وسائل ہیں وہ ان کو بروئے کار لائے گی۔ لیکن یہ کمیشن صرف میڈیکل کالجوں کے لئے ہے تاکہ ان کے

مسائل حل کئے جائیں۔

میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے آج کی تقریب میں مدعو کرکے تبادلۂ خیال کا موقع فراہم کیا ہے۔ میں کامیاب طلبا وطالبات کو مبارکباد دیتا ہوں اور توقع رکھتا ہوں کہ وہ عملی زندگی میں ان بنیادی باتوں کو پیش نظر رکھیں گے جن کا میں نے ابھی ابھی ذکر کیا ہے۔ کامیاب طلبا وطالبات کے ضمن میں، مَیں یہ بھی کہوں گا کہ یہ قابلِ فخر بات ہے کہ اس کالج کے ہونہار ڈاکٹروں نے یونیورسٹی کے امتحانات نمایاں اور امتیازی حیثیت کے ساتھ پاس کئے ہیں۔ اس اعلیٰ کارکردگی کے لئے سندھ میڈیکل کالج کے اساتذہ، طلبا اور طالبات اور دیگر عملہ خصوصی مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اساتذہ کے اندر صحیح قیادت کا ہونا لازمی ہے۔ میں آپ سے گزارش کروں گا کہ سندھ میڈیکل کالج کو ایک ایسا مثالی ادارہ بنائیے جہاں طلبا اور اساتذہ کے اندر ایسا رشتہ قائم ہو جو صحیح معنوں میں ایک استاد اور طالب علم کے اندر ہونا چاہیئے۔ اس وقت یہاں ایسے قابلِ فخر لوگ آپ کے پاس ہیں کہ کسی کی کھلے بندوں تعریف کرنا بھی اتنا زیادہ مناسب نہیں ہوتا، شاید ان کو پریشانی ہو میں یہاں آپ کے پرنسپل صاحب کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کو شاید معلوم نہیں کہ انہوں نے اس کالج کی پرنسپل شپ قبول کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ مجھے کسی تنخواہ وغیرہ کی ضرورت نہیں میں صرف کالج کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کے پاس ایسے محبِ وطن، ایسے عقیدت مند اور ماشاءاللہ ایسے پیشہ ور استاد موجود ہیں۔ آپ ان کی عزت کیجئے، انہیں موقع دیجئے کہ وہ آپ کو صحیح معنوں میں تعلیم حاصل کرنے میں مدد دے سکیں۔

آخر میں میرا ایک مشورہ یہ ہے کہ ڈاکٹر بننے کے ساتھ ساتھ آپ ایک اچھے پاکستانی بنئیے اور ایک اچھے مسلمان کے اوصاف اپنائیے، اس طرح آپ کے مسائل بھی حل ہوجائیں گے

اور معاشرے کے حقوق بھی پورے ہو جائیں گے۔ یہاں میں بغیر تشریح کئے ایک چیز بتانا چاہتا ہوں میں ڈاکٹر نہیں ہوں، مگر میرے خاندان میں بہت سے ڈاکٹر ہیں اور آرمی سروس کے دوران بہت سے آرمی کے ڈاکٹروں سے بھی میری ملاقات رہی ہے اور بطور مریض بھی میرا تجربہ یہ ہے کہ ڈاکٹر کس کس قسم کے ہوتے ہیں میں یہاں آپ کو صرف ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ بطور مریض میرا تجربہ یہ ہے کہ اگر مریض کے ساتھ اخلاق اور انسانیت کے طور پر محبِ وطن ہونے کی حیثیت سے، ایک انسان ہونے کی حیثیت سے، خلقِ خدا کا ایک نمائندہ ہونے کی حیثیت سے، اطمینان اور آرام سے دو باتیں کریں اور اسے تھوڑی سی تسلّی دیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مریض کی آدھی بیماری ختم ہو جاتی ہے۔

میں اُمید کروں گا کہ سندھ میڈیکل کالج کے گریجویٹ ان اسلامی قدروں کو اپناتے ہوئے صحیح معنوں میں مسلمان ڈاکٹر بنیں گے اور صحیح معنوں میں ایک پاکستانی کا کردار ادا کریں گے۔

شکریہ!

پاکستان پائندہ باد

اسلامی ایوانِ صنعت و تجارت کے مرکزی دفاتر کی افتتاحی تقریب سے خطاب

(انگریزی سے ترجمہ)

کراچی : ۱۴ اپریل، ۱۹۸۰ء

اسلامی ایوانِ صنعت و تجارت کے مرکزی دفتر کی افتتاحی تقریب کراچی میں منعقد ہوئی۔ اسلامی ایوانِ صنعت و تجارت کے صدر شیخ اسماعیل ابو داؤد نے اپنے سپاسنامے میں چیمبر کے مختلف منصوبوں کا ذکر کیا اور حکومتِ پاکستان کے تعاون کا شکریہ ادا کیا۔ تقریب میں مختلف اسلامی ممالک کے نمائندوں نے شرکت کی۔

صدرِ پاکستان نے اسلام کے معاشی نظریات کی تشریح کی اور امید ظاہر کی کہ اقتصادی شعبے میں اسلامی ایوانِ صنعت و تجارت قائدانہ کردار ادا کرے گا اور دنیا کے سامنے ایک ایسا نظام پیش کرے گا جو ہر طرح کے استحصال سے پاک اور تمام متعلقہ ممالک یا شعبوں کے لئے فائدہ مند ہوگا۔ انہوں نے ایوان کے سیکریٹری جنرل اور اسسٹنٹ سیکریٹری جنرل کو سفارتی مراعات دینے اور کراچی میں چیمبر کے مستقل ہیڈکوارٹر کی تعمیر کے لئے پانچ ہزار مربع گز قطعۂ اراضی تحفے کے طور پر عطا کرنے کا اعلان کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ۔

گورنر سندھ، جنرل ایس۔ ایم۔ عباسی صاحب،
اسلامک چیمبر کے صدر، جناب شیخ اسمٰعیل ابو داؤد صاحب،
مندوبینِ گرامی،
اور
حاضرینِ کرام!

السلام علیکم۔ کچھ عرصہ پہلے اسی ہال میں مجھے اسلامی ممالک کے ایوان ہائے صنعت و تجارت کی دوسری کانفرنس کی صدارت کا شرف حاصل ہوا تھا۔ آج سوا سال بعد مجھے اسلامی ایوانِ تجارت و صنعت کے مرکزی دفاتر کے افتتاح کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔ میں اس عزّت افزائی کے لئے آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

سوا سال کے اس قلیل عرصے میں آپ نے اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کرنے کے لئے جو کامیابی حاصل کی ہے، اس سے آپ کی لگن، محنت اور خلوصِ نیت کا پتہ چلتا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ اسی جذبے اور لگن کے ساتھ کام جاری رہا تو مزید کامیابیاں آپ کے قدم چومیں گی۔ میں اس مرکز کے قیام پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ جس مقصد کے لئے یہ دفتر قائم کیا گیا ہے، اسے پورا کرنے میں اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم آپ کے شامل حال رہے۔

اس تقریب میں شرکت کے لئے برادر ممالک سے جو مندوبین تشریف لائے ہیں، میں انہیں خوش آمدید کہتا ہوں اور توقع کرتا ہوں کہ یہاں ان کا قیام خوش گوار اور مفید رہے گا۔

آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے گزشتہ کانفرنس میں دیگر باتوں کے علاوہ یہ بھی عرض کیا تھا کہ دوسرے ممالک عموماً اقتصادی تعاون کے ذریعے فکری طور پر ایک دوسرے کے قریب آنے کی کوشش کرتے ہیں جب کہ ایک ہی دین کے پیروکار ہونے کی وجہ سے ہم پہلے ہی ایک ہی فکر، ایک ہی سوچ اور ایک ہی نظریے کے پابند ہیں اور ہماری کوشش ہے کہ ہم اپنی اس فکری وحدت کو اقتصادی، معاشی، سماجی اور سیاسی میدانوں میں بھی فروغ دیں۔ مجھے امید ہے کہ آج جس ہیڈکوارٹر کا افتتاح ہو رہا ہے، وہ اس فکری وحدت کو اقتصادی اور تجارتی میدان میں آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کرے گا۔

معزز حاضرین! جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، ہم آئندہ چند مہینوں میں اسلامی کیلنڈر کی چودہ صدیاں مکمل کرنے والے ہیں۔ اس صدی میں بہت سے مسلمان آزادی کی نعمت سے ہمکنار ہوئے ہیں۔ آج اسلامی ممالک نہ صرف آزاد اور خود مختار ہیں بلکہ وہ دورِ حاضر میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں اور بین الاقوامی سیاست میں ایک اہم اور مثبت کردار ادا کر رہے ہیں۔ آزادی کی اس نعمت کے لئے ہم جس قدر بھی اللہ تعالیٰ اور اس کی عنایات کا شکریہ ادا کریں، کم ہے۔

البتہ ایک بات آپ نے ضرور محسوس کی ہوگی کہ اگرچہ ہم سیاسی لحاظ سے آزادی کی نعمت سے بہرہ ور ہو چکے ہیں، لیکن ہماری زندگی کے کئی پہلوؤں پر ابھی تک غیر اسلامی چھاپ موجود ہے جن میں سے ایک پہلو صنعت و تجارت کا ہے جو براہِ راست آپ کی توجہ کا مرکز ہے۔ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں، زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح صنعت و تجارت کے بارے میں بھی اسلام کا ایک اپنا نظریہ ہے جو اسی شعبے میں دوسرے نظریوں سے سراسر مختلف ہے جس طرح اسلام اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے اور رہنے سہنے کے لئے چند بنیادی اصول اور چند بنیادی اقدار مقرر کرتا ہے، اسی طرح وہ صنعت اور تجارت کے لئے بھی چند راہنما اصول متعین کرتا ہے۔ اِن اصولوں میں دیانتداری اور انصاف پسندی سرِفہرست ہیں۔ اسلامی طریقۂ صنعت و تجارت ہر طرح کے استحصال کے خلاف ہے اسلامی نظامِ حیات جہاں اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ مزدور کو مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو، وہاں اس بات کی بھی ہدایت کرتا ہے کہ تجارت میں جائز حد تک منافع لو اور کسی کا استحصال نہ کرو۔ آج آپ مروّجہ طریقوں پر ایک نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ آیا آج کی عالمی تجارت ناجائز منافع خوری اور استحصال سے پاک ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو اس ایوانِ صنعت و تجارت کو استحصال اور ناجائز منافع خوری سے پاک وہ نظامِ تجارت قائم کرنا ہوگا جو نہ صرف اسلامی اصولوں کے عین مطابق ہو بلکہ دوسروں کے لئے ایک باعثِ تقلید نمونہ بھی ہو۔

جب ہم اپنے اس ایمان افروز دعوے کو دُہراتے ہیں کہ اسلام ایک آفاقی مذہب ہے، اسلام ایک مکمّل ضابطۂ حیات ہے، اسلام ایک بے مثل دینِ فطرت ہے تو ہم پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ ہم ان دعووں کو عملی شکل دینے کے لئے ایسا لائحۂ عمل تیار کریں جس کو اپنانے سے واقعی ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی اسلامی اصولوں کا ایک نمونہ بن جائے۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے۔ اور یہ بالکل برحق دعویٰ ہے۔ کہ اسلام ایک ایسا معتدل اور فطری نظامِ معیشت

پیش کرتا ہے جس میں تمام انسانوں کے حقوق اور تمام طبقوں کے مفادات کے تحفظ کی ضمانت موجود ہے۔ اس نظام کو اپنانے سے نہ مزدور کو شکایت رہے گی کہ اس کو اپنی محنت کا موزوں معاوضہ نہیں ملا اور نہ کارخانہ دار کو یہ گلہ ہوگا کہ اس کی سرمایہ کاری سے اس کو فائدہ نہیں پہنچا، نہ تاجر کو افسوس ہوگا کہ اس کے منافع کی شرح ناکافی ہے اور نہ خریدار کو شکایت ہوگی کہ اس کا استحصال کیا جا رہا ہے۔ بلکہ صنعت و تجارت سے متعلق تمام لوگوں کو ان کے جائز حقوق بلا تاخیر مل جائیں گے۔

آج عالمی سطح پر جو معاشی نظام رائج ہے، اس میں بہت سی کمزوریاں ہیں جنہیں دور کرنے کے لئے اس نظام پر نظرِ ثانی کرنے کی ضرورت ہے۔ اس نظام میں ترقی یافتہ ممالک کو ترقی پذیر اور پسماندہ ملک پر ایسا غلبہ حاصل ہے جو نو آبادیاتی دور کی ایک بدلی ہوئی شکل ہے۔ اس نظام کے تحت تیسری دنیا کے ممالک جن کی بھاری تعداد مسلمان ممالک پر مشتمل ہے، یہ محسوس کرتے ہیں کہ انہوں نے نو آبادیاتی نظام سے سیاسی لحاظ سے تو آزادی حاصل کر لی ہے، لیکن اقتصادی اور معاشی لحاظ سے ابھی وہ پوری طرح آزاد نہیں ہوئے۔ اب بھی ترقی یافتہ ممالک کی کوشش ہوتی ہے کہ ترقی پذیر ممالک سے خام مال سستے سے سستے داموں خریدا جائے اور بنی بنائی چیزیں، جدید مشینیں اور ان کے فاضل پُرزے مہنگے سے مہنگے داموں فروخت کئے جائیں۔ اس پالیسی کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک نئی سے نئی مالی اور اقتصادی مشکلات کا شکار ہو رہے ہیں اور جس قدر وہ ترقی کی منزلیں طے کرنا چاہتے ہیں، اسی قدر بیرونی قرضوں اور تجارتی پیچیدگیوں میں جکڑے چلے جاتے ہیں۔

جس طرح چودھویں صدی ہجری کے دوران مسلمانوں میں سیاسی آزادی کی ایک عالمگیر لہر اٹھی تھی، اِسی طرح آج پندرھویں صدی کے آغاز پر اسلامی ممالک سمیت تمام ترقی پذیر ممالک میں یہ احساس بڑی شدت سے ابھر رہا ہے کہ موجودہ عالمی اقتصادی نظام عدل و انصاف پر

نہیں بلکہ نوآبادیاتی اقدار پر قائم ہے جسے جلد از جلد بدلنے کی ضرورت ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ جس طرح سیاسی آزادی کی لہر کو دبایا نہ جاسکا تھا اُسی طرح اس احساس کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکے گا۔ میں وارننگ کے طور پر نہیں، عالمی برادری کے ایک فرد کی حیثیت سے اپنے اس اندیشے کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ اگر عالمی اقتصادی نظام پر نظرِ ثانی کرکے اسے جلد از جلد دونوں ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کے لئے فائدہ مند نہ بنایا گیا تو اس کے نہایت خطرناک اور نقصان دِہ اثرات مرتّب ہوں گے۔ مجھے اُمید ہے کہ اسلامی ایوانِ صنعت و تجارت اس سلسلے میں قائدانہ کردار ادا کرے گا اور دنیا کے سامنے ایک ایسی مثال قائم کرے گا جو ہر طرح کے استحصال سے پاک ہو اور تمام متعلقہ ممالک یا شعبوں کے لئے فائدمند ہوگی۔

اسلامی ایوانِ صنعت و تجارت کو یہ فوقیت حاصل ہے کہ اس کے زیرِ اثر ممالک کے پاس اقتصادی ترقی کے تقریباً سبھی عوامل موجود ہیں۔ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے تیل کی بدولت زرِ مبادلہ کی فراوانی ہے۔ افرادی قوّت۔ اور باصلاحیت افرادی قوّت، وافر تعداد میں موجود ہے۔ خام مال کی نہ صرف کوئی کمی نہیں بلکہ بعض اشیاء ضرورت سے زیادہ ہیں۔ ٹیکنالوجی کے میدان میں ہم نسبتاً پیچھے ہیں، لیکن باصلاحیّت افراد اور زرِ مبادلہ کی جو نعمتیں ہمیں نصیب ہیں، انہیں بروئے کار لاکر اس کمی کو بھی قلیل عرصے میں پورا کیا جاسکتا ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ سچّے اسلامی جذبے کے تحت باہمی تعاون سے ان تمام وسائل کو بروئے کار لایا جائے اور انہیں بنی نوع انسان کے فائدے اور فلاح و بہبود کے لئے استعمال کیا جائے۔ لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ اسلامی ایوانِ تجارت وصنعت کے سپرد ایک اہم کام یہ بھی ہونا چاہئے کہ وہ نجی شعبے کے تعاون سے مشترکہ صنعتی سرمایہ کاری کی راہ ہموار کرے اور اس کے لئے قابلِ عمل صنعتی اور زرعی منصوبے تیار کرے تاکہ افرادی قوّت اور خام مال کے صحیح استعمال سے اسلامی دنیا صنعتی اور تجارتی لحاظ سے ایک نئے دَور

میں داخل ہو سکے۔

جناب شیخ اسمٰعیل ابو داؤد صاحب نے اپنی تقریر میں ذکر کیا ہے کہ اس ایوان نے جہاز رانی کے علاوہ انجینئرنگ، بیمہ کاری، محصولات میں ترجیحی سلوک اور آمدنی کی منصفانہ تقسیم وغیرہ کا بھی جائزہ لینا شروع کیا ہے۔ یہ بہت خوش آئند بات ہے، بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ آپ اسلامی ممالک کے درمیان تجارتی تعاون کو اتنا فروغ دیں کہ بازار میں اسلامی ممالک کی بنی ہوئی چیزیں یوں دستیاب ہوں کہ گاہک خود بخود اسلامی ممالک کی مصنوعات خریدنے میں کشش اور فخر محسوس کرے یقیناً بہتر صنعتی پالیسی، بہتر تجارتی اصولوں، مناسب منافع خوری اور دوسرے ٹیکسوں سے نجات حاصل کرنے سے یہ مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے۔

میں اسلامی چیمبر کی پہلی جنرل اسمبلی اور جناب اسمٰعیل ابو داؤد صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے پاکستان، حکومتِ پاکستان اور خود میرے متعلق خیر سگالی کے نیک کلمات کہے۔ میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ انشاء اللہ پاکستانی عوام اور حکومت کو ہر اس کام میں مستعد پائیں گے جو اسلامی ممالک کی ترقی اور ان کے اتحاد کا باعث ہو۔ ہم انشاء اللہ آئندہ بھی اسلامی چیمبر کو فعال اور کامیاب بنانے میں تعاون کو اپنے لئے باعثِ فخر سمجھیں گے۔ خیر سگالی اور تعاون کے اسی جذبے کے تحت اسلامک چیمبر کے ہیڈ کوارٹر کی حیثیت کا بھی جائزہ لیا گیا ہے اور مجھے یہ اعلان کر کے خوشی محسوس ہوتی ہے کہ چیمبر کے سیکریٹری جنرل اور اسسٹنٹ سیکریٹری جنرل سفارتی مراعات کے مستحق ہوں گے۔ اس سلسلے میں ضروری احکامات پہلے ہی جاری کئے جا چکے ہیں۔ اس کے علاوہ چیمبر کے سرکاری استعمال کے لئے گاڑیوں اور دفتری سامان وغیرہ کی درآمد کو بھی ڈیوٹی سے مستثنیٰ قرار دیا جا چکا ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ اسلامی چیمبر نے اپنے مستقل ہیڈ کوارٹر کی تعمیر کے لئے کراچی میں پانچ ہزار مربع گز کا ایک قطعۂ زمین منتخب کر لیا ہے۔ میں حکومتِ پاکستان کی طرف سے یہ زمین تحفتہً چیمبر کو

دینے کا اعلان کرتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ اس قطعۂ زمین پر جو عمارت تعمیر کی جائے گی، وہ اسلامی طرزِ تعمیر کی جملہ خصوصیات کی حامل ہوگی تاکہ دُور سے ہی اس کے مقصد اور نصب العین کا اندازہ کیا جاسکے۔ انشاء اللہ یہ ہیڈکوارٹر اسلامی ممالک کی صنعتی اور تجارتی ترقی کے لئے ایک سنگِ میل ثابت ہوگا۔

میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے آج کی تقریب میں دعوت دیکر میری عزت افزائی فرمائی۔ میری دعائیں اور نیک تمنائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

ان الفاظ کے ساتھ میں اسلامی چیمبر کے ہیڈکوارٹر کے رسمی افتتاح کا اعلان کرتا ہوں۔

پاکستان پائندہ باد

اسلامی اتحاد زندہ باد

پریس کانفرنس سے خطاب

راولپنڈی : ۲۱ اپریل، ۱۹۸۰ء

صدرِ پاکستان نے ایک وفد کے ہمراہ زمبابوے کی آزادی کی تقریبات میں شرکت کی۔ واپسی پر انہوں نے سعودی عرب میں مختصر قیام کے دوران عمرہ ادا کیا اور مدینۂ منورہ میں روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر حاضری دی۔ صدر کی اسلام آباد میں واپسی چونکہ کافی رات گئے ہوئی، اس لئے انہوں نے اگلے روز سی ایم ایل اے سیکرٹریٹ میں پریس کانفرنس کی۔

جنرل محمد ضیاء الحق نے اپنے تمہیدی بیان میں کہا کہ زمبابوے کی آزادی ایک تاریخ ساز واقعہ ہے جس کے جنوبی افریقہ میں اہم اثرات مرتب ہوں گے انہوں نے کہا کہ پاکستان نے حصولِ آزادی میں زمبابوے کی ہر ممکن مدد کی ہے اور دونوں میں تعاون آئندہ بھی جاری رہے گا۔ انہوں نے بتایا کہ واپسی پر سعودی عرب کے مختصر قیام کے دوران اُن کی اسلامی کانفرنس کے سیکرٹری جنرل جناب حبیب شطّی سے جدہ میں ملاقات ہوئی جس میں افغانستان کی تشویش ناک صورتِ حال پر غور کیا گیا۔

آخر میں صدرِ پاکستان نے صحافیوں کے مختلف سوالات کے جواب دیئے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

صحافی خواتین وحضرات!

السلام علیکم ۔ بالعموم میں غیر ملکی دورے سے واپس پہنچتے ہی پریس کانفرنس منعقد کیا کرتا ہوں۔ کل رات واپس پہنچنے میں کسی قدر تاخیر کے سبب ہم نے سوچا کہ اتنی رات گئے آپ کو زحمت دینا شاید مناسب نہ ہوگا، اس لئے یہ پریس کانفرنس آج ہو رہی ہے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ میں کل رات زمبابوے سے واپس آیا ہوں جہاں میں نے اس برادر ملک کی آزادی کی تقریبات میں شرکت کی۔ واپسی پر مجھے اور میرے وفد کو سعودی عرب میں مختصر قیام کا موقع ملا تاکہ عمرہ ادا کرسکیں۔ ہم نے مدینہ شریف کی بھی زیارت کی۔

زمبابوے کا حصولِ آزادی ایک تاریخی واقعہ ہے اور برِّ اعظم افریقہ کے جنوب میں جو تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں، ان پر اس کے دُور رَس اثرات مرتّب ہوں گے۔

زمبابوے "محبِ وطن محاذ" نے آزادی کے لئے جو غیر متزلزل جدوجہد کی اسے اب کامیابی حاصل ہوئی ہے اور زمبابوے کو بین الاقوامی کمیونٹی میں اس کا جائز مقام ملا ہے۔ یہ ہمارے لئے سرمایۂ افتخار ہے کہ ہم نے زمبابوے کے عوام کی آزادی کی جدوجہد میں اپنی اہلیت اور صلاحیت کے مطابق سیاسی اور مادی طور پر ان کی مدد کی، اس لئے آج ہم ان کی آزادی کی مسرتوں میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔ میں نے وزیر اعظم موگابے سے وعدہ کیا ہے کہ مستقبل میں بھی ہم ہر ممکن تعاون فراہم کرتے رہیں گے۔

سالسبری میں قیام کے دوران مجھے صدر زمبابوے اور وزیر اعظم موگابے سے ملاقات کا موقع ملا جن سے میں نے نہایت دوستانہ ماحول میں بارآور تبادلۂ خیال کیا۔ پاکستان کا ایک وفد جلد ہی یہ طے کرنے کے لئے کہ پاکستان، زمبابوے کو قومی تعمیرِ نو کے مختلف شعبوں میں کس طرح کی امداد فراہم کر سکتا ہے، سالسبری کا دورہ کرے گا۔ زمبابوے کی آزادی کے تاریخی موقع پر وزیر اعظم موگابے کے اعلانات سے میانہ روی اور مصالحت کا جو جذبہ مترشح تھا، اس سے میں بے حد متاثر ہوا ہوں۔ جس گہرے خلوص کے ساتھ انہوں نے جدوجہدِ آزادی کے دوران پاکستان کی معمولی سی امداد کا شکریہ ادا کیا، وہ میرے لئے ایک دلگداز تجربہ تھا۔ یہ امر واضح ہے کہ تنظیم آزادیٔ فلسطین، زمبابوے محبِ وطن محاذ، سواپو اور دوسری ایسی ہی تحریکوں کے لئے پاکستان کی غیر متزلزل حمایت کے باعث افریقی ممالک پاکستان کو تحسین کی نظر سے دیکھنے لگے ہیں۔

سالسبری میں تین روزہ قیام کے دوران میں نے متعدد عالمی لیڈروں سے ملاقاتیں کیں۔ بھارت کی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی سے میرے مذاکرات نہایت کارآمد رہے۔ میں نے نائیجیریا کے صدر شگاری، آسٹریلیا کے وزیرِ اعظم مالکم فریزر، یوگوسلاویہ کے نائب صدر، اقوامِ متحدہ کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر کرٹ والڈ ہائم،

چین کے وزیر خارجہ مسٹر ہوانگ ہوا، وفاقی جمہوریہ جرمنی کے وزیر خارجہ ایر ہارڈ گینشر اور برطانوی وزیرِ خارجہ لارڈ کیرنگٹن سے بھی ملاقاتیں کیں۔ ہماری سالسبری میں موجودگی کے باعث خارجہ امور کے مشیر جناب آغا شاہی کو جن ممالک کے وزرائے خارجہ سے ملاقات کا موقع ملا ان میں مراکش اور لیبیا کے وزرائے خارجہ شامل ہیں۔

ان سے ملاقاتوں میں مشیر امور خارجہ جناب آغا شاہی کو علاقے کی موجودہ صورتِ حال کے بارے میں تعمیری اقدام کے امکانات پر بات چیت کا موقع ملا جو ممکن ہے کہ اسلامی وزرائے خارجہ کے گیارھویں اجلاس میں زیر بحث آئے۔ مشیر امور خارجہ نے لیبیا کے وزیر خارجہ سے باہمی تعلقات کے بارے میں کار آمد تبادلۂ خیال کیا۔ میں نے جدہ میں اسلامی کانفرنس کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر حبیب شطّی سے ملاقات کی اور ان سے کانفرنس کے گیارھویں اجلاس کے ایجنڈے میں متوقع طور پر شامل ہونے والے بعض اہم سوالوں کے بارے میں کار آمد بات چیت کی۔

یقیناً یہ موضوعات، القدس، افغانستان اور علاقے کی صورتِ حال پر مشتمل ہیں۔ جنوری میں اسلامی کانفرنس کے غیر معمولی اجلاس میں مسئلۂ افغانستان کی صورتِ حال میں کوئی بہتر تبدیلیاں رونما نہیں ہوئیں۔ روس کا فوجی قبضہ مسلسل ہے اور پاکستان میں آنے والے مہاجرین کی تعداد میں اضافہ جاری ہے۔ کانفرنس کا آئندہ اجلاس بے شک ایک بار پھر اس افسوسناک صورتِ حال پر غور کرے گا۔ مجھے یقین ہے کہ کانفرنس افغانستان سے روسی فوجوں کی فوری واپسی پر اپنا اتفاق رائے قائم رکھے گی اور اس کے ساتھ ساتھ بحران کے ایسے پُرامن اور باعزّت حل پر غور کرے گی جس کے ذریعے پاکستان میں موجود افغان مہاجرین، عزّت اور حفاظت کے ساتھ افغانستان میں اپنے گھروں کو واپس جا سکیں۔ اس سلسلے میں سالسبری میں

اخبار نویسوں سے میری گفتگو کے بعض حصوں کو جو غلط معنی پہنائے جا رہے ہیں اور غلط رپورٹنگ کی جا رہی ہے، اس موقع پر میں اس کا بھی ازالہ کرنا چاہوں گا۔ افغانستان کی صورتِ حال کے بارے میں ہماری پالیسی مستقلاً ایک ہی رہی ہے۔ ہماری پالیسی دوسرے ملکوں کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت کی مکمل پاسداری اور پاکستان کو افغانستان میں اسلحہ کے بہاؤ کا دہانہ نہ بننے دینے کی پالیسی ہے۔ اس کے ساتھ ہی میں اپنا تمہیدی بیان ختم کرتا ہوں۔ اب آپ آزادی سے جو سوال چاہیں پوچھیں، لیکن ازراہِ مہربانی اپنے سوالوں کو موضوعِ زیرِ بحث تک محدود رکھیں۔

سوال : جناب! مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اس سے پیشتر تو انہوں نے اس مسئلے کے بارے میں کوئی سخت رویہ اختیار نہیں کیا، لیکن آج کے "جنگ" میں جو خبر چھپی ہے، اس کے مطابق مسز اندرا گاندھی کو اس سلسلے میں یعنی پاکستان کو اسلحہ ملنے کے بارے میں سخت شکایت ہے؟

جواب : اس کی وضاحت تو وہی کر سکتی ہیں۔ بہر حال، ہم اس صورتِ حال کا آئندہ جائزہ لیں گے۔

سوال : جناب! پاکستان اور زمبابوے کے درمیان آپ کس قسم کے تعاون کی توقع کرتے ہیں۔ یہ بھی بتایا گیا تھا کہ پاکستان کا ایک وفد زمبابوے جائے گا، اس کے ترکیبی عناصر کیا ہوں گے اور اس وفد کا مقصد کیا ہو گا؟

جواب : جیسا کہ میں نے اپنے بیان میں کہا ہے، وفد اقتصادی تعاون اور اشتراکِ عمل، تعلیم، تعلیم کے شعبے میں فنی امداد، فنی تربیت یا

کسی شعبے میں ایک شعبہ ریلوے کا ہو سکتا ہے۔ تعاون کے امکانات تلاش کرنے جائے گا۔ پاکستان اس سلسلے میں جو بھی امداد دے سکتا ہے وہ ہم پیش کریں گے۔ ابھی ہم نے وفد کی ترکیب کو آخری شکل نہیں دی، لیکن آئندہ چند دنوں میں وفد تشکیل دے دیا جائے گا۔

سوال : آپ کی مسز گاندھی سے ملاقات کے موضوع پر واپس آتے ہوئے عرض کرنا چاہوں گا کہ آیا یہ اخذ کرنا صحیح ہوگا کہ حکومت پاکستان اپنے موقف پر قائم ہے کہ جب تک سوویت فوجیں واپس نہیں جاتیں، پاکستان افغانستان سے مذاکرات نہیں کرے گا جبکہ مسز گاندھی زور دے رہی ہیں کہ ببرک کارمل کی حکومت سمیت علاقائی کانفرنس بلائی جائے؟

جواب : ہمارے مذاکرات کا یہ موضوع نہیں تھا، لیکن اس مسئلے پر پاکستان کی پالیسی قطعی طور پر واضح ہے اس سلسلے میں ہم اسلامی ممالک کے وزرائے خارجہ کی کانفرنس کی قرارداد کے پابند ہیں اور وہ مجھے یقین ہے آپ سب پر پوری طرح واضح ہے۔

سوال : کیا آپ مستقبل قریب میں بھارت کی وزیر اعظم کے ساتھ ملاقات کی توقع رکھتے ہیں؟

جواب : نہیں! میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے، لیکن یہ امکان ہر وقت ہوتا ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس سطح کی ملاقات کے لئے بہت سی ابتدائی تیاریوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

سوال : جناب! افغانستان پر سوویت قبضے کو تقریباً چار ماہ ہو چکے ہیں۔ ان چار مہینوں کے دوران پاکستان سمیت مختلف ملکوں نے سوویت فوجوں

کے انخلا کی درخواست کی ہے، لیکن ایسا لگتا ہے کہ اس سمت میں کوئی خاص پیش رفت نہیں ہوئی۔ تازہ ترین صورتِ حال کے بارے میں آپ کا اندازہ کیا ہے؟

جواب: اس سلسلے میں ہمارا اندازہ وہی ہے جو پہلے تھا۔ مسئلے کے حل کے لئے، جس کا مطلب ہے افغانستان کی سرزمین سے سوویت فوجوں کا انخلا، مستقل مزاجی سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ بہت صبر اور محنت کا متقاضی ہے اور میرا خیال ہے کہ اس سلسلے میں ہماری کوششیں کم نہیں ہونی چاہئیں۔

سوال: جناب! ڈاکٹر حبیب شطّی سے آپ کی ملاقات کے دوران کیا آپ نے ایران اور اس علاقے میں بڑھتی ہوئی کشیدگی کے سوال پر مسلمان ملکوں کے رویے کے بارے میں بھی بات چیت کی؟

جواب: ہم نے عمومی طور پر اس مسئلے پر گفتگو کی۔ علاقے کی صورتِ حال، ایران اور عراق کے تعلقات مسلمان ممالک کے لئے باعثِ تشویش ہونے چاہئیں۔

سوال: میرے سوال کا تعلق میرے پہلے سوالوں سے ہے۔ ایران اور امریکہ کے درمیان کسی قسم کی محاذ آرائی کی صورت میں پاکستان کا کیا موقف ہوگا؟ کیا پاکستان مسلمان ملک کا ساتھ دے گا؟

جواب: یہ سوال مفروضے پر مبنی ہے۔

سوال: کیا آپ نے سوویت لیڈروں سے کوئی بات چیت کی؟

جواب: نہیں! ہز میجسٹی سے میری ٹیلیفون پر نہایت غیر رسمی بات ہوئی۔ ہز میجسٹی کی مہمان نوازی کے لئے میں شکر گزار ہوں۔

سوال : جناب! کیا ایسا کوئی امکان ہے یا ایسا کوئی اندازہ لگایا جا رہا ہے کہ پاکستان اور روس کے درمیان براہِ راست یا کسی تیسرے فریق کے توسّل سے براہ راست مذاکرات ہوں؟

جواب : اندازہ لگانے کی کیا ضرورت ہے۔ ہمارے دروازے کھلے ہیں۔ سوویت یونین سے ہمارے سیاسی اور سفارتی تعلقات ہیں اور نہ صرف اندازہ بلکہ اس موضوع پر مسلسل گفت و شنید جاری ہے۔

سوال : جناب! کیا ایسا کوئی امکان ہے کہ اسلامی وزرائے خارجہ کی کانفرنس میں کشمیر کا مسئلہ پیش کیا جائے یا کیا پاکستان نے گزشتہ بارہ سال کے دوران کبھی ایسا کرنے کی کوشش کی ہے؟

جواب : مسئلۂ کشمیر کے سلسلے میں اسلامی وزرائے خارجہ کی کانفرنس کے گزشتہ ریکارڈ سے میں پوری طرح واقف نہیں ہوں، لیکن اس سلسلے میں ہمارے پاس ایک فورم اقوامِ متحدہ کا موجود ہے۔

سوال : جناب! لارڈ کیرنگٹن کے ساتھ اپنے مذاکرات کے دوران کیا آپ نے دولتِ مشترکہ میں پاکستان کی دوبارہ شمولیت کے بارے میں بھی گفتگو کی؟

جواب : ہاں! ہم نے گفتگو کی اور اس سلسلے میں میں نے سالسبری میں اپنی پریس کانفرنس کے دوران مفصّل بیان دیا۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس سے واقف ہوں گے۔

سوال : پاکستان کی دولتِ مشترکہ میں دوبارہ شمولیت کی خواہش کس مجبوری کی بنا پر ہے؟

جواب : کوئی مجبوری نہیں جس طرح دولتِ مشترکہ سے نکلنے کی کوئی مجبوری نہ تھی،

اس طرح دوبارہ شمولیت کی کوئی مجبوری نہیں ۔ لیکن اس طرح آپ کو ایک فورم مل جاتا ہے جس سے پاکستان کو اپنے آپ کو محروم نہیں کرنا چاہئے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک موثر فورم ہے ۔

سوال : جناب! افغانستان نے ایک پانچ نکاتی منصوبہ تجویز کیا ہے جسے وہ اس علاقے میں امن اور سلامتی کا منصوبہ کہتے ہیں ۔ اس تجویز کے بارے میں پاکستان کا جوابی رویّہ کیا ہے ؟

جواب : افغانستان کی موجودہ حکومت کو تسلیم کرنے اور دو طرفہ مذاکرات کے سلسلے میں پاکستان اسلامی ملکوں کے وزرائے خارجہ کی کانفرنس کی قرارداد پہ کاربند ہے اور ہم اپنے عہد کو نبھانے کے ارادے پر قائم ہیں ۔

سوال : جناب! اندرونی معاملات کے سلسلے میں سوال ۔ کیا آپ کا وفاقی مشاورتی کونسل قائم کرنے کا کوئی پروگرام ہے ؟

جواب : اپنی آئندہ پریس کانفرنس میں آپ کو اس بارے میں مزید تفصیلات بتاؤں گا ۔

شکریہ !

پاکستان پائندہ باد

عوامی جمہوریہ چین کے وزیرِ اعظم کی جانب سے دیئے گئے عشائیے کے موقع پر خطاب

بیجنگ: ۲ مئی، ۱۹۸۰ء

عوامی جمہوریہ چین کے وزیرِ اعظم عزت مآب Hua Kuo Feng نے صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق اور اُن کے وفد کے ارکان کے اعزاز میں بیجنگ میں عشائیہ دیا۔ صدرِ پاکستان کو خوش آمدید کہتے ہوئے وزیرِ اعظم چین نے کہا کہ جب دنیا سن انیس سو اسی میں داخل ہوئی تو چین اور پاکستان کے مشترکہ ہمسائے اور غیر وابستہ اسلامی ملک افغانستان کو روسی سامراجیت کا شکار بننا پڑا۔ اس بارے میں چین پاکستان کی تشویش میں شریک ہے۔

صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے اپنی جوابی تقریر میں چین اور پاکستان کے مثالی دوستانہ تعلقات پر اطمینان کا اظہار کیا۔ انہوں نے افغانستان میں روسی جارحیت پر اظہارِ تشویش کرتے ہوئے روسی فوجوں کی فوری اور غیر مشروط واپسی کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے ایران کے اسلامی انقلاب کے ساتھ مکمل یکجہتی کا اظہار کیا۔ صدرِ پاکستان نے مشرقِ وسطیٰ کے پُر امن حل اور فلسطینیوں کے حقِ خود ارادیت کی بھی حمایت کی۔

عشائیے میں وزیرِ اعظم کے علاوہ نائب وزیر اعظم اور اُن کی اہلیہ، نیشنل پیپلز کانگریس کی سٹینڈنگ کمیٹی کے وائس چیئرمین، چینی وزیر خارجہ اور قومی دفاع کے وائس منسٹر نے بھی شرکت کی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيّٖنَ

عزّت مآب، وزیرِ اعظم ہوا کوفنگ،
نائب وزیرِ اعظم کنگ پیاؤ،
خواتین وحضرات!

السّلام علیکم۔ یہ امر میرے، میری اہلیہ اور میرے وفد کے ممبروں کے لئے عزّت اور فخر کا باعث ہے کہ ہم ایک بار پھر آپ کے عظیم ملک کے دَورے پر آئے ہیں۔ آپ کی حکومت اور آپ کے عظیم عوام نے جس گرمجوشی اور خلوص ومحبت کے ساتھ ہمارا استقبال کیا ہے، ہم اس سے بے حد متاثر ہوئے ہیں۔ چین کا دورہ ہمارے لئے ہمیشہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ہمارا موجودہ دورہ اس لئے بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ ہم ایسے وقت میں یہاں آئے ہیں جب کہ برّ اعظم ایشیا اور خاص طور پر ہمارے پڑوس میں سنگین نوعیت کے واقعات رونما ہوئے ہیں۔ ایک طرف مشرقِ وسطیٰ کی صورتِ حال بدستور تشویش کا باعث ہے اور دوسری طرف

ایشیا کے جنوب مشرقی اور جنوب مغربی علاقوں میں ایسے واقعات پیش آئے ہیں جن کی وجہ سے ان علاقوں کے ملکوں کی سلامتی اور استحکام کو نئے خطرات کا سامنا ہے۔

پاکستان کو اپنے جغرافیائی محل وقوع کی وجہ سے زیادہ تر تشویش افغانستان کے واقعات سے ہوئی ہے۔ ہمارے اس پڑوسی ملک پر فوجی مداخلت کے ذریعے قبضے کے بعد پاکستان میں پناہ گزینوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے جو ایک سنگین صورت اختیار کر چکا ہے۔ پناہ گزینوں کی تعداد اب سات لاکھ سے بڑھ چکی ہے جن میں اکثریت بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کی ہے جو اپنی عزّت و ناموس اور طرزِ زندگی کو بچانے کے لئے اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ پاکستان ان پناہ گزینوں کو صرف انسانی ہمدردی اور جذبۂ دینِ اسلام کے تحت خوراک اور رہائش فراہم کر رہا ہے جس کی وجہ سے پاکستان کے محدود وسائل پر زبردست اقتصادی بوجھ پڑا ہے۔

افغانستان میں فوجی مداخلت کی وجہ سے جو خطرناک نتائج پیدا ہو گئے ہیں وہ عالمی برادری کے لئے بڑی تشویش کا باعث ہیں۔ اس سلسلے میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی اور اسلامی کانفرنس کے وزرائے خارجہ نے افغانستان میں سوویت یونین کی مسلّح مداخلت کی مذمت کی ہے اور سوویت فوجوں کی غیر مشروط واپسی کا مطالبہ کیا ہے۔

یہ بات بڑی تشویش کا باعث ہے کہ عالمی برادری کے اس مطالبے پر عملدرآمد کے سلسلے میں اب تک کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ افغانستان میں سوویت یونین کے خلاف مزاحمت کی تحریک کو دبانے کے لئے فوجی اقدامات تیز تر کئے گئے ہیں جس کی وجہ سے پاکستان میں افغان مہاجرین کی آمد کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔

اسلامی وزرائے خارجہ کی کانفرنس جو اس ماہ کے وسط میں اسلام آباد میں ہونے والی ہے، اس صورتِ حال پر پھر غور کرے گی۔ پاکستان اس کانفرنس میں ان تمام

تعمیری تجویزوں کا مثبت جواب دے گا جن میں ملکوں کی آزادی، خود مختاری اور علاقائی سالمیت کے احترام کے ساتھ ساتھ ان کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کرنے کے اصولوں پر کاربند رہ کر افغانستان کے بحران کے حل میں مددگار ثابت ہوسکتی ہیں۔

پاکستان ہمیشہ انہی اصولوں کی بنیاد پر افغانستان کے ساتھ اپنے تعلقات استوار کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ پاکستان کی یہ کوشش رہی ہے کہ اس ملک کے ساتھ اچھے ہمسایوں جیسے تعلقات قائم ہوں۔ پاکستان کی یہ اولین خواہش ہے کہ افغانستان میں امن و استحکام قائم ہو جائے جس کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلے گا کہ پاکستان میں پناہ گزینوں کی آمد کا مزید سلسلہ ختم ہو جائے گا اور جو مہاجر پہلے ہی پاکستان آچکے ہیں وہ عزت و آبرو اور حفاظت کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس جا سکیں گے۔

جنوب مشرقی ایشیا میں بھی ایسی ہی صورتِ حال پائی جاتی ہے جہاں ایک زیادہ طاقتور پڑوسی ملک نے کمپوچیا میں فوجی مداخلت کر کے قبضہ کر لیا ہے۔ ویت نام نے عالمی برادری کی اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی والی قرارداد کی پروا کئے بغیر کمپوچیا پر بدستور فوجی قبضہ جما رکھا ہے۔ اس قرارداد میں جنرل اسمبلی نے ویت نام سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ اپنی فوجیں کمپوچیا سے نکال لے اور اس پر اپنا قبضہ ختم کر دے تاکہ کمپوچیا کے عوام کی آزادی اور خود مختاری بحال ہو سکے۔ کمپوچیا کا پڑوسی ملک تھائی لینڈ بھی پاکستان کی طرح پناہ گزینوں کے مسئلے سے دوچار ہے۔

ادھر خلیج فارس کے علاقے کو بھی بحران کا سامنا ہے جہاں بڑی طاقتوں کے درمیان اپنے اپنے مفادات کی وجہ سے کشمکش پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے اس علاقے کے ملکوں کی آزادی و خود مختاری اور سالمیت و استحکام کو خطرات درپیش ہیں۔

پاکستان نے ایران کے انقلاب کے ساتھ اپنی مکمل یک جہتی کا اظہار کیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ وہ یرغمالیوں کے مسئلے کو حل کرنے کے سلسلے میں ایران کے خلاف طاقت کے استعمال یا کسی قسم کے دباؤ کا مخالف ہے۔ ہم اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر کرٹ والڈ ہیم کے اس موقف کی حمایت کرتے ہیں کہ اس پیچیدہ مسئلے کے پُرامن حل کا بہترین راستہ یہ ہے کہ اقوام متحدہ ہی کے ذریعے اس کا حل تلاش کیا جائے۔ ایران کے خلاف طاقت کے استعمال کی اجازت نہیں دی جا سکتی اور اس کا کوئی جواز نہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ طاقت کے استعمال کا نتیجہ برعکس ہوگا۔

عالمی صورتِ حال کا جائزہ لینے پر یہ پتہ چلتا ہے کہ اس علاقے میں جو کشیدگی اور عدم استحکام پایا جاتا ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ فلسطین کے مسئلے کا کوئی منصفانہ حل تلاش نہیں کیا جا سکا۔ تقریباً تیس برس گزرنے کے باوجود بین الاقوامی برادری فلسطینی عوام کو حقِ خود اختیاری دلانے اور ان کے اپنے وطن میں ان کے لئے ایک آزاد اور خود مختار ریاست قائم کرنے کا بنیادی حق دلانے میں ناکام رہی ہے۔ افغانستان میں فوجی مداخلت اور ایران کی صورتِ حال کی وجہ سے یہ بات اور زیادہ فوری اہمیت اختیار کر گئی ہے کہ اس حقیقت کو بین الاقوامی طور پر تسلیم کر لیا جائے۔ پاکستان نے عربوں کے جائز موقف کی برابر حمایت کی ہے اور ہم نے بین الاقوامی سطح پر کی جانے والی ان کوششوں میں اپنا کردار ادا کیا ہے جو عرب علاقوں سے اسرائیلی فوجوں کی واپسی کے سلسلے میں کی جاتی رہی ہیں۔

جنوبی ایشیا میں امن و استحکام کے لئے اور پڑوسی ملکوں سے اچھے تعلقات استوار کرنے کی پالیسی کے تحت پاکستان نے شملہ سمجھوتے کے مطابق ہندوستان کے ساتھ اپنے تعلقات معمول پر لانے کی پرخلوص کوششیں کی ہیں۔ ہم نے بہتر تعلقات کے قیام

کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے اور دونوں ملکوں کے درمیان تعاون کی فضا پیدا کرنے کے سلسلے میں مختلف سطحوں پر بات چیت کا سلسلہ جاری رکھا ہے، جس کے نتیجے میں اس سمجھوتے کی ایک شق کے سوا جس کا تعلق جموں و کشمیر کے تنازعے سے ہے، تمام شقوں پر عملدرآمد کر لیا گیا ہے۔ ہماری یہ پوری کوشش ہوگی کہ ہم شملہ سمجھوتے کے جذبے اور اقوام متحدہ کی متعلقہ قراردادوں کے مطابق اس تصفیہ طلب مسئلے کا منصفانہ حل تلاش کر لیں۔

دورِ حاضر کے حالات و واقعات اور مستقبل کی صورتِ حال کا جائزہ لیتے وقت ہمیں تاریک فضا میں روشنی کی کرن پر نظر رکھنی چاہئے۔ امن پسند اور ترقی پسند قوموں کو ان دشواریوں کے باوجود برابر کامیابیاں حاصل ہو رہی ہیں۔ اگرچہ وقتی طور پر افغانستان اور کمپوچیا پر بیرونی تسلّط ہے تو زمبابوے کو نوآبادیاتی تسلط سے نجات مل گئی ہے اور نمیبیا بھی اس سے آزاد ہونے والا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ جنوبی افریقہ بھی بہت جلد نسلی، سیاسی اور معاشی استحصال سے مکمل طور پر آزاد ہو جائے گا۔ حال ہی میں مَیں نے زمبابوے کی آزادی کی تقریبات میں شرکت کی ہے جہاں آپ کی حکومت کی نمائندگی عزّت مآب وزیرِ خارجہ ہوانگ ہوا کر رہے تھے۔ ہمارے ملکوں نے زمبابوے کے عوام کو آزادی کے حصول میں اپنی اپنی بساط کے مطابق امداد دی ہے اور یہ دونوں ملک ان کی خوشیوں میں شریک تھے۔ سالسبری کے دورے میں، میں نے جہاں دنیا کے مختلف ملکوں کے لیڈروں سے ملاقاتیں کی ہیں، وہاں ہندوستان کی وزیرِاعظم مسز اندرا گاندھی سے بھی ملاقات کی ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ ملاقات آئندہ چل کر بارآور ثابت ہوگی اور دونوں ملکوں کے تعلقات بہتر بنانے میں مددگار ہوگی۔

پاکستان ایک اسلامی ملک ہے جو اپنے عظیم دین کی تعلیم کے مطابق عالمی امن اور بھائی چارے کا خواہاں ہے۔ پاکستان کی اساس اسلامی نظریہ ہے اور اسے

اسلام کے مسلمہ سنہری اصولوں پر کاربند رہنا ہے۔
پاکستان امن وخوشحالی کے لئے کوشاں ہے۔ پاکستان کے لئے یہ بات باعثِ تقویت ہے کہ ان مقاصد کے حصول کے سلسلے میں نہ صرف چین اور پاکستان ایک دوسرے کے ہم خیال ہیں بلکہ پاکستان کو اس بارے میں چین کی بھرپور حمایت حاصل ہے۔ ہمارے دونوں ملکوں نے ایک دوسرے کے ساتھ اور دیگر امن پسند ملکوں کے ساتھ قوموں کی آزادی، خودمختاری اور علاقائی سالمیت کے تحفظ اور نوآبادیاتی اور بیرونی تسلط کے شکار ملکوں کے حقِ خوداختیاری کی حمایت میں تعاون کیا ہے۔ پاکستان اور چین ہر قسم کی جارحیت، مداخلت اور غلبے کے خلاف ایک دوسرے کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں۔ دونوں ملکوں نے ہر قسم کے سامراجی اور نوآبادیاتی عزائم کی مخالفت کا تہیہ کر رکھا ہے۔ پاکستان اور چین کے تعلقات کسی ملک کے خلاف نہیں ہیں۔ یہ دوستی کے اصولوں پر مبنی ہیں۔ اس کی بنیاد دونوں ملکوں کے عوام کے مفادات اور ان کی امن پسند پالیسیوں پر رکھی گئی ہے۔
عزت مآب! ہم اس دوستی اور ان تعلقات پر بجا طور پر مسرت واطمینان کا اظہار کرتے ہیں۔ ہمارے دونوں ملکوں کے درمیان کئی شعبوں میں تعاون پایا جاتا ہے۔ اس تعاون میں پچھلے برسوں میں قابلِ قدر اضافہ ہوا ہے۔ چین نے نہ صرف ہمیں اپنی بساط کے مطابق ہر ممکن فوجی امداد فراہم کی ہے بلکہ اس نے ہمیں صنعتی اور اقتصادی امداد بھی دی ہے۔ جن منصوبوں کے لئے چین نے خصوصی اور بھاری امداد فراہم کی ہے ان میں ہیوی میکنیکل کمپلیکس اور ہیوی فورج اینڈ فاونڈری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ منصوبے ہماری دوستی اور تعاون کی زندہ مثالیں ہیں۔ اسلام آباد اسپورٹس کمپلیکس جب مکمل ہو جائے گا تو اس سے چین اور پاکستان کے عوام کے درمیان ثقافت اور

کھیلوں کے شعبوں میں قریبی تعلقات میں اور زیادہ اضافہ ہوگا۔

شاہراہ قراقرم جس کا افتتاح جون ۱۹۷۸ء میں ہوا، ہمارے دونوں ملکوں کے درمیان نہ صرف ایک شاہراہ ہے بلکہ دوستی اور تعاون کا ایک ایسا عظیم نمونہ ہے جس کی ایک ایک سانچ دوستی کے اس جذبے کا اظہار کرتی ہے چین نے ایک ترقی پذیر ملک ہونے کے باوجود اپنے محدود وسائل اپنی ہی ضروریات پر خرچ کرنے کی بجائے ہمیں جو بھرپور امداد دی ہے، میں اس پر چین کی حکومت کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں عزت مآب کے ذریعے پاکستان کے عوام کی طرف سے محبت، عزت و احترام اور خیر سگالی کے جذبات چینی عوام تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ چین اور پاکستان کے عوام کی دوستی اتنی ہی مضبوط، پائیدار، مستحکم اور لازوال ہے جتنی عظیم دیوارِ چین۔

معزز خواتین و حضرات ! اب میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے ساتھ روایتی انداز میں نیک تمناؤں کے اظہار میں شریک ہوں۔

- عالی مرتبت، وزیرِ اعظم ہوا کو فنگ کی صحت اور درازئ عمر کے لئے،
- عالی مرتبت، نائب وزیرِ اعظم کنگ پیاؤ اور مادام چاؤ لان کی صحت اور درازئ عمر کے لئے،
- دوسرے عزیز چینی دوستوں اور معزز مہمانوں کی صحت اور درازئ عمر کے لئے،
- عظیم چینی عوام کی ترقی اور خوشحالی کے لئے اور
- چین اور پاکستان کے عوام کی لازوال دوستی کے لئے۔

پاک چین دوستی زندہ باد

اسلامی وزرائے خارجہ کانفرنس کے گیارھویں اجلاس سے خطاب

(انگریزی سے ترجمہ)

اسلام آباد: ۱۷ مئی، ۱۹۸۰ء

اسلامی وزرائے خارجہ کانفرنس کا گیارھواں اجلاس اسلام آباد میں منعقد ہوا۔ کانفرنس میں تمام چالیس رکن ممالک کے نمائندے شریک ہوئے۔ پاکستان کے وزیرِ خارجہ جناب آغا شاہی کو کانفرنس کا چیئرمین چنا گیا اور جناب حبیب شطی نے کانفرنس کے سیکرٹری جنرل کی حیثیت سے اپنے عہدے کا حلف اٹھایا۔ پاکستان کے سیاسی قائدین میاں طفیل محمد، جناب تاج محمد جمالی، چوہدری ظہور الٰہی، خواجہ محمد صفدر، مسز عابدہ حسین، جناب بلخ شیر مزاری اور جناب تیمور جوگزئی نے بھی افتتاحی تقریب میں شرکت کی۔

صدرِ پاکستان نے اپنے افتتاحی خطاب میں عالمِ اسلام کو درپیش مسائل کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کہ ایک طرف ملّت کو نظریاتی چیلنج کا سامنا ہے تو دوسری طرف اسے سامراجی معاشی اور اقتصادی استحصال کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ وزرائے خارجہ کا یہ اجلاس ان تمام مسائل کا جائزہ لے گا اور مندوبین اپنے تجربے اور علم و فراست سے ان کا حل تلاش کرنے میں کامیاب ہوں گے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ۔

جناب چیئرمین، عالی مقام بوسیتہ صاحب،

اسلامی کانفرنس کے سیکریٹری جنرل، محترم حبیب شطّی صاحب،

ذی قدر وزرائے خارجہ،

مندوبینِ گرامی

اور

معزز خواتین و حضرات!

السلام علیکم۔ یہ میرے لئے اور میرے ملک کے لئے بہت بڑا اعزاز ہے کہ اسلامی وزرائے خارجہ کا گیارھواں باقاعدہ اجلاس پاکستان میں منعقد ہو رہا ہے۔ ایک ایسا ہی اعزاز ہمیں چار ماہ پہلے بھی حاصل ہوا تھا جب اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دار الحکومت میں اسلامی وزرائے خارجہ کا غیر معمولی اجلاس منعقد ہوا تھا۔ یہ دونوں اعزاز ہمارے عوام کی امنگوں کے عین مطابق اور ہمارے بنیادی نظریے کے سچے آئینہ دار ہیں۔ ان تقریبات کی ایک اضافی

اور قابلِ قدر خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ پندرھویں صدی ہجری کی آمد آمد کے موقع پر منعقد ہوئی ہیں۔ ہم اس عزت افزائی کے لئے اسلامی کانفرنس کے شکرگزار اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے احسان مند ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ باریٔ تعالیٰ اِس اجلاس کو کامیاب فرمائیں۔ آمین!

اسلام سے ہماری محبت اور اسلامی ممالک کے ساتھ ہماری دوستی تازہ حالات کی پیداوار نہیں۔ اس کے سرچشمے ہماری روح اور ہمارے ایمان میں ہیں۔ اس کا اظہار ہم نہ صرف قیامِ پاکستان کے بعد بلکہ تحریکِ پاکستان کے دوران بھی کرتے رہے ہیں۔ مجھے یاد ہے پاکستان بننے سے کوئی پانچ سال پہلے ہمارے بابائے قوم حضرت قائدِ اعظم محمدّ علی جناح نے عید الفطر کے موقع پر فرمایا تھا:

"آج جب ہم اپنی آزادی کی جدوجہد میں مصروف ہیں ہمیں اپنے ان بھائیوں کو نہیں بھولنا چاہیئے جو دنیا کے دوسرے حصّوں میں اسی طرح کی تگ ودَو کر رہے ہیں۔ آیئے ان کی کامیابی کے لئے دعا کریں، ساتھ ہی ساتھ ان مسلمان ممالک کے لئے بھی دعا کریں جو ماشاء اللہ آزاد اور خودمختار ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اپنی آزادی اور خودمختاری برقرار رکھنے میں اپنی تائید وحمایت سے نوازے"

عہدِ ماضی اور دورِ حاضر میں اسلامی ممالک کے ساتھ رشتۂ اخوت استوار کرنے کی بنیادی وجہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ مسلمانانِ عالم خواہ وہ کہیں بھی بستے ہوں، جو لباس بھی پہنتے ہوں، جو زبان بھی بولتے ہوں، ایک امّت کے رُکن ہیں۔ ان کے غم اور ان کی خوشیاں ایک ہیں۔ اُن کا وجود، وجودِ واحد ہے جس کے ایک حصّے کو زک پہنچے تو اس کا درد سارے جسم کو محسوس ہونا چاہیئے اور اگر ان میں سے ایک کسی کامیابی سے ہمکنار ہو تو سارے عالمِ اسلام کو اس کی خوشیوں میں شریک ہونا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے ہمیشہ اپنے مسلمان بھائیوں کا خوشی وغمی میں ساتھ دیا ہے خواہ ان کا تعلق افریقہ کے کسی دُور دراز علاقے سے ہو یا مشرقِ بعید کے کسی جزیرے سے، خواہ ان کی تگ ودَو نسلی امتیاز کے خلاف ہو یا سامراجی تسلّط کے۔ ہم ان افریقی ممالک کی خوشیوں میں شریک ہیں جنہوں نے پچھلے

چند سالوں میں آزادی حاصل کی اور اُن ممالک کے ساتھ اپنی اخوت اور حمایت کا اظہار کرتے ہیں جو آج کل ہر قسم کے استحصال کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں۔ افریقی مسلمانوں کی آزادی اور خود مختاری عالمِ اسلام کی قوت اور عظمت میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے یہ بھائی دیگر اسلامی ممالک کے ساتھ مل کر عالمی امن اور انسانی برادری کی خوشحالی کے لئے اہم کردار ادا کریں گے۔

حاضرینِ عالی قدر!

آج عالمِ اسلام ایک نئے بحران سے دوچار ہے۔ یہ بحران کسی ایک محاذ یا کسی ایک سمت تک محدود نہیں، اس کے کئی پہلو اور کئی رُخ ہیں۔ ایک طرف اس کو نظریاتی چیلنج کا سامنا ہے تو دوسری طرف اسے معاشی اور اقتصادی استحصال کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ کہیں اس کے اتحاد اور یک جہتی میں رخنے ڈالنے کی کوشش کی جا رہی ہے تو کہیں اسلامی ممالک کی آزادی و خود مختاری کے لئے نئے خطرات پیدا کئے جا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اسلام کا قبلۂ اوّل ابھی تک غیروں کے قبضے میں ہے، عربوں کی سرزمین پر غاصبانہ تسلّط ہے، فلسطین کے مہاجر اپنے حقوق سے محروم ہیں، ایران کو نت نئی دھمکیوں کا سامنا ہے اور افغانستان میں غیر ملکی فوجیں بھاری تعداد میں موجود ہیں۔

مجھے امید ہے کہ وزرائے خارجہ کا یہ اجلاس ان تمام مسائل کا جائزہ لے گا اور اس کے مندوبین اپنے تجربے اور علم و فراست کے ذریعے ان کا حل تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔ میرے لئے اس مختصر تقریر میں ممکن نہیں کہ میں تمام نئے اور پرانے، نظریاتی اور سیاسی مسائل پر اظہارِ خیال کر سکوں، اس لئے میں بنیادی طور پر چند اہم مسائل کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

سب سے پہلے میں مسئلۂ افغانستان کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو ساری دنیا کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اس مسئلے پر وزرائے خارجہ کی گزشتہ کانفرنس میں غور کیا گیا اور حالات کو بہتر بنانے کے لئے قراردادوں کی شکل میں بعض اقدامات کا مطالبہ کیا گیا۔ یہ بڑے افسوس

اور دکھ کا مقام ہے کہ اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کی بھاری تعداد اور اسلامی کانفرنس کے وزرائے خارجہ کے متفقہ مطالبے کے باوجود افغانستان کی صورتِ حال میں کوئی مثبت تبدیلی نہیں ہوئی۔ اب بھی وہاں غیر ملکی فوجیں بھاری تعداد میں موجود ہیں، اب بھی وہاں کے عوام اپنی مرضی کی حکومت قائم کرنے اور اپنی روایات کے مطابق زندگی گزارنے کے حق سے محروم ہیں، اب بھی وہاں کے حالات سے تنگ آکر مرد، عورتیں اور بچّے اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہیں۔ کیا غیر معیّنہ عرصے کے لئے یہی صورتِ حال قائم رہے گی؟ کیا بوڑھے، بچّے اور نادار لوگ یوں ہی بے گھر ہوتے رہیں گے؟ کیا یہ ان کا پیدائشی حق نہیں کہ وہ اپنے وطن میں عزّت و ناموس کے ساتھ زندگی بسر کریں اور کیا یہ پوری عالمی برادری کا فرض نہیں کہ وہ انہیں ان کا یہ حق دلانے کے لئے پوری کوشش کرے اور اس بات کا عہد کرے کہ جب تک غیور اور بہادر افغان لوگوں کو اپنا حق نہیں مل جاتا، وہ خاموش نہیں بیٹھیں گے۔ میں اس کانفرنس سے بھی درخواست کروں گا کہ وہ اس مسئلے پر ازسرِنو غور کرنے کے ساتھ ساتھ ایک ایسی مستقل کمیٹی قائم کرنے کا بھی جائزہ لے جس کا واحد کام یہ ہو کہ وہ افغانستان کے حالات کو متواتر پیشِ نظر رکھے، باقاعدگی سے اس پر غور کرے اور افغانستان سے متعلق اس کانفرنس کے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرے۔

اس مستقل کمیٹی کے قیام کے علاوہ میں اس کانفرنس سے یہ بھی توقّع کروں گا کہ وہ گزشتہ چار مہینوں کے واقعات اور تجربات کی روشنی میں مسئلۂ افغانستان کا پوری سنجیدگی سے جائزہ لے اور اپنی سوچ بچار اور عقل و دانش کو اس بات پر صَرف کرے کہ المیۂ افغانستان کو بلا تاخیر پُرامن طور پر کس طرح حل کیا جا سکتا ہے تاکہ وہاں کے باشندے آزادی، عزّت اور وقار کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔

میری اس اپیل کے پیچھے نہ صرف بقائے باہمی کے وہ اصول ہیں جو اقوامِ متّحدہ کے

منشور میں درج ہیں بلکہ میرے پیشِ نظر افغانستان کے ساتھ ہمارے صدیوں پرانے مذہبی اور ثقافتی تعلقات بھی ہیں جن کی وجہ سے ہمیں اپنے افغان بھائیوں کے حالات پر قدرتی طور پر تشویش ہے۔ میں اس موقعے پر پاکستان کی اِس پیشکش کی تجدید کرتا ہوں کہ ہم ہر اُس بین الاقوامی کوشش کا ساتھ دیں گے جس کے ذریعے افغانستان سے روسی فوجیں واپس جا سکیں اور افغانستان دوبارہ ایک آزاد اور غیر جانبدار ملک بن سکے۔

مسئلہ افغانستان میں پاکستان کو اس لئے بھی خاص دلچسپی ہے کہ وہاں کی بگڑتی ہوئی صورتِ حال سے تنگ آکر افغان باشندے ہماری سرزمین پر پناہ لینے پر مجبور ہو چکے ہیں۔ ان مہاجرین میں جن کی تعداد ساڑھے سات لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے، بوڑھے، بچے، مرد اور عورتیں شامل ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ لاکھوں انسان اپنا گھر بار چھوڑنے پر کیوں مجبور ہوئے۔ یہ عورتیں اور بچے اپنے گھر کی محفوظ چار دیواری ترک کر کے سردی اور گرمی میں کھلے آسمان تلے شب و روز کیوں گزارنے لگے؟ ہم سب جانتے ہیں کہ کوئی شخص بلا وجہ اپنے گھر بار کو خیرباد نہیں کہتا۔ ان مجبور و بے کس مہاجرین کا المیہ یہ ہے کہ ان کے اپنے وطن میں غیر ملکی فوجوں کا قبضہ ہے۔ وہاں ان کی جان، ان کی عزت اور ان کی اقدار غیر محفوظ ہیں۔

ہم محض انسانی ہمدردی اور جذبۂ اسلامی کے تحت ان کو بنیادی ضروریاتِ زندگی مہیا کر رہے ہیں اور انشاء اللہ کرتے رہیں گے لیکن ہمارے وسائل محدود ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ حال ہی میں بعض بین الاقوامی اداروں اور اسلامی ملکوں نے اس کارِ خیر میں ہمارا ہاتھ بٹانا شروع کیا ہے جس کے لئے میں اپنی اور حکومتِ پاکستان کی طرف سے ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

دوسرا مسئلہ مشرقِ وسطیٰ سے متعلق ہے جہاں اسرائیل بدستور اخلاق، انصاف اور مسلّمہ بین الاقوامی اصولوں اور قوانین کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ امن کی کوششوں میں اسرائیل

کی نام نہاد دلچسپی کے پسِ پردہ اس کا یہ جذبہ کارفرما ہے کہ وہ عرب مقبوضہ علاقوں پر اپنا تسلط برقرار رکھے۔ حکومتِ پاکستان کا غیر متزلزل موقف یہ ہے کہ صدقِ دل سے فلسطینی عوام کے حقِ خود مختاری کو تسلیم کیا جائے، بیت المقدس سمیت تمام مقبوضہ عرب علاقوں کو خالی کیا جائے اور فلسطینی عوام کو ان کے بنیادی قومی حقوق دیئے جائیں تاکہ وہ اپنی آزاد اور خود مختار ریاست قائم کر سکیں۔ ہمارا پختہ یقین ہے کہ جب تک ان بنیادی تقاضوں کو پورا نہیں کیا جاتا مشرقِ وسطیٰ میں دیرپا امن قائم نہیں ہو سکتا۔

اسرائیل عالمی رائے عامہ کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے عرب علاقوں پر قابض ہے۔ وہ غصب کردہ زمینوں پر یہودی بستیاں قائم کر رہا ہے اور بدستور لبنان کو جارحیت کا نشانہ بنا رہا ہے۔ اِدھر یہ کانفرنس شروع ہونے والی تھی اور اُدھر اسرائیل نے اسلامی دنیا کو ایک نئے چیلنج سے دوچار کر دیا ہے۔ یہ چیلنج ان اقدامات کی شکل میں ہے جو اس نے "القدس کو اپنا مستقل حصہ بنانے کے لئے کئے ہیں۔ یہ اسرائیلی کارروائی عالمی برادری کی اُن خواہشات اور تمنّاؤں کے سراسر منافی ہے جن کا اظہار اقوامِ متحدہ کی قراردادوں میں کیا گیا ہے۔ یہ قراردادیں ایسے اقدامات کو بین الاقوامی قانون کے منافی اور ہر لحاظ سے کالعدم قرار دیتی ہیں۔ "القدس کمیٹی" نے اسرائیل کی اس تازہ اشتعال انگیز کارروائی کے خلاف مؤثر اقدامات کے لئے سلامتی کونسل کا اجلاس بلانے کا مطالبہ کر کے بالکل صحیح اور بروقت فیصلہ کیا ہے۔ اسرائیل کی ان کارروائیوں سے عالمی امن اور سلامتی کو سنگین خطرات درپیش ہیں۔ اِس کانفرنس کو اس اہم اور سنگین مسئلے پر غور کرنا ہوگا تاکہ اس کا منصفانہ حل تلاش کرنے میں مدد مل سکے۔

یہاں میں اس بات کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہمارے اعتقاد اور اندازِ فکر کے مطابق مشرقِ وسطیٰ کا بحران صرف عرب ممالک کا مسئلہ نہیں، افغانستان کی صورتِ حال صرف اس کے پڑوسی ممالک کے لئے لمحۂ فکریہ نہیں، ایران کی مشکلات صرف ایران کی سردردی

نہیں — بلکہ عالمِ اسلام کا چپہ چپہ خواہ اس کا تعلق افریقہ کے کسی ملک سے ہو یا ایشیا کے کسی خطّے سے، پوری اسلامی دنیا کے لئے قابلِ توجہ اور باعثِ فکر ہے۔ اگر آج ہم نے ایک اسلامی ملک کے خلاف جارحیت کی مذمت کے لئے متفقہ موقف اختیار نہ کیا تو آج جس مصیبت کا شکار ہمارا ایک بھائی ہے، کل اس کا نشانہ ہم میں سے کوئی اور بھی بن سکتا ہے۔

مندوبینِ گرامی!

ایران میں اسلامی انقلاب کی کامیابی عالمِ اسلام کے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ ایرانی عوام ایک نیا معاشرہ تشکیل دینے کے لئے عظیم جدوجہد کر رہے ہیں۔ انہیں کسی بیرونی مداخلت یا دباؤ کے بغیر اپنے اس مشن کو جاری رکھنے کا پورا حق حاصل ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ ایرانی عوام بین الاقوامی سطح پر اپنی جدوجہد کو ایک غیر جانبدار اسلامی انقلاب کی حیثیت سے روشناس کرانا چاہتے ہیں اور ہم ان کی اس عظیم کوشش میں ان کے ساتھ ہیں۔ ہمیں اس بات پر بڑی تشویش ہے کہ ایران کے خلاف دباؤ اور طاقت کے استعمال کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔

حال ہی میں امریکی حکومت نے یرغمالیوں کی رہائی کے لئے فوجی کارروائی کرنے کا جو فیصلہ کیا تھا وہ نامناسب اور افسوسناک تھا، ہم نے اس ناکام کارروائی کی اطلاع پاتے ہی بلا جھجک اس کی مذمت کی تھی اور اپنے ایرانی بھائیوں کی حمایت کا برملا اظہار کیا تھا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یرغمالیوں کا مسئلہ طاقت یا دھمکیوں کے زور سے نہیں، باہمی صلاح مشورے اور پُرامن بات چیت کے ذریعے ہی حل ہو سکتا ہے۔

چوتھا مسئلہ جس کی طرف میں آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں، یہ افسوسناک عالمی رجحان ہے کہ بڑی طاقتیں چھوٹے ملکوں کو اپنے علاقے کے مسائل خود حل کرنے کا موقع دینے کی بجائے ان کے معاملات میں برابر مداخلت کر رہی ہیں۔ یہ رجحان نہایت پُرخطر اور افسوسناک ہے کسی بیرونی

طاقت کو یہاں کے عوام کی مرضی کے بغیر اس علاقے پر اپنے نظریات مسلط کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم جہاں پورے زورِ بیان سے افغانستان میں روسی فوجوں کی موجودگی کی مخالفت کرتے ہیں، وہاں نہایت واضح اور دو ٹوک الفاظ میں اس امریکی پالیسی کی بھی تنقید کرتے ہیں جس کے تحت اس نے دھمکی آمیز انداز میں ایران کے نواحی سمندر میں اپنی بحری فوجیں متعیّن کر رکھی ہیں۔

بڑی طاقتوں کے اس خطرناک رویے پر بھی اس کانفرنس کو غور کرنا ہوگا تاکہ مختلف تدابیر پر عمل کر کے اس علاقے میں بڑھتی ہوئی کشیدگی کم کی جاسکے اور علاقائی اور عالمی امن کو درپیش خطرات دور کئے جاسکیں۔

ایک اور اہم مسئلہ، مسئلۂ جموں و کشمیر ہے جو ایک عرصے سے حل طلب چلا آرہا ہے۔ کشمیری عوام ابھی تک حقِ خود ارادیت سے محروم ہیں۔ یہ مسئلہ حل ہو جانے سے نہ صرف پاک بھارت تعلقات بہتر ہو جائیں گے بلکہ اس علاقے میں امن اور استحکام کو فروغ دینے میں بھی مدد ملے گی۔ ہم اس مسئلے کو شملہ معاہدے اور اقوامِ متحدہ کی قرار دادوں کے مطابق حل کرنا چاہتے ہیں۔

مندوبینِ ذی قدر!

مجھے یقین ہے کہ آپ عالمِ اسلام کو درپیش تمام اہم مسائل کا فاضلانہ جائزہ لیں گے اور آئندہ چار دنوں میں مفصّل غور و خوض کے بعد مفید نتائج تک پہنچیں گے، لیکن اگر آپ اجازت دیں تو چند تجاویز میں بھی آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

۔ پہلی بات عالمِ اسلام کے اتحاد اور یک جہتی سے متعلق ہے۔ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں کہ قرآنِ حکیم میں امّتِ اسلامیہ کے اتحاد پر کتنا زور دیا گیا ہے۔ آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے بیشتر مسلمان ممالک آزاد ہیں۔ وہ اگرچہ دنیا کے مختلف حصّوں میں واقع ہیں، لیکن ان کی مشترکہ قدر ان کا دین ہے جس کے دو ابدی سرچشمے ۔ قرآن مجید اور اسوۂ رسول صلعم۔ ہمارے پاس موجود ہیں۔ رُشد و ہدایت کے انہی سرچشموں کو ہمیں اپنے اتحاد کی بنیاد بنانا چاہئے

اور اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ اگر اسلامی برادری کے دو ممبروں کے درمیان کوئی رنجش یا ناراضگی پیدا ہو جائے تو اسے خوشگوار طریقے سے دور کر دیا جائے۔ یہی ہمارے دین کا فرمان ہے۔

— دوسرا پہلو اس امۂ اسلامیہ کی حفاظت اور دفاع ہے جس کا ایک تقاضا تو اس کے اتحاد اور یکجہتی سے پورا ہو جائے گا لیکن اس سلسلے میں مزید کاوشوں کی ضرورت ہے۔ میں نے گزشتہ کانفرنس میں مشترکہ دفاع کی تجویز پیش کی تھی اور مجھے خوشی ہے کہ اکثر ارکان نے اسے پسند کیا اور اسے موجودہ کانفرنس کے ایجنڈے میں شامل فرمایا۔ میں نے جب یہ تجویز پیش کی تھی تو میرے پیش نظر یہ مقصد نہیں تھا کہ تمام مسلم ممالک کی افواج کو ایک سپریم کمانڈر کی قیادت میں دے دیا جائے، نہ میرا مطلب یہ تھا کہ ہم اپنی فوجوں کو متحد کر کے خدانخواستہ کسی اور ملک کے خلاف محاذ آرائی کر دیں — ہرگز نہیں — میرا مقصد صرف یہ تھا کہ ہم مسلمان ممالک کی سلامتی کو درپیش خطرات کو ایک امہ، ایک ملت اور فردِ واحد کی نظر سے دیکھیں، اپنے نقطۂ نظر اور اپنے موقف میں یگانگت پیدا کریں، باہمی وسائل یعنی افرادی قوت، معدنیات، زراعت، صنعت وغیرہ کو باہمی مفاد اور باہمی ترقی کے لئے استعمال کریں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مختلف شکلوں میں اتنی نعمتیں دی ہیں کہ وہ اگر متحد ہو کر انہیں ایک عظیم تر مقصد کے لئے بروئے کار لائیں تو کوئی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔

— تیسری اور آخری تجویز یہ ہے کہ ہمیں اپنے اسلامی ورثے اور اپنے ملی تشخص کو محفوظ کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ آج اسلامی دنیا میں احیائے اسلام کی جو فضا پیدا ہو چکی ہے وہ بہت خوش آئند اور حوصلہ افزا ہے۔ مختلف ملکوں میں بسنے والے لوگوں میں یہ احساس ابھر رہا ہے کہ ہمیں اپنی اسلامی اقدار کو تازہ کرنا چاہئے اور اپنے خیالات اور نظریات کو اسلامی رنگ میں پیش کرنا چاہئے۔ اس طرح کی ایک کوشش ایک بین الاقوامی اسلامی تنظیم نے "عالمی منشورِ اسلامی" کی شکل میں کی ہے۔ یہ "منشور" دورِ حاضر میں مسلمانوں کو

درپیش مسائل پر بڑی مفید روشنی ڈالتا ہے۔ اس کتابچے کی ایک ایک نقل آپ کی نشست کے پاس رکھی گئی ہے۔ امید ہے آپ اس سے استفادہ کریں گے۔

حاضرینِ گرامی!

درحقیقت احیائے اسلام اور اسلامی اقدار کا یہ شعور ہی ہمارے عمل کا سرچشمہ ہے۔ اس کا کچھ اظہار آپ نے ہمارے عوام کے جوش اور ولولے میں پایا ہوگا اور اس کی کچھ جھلکیاں آپ کو اس والہانہ استقبال میں نظر آئی ہوں گی جس کا مظاہرہ راولپنڈی اور اسلام آباد کے لوگوں نے کیا ہے۔ یہی اسلامی شعور اس جذبۂ اخوت میں بھی کارفرما ہے جس کے تحت ہم ایک طرف اپنے مصیبت زدہ افغان بھائیوں کو ضروریاتِ زندگی مہیا کر رہے ہیں اور دوسری طرف اپنے بے گھر فلسطینی بھائیوں کو ان کے حقوق دلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم اپنی استطاعت اور اپنے وسائل کے مطابق اپنی یہ کوششیں اس وقت تک جاری رکھیں گے جب تک فلسطینی عوام اپنا علیحدہ وطن حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو جاتے اور ہم ان کے شانہ بہ شانہ مسجد الاقصیٰ میں نمازِ شکرانہ ادا نہیں کر لیتے۔

مندوبینِ ذی قدر!

تہنیت، دوستی اور اخوت کے جن جذبات کا اظہار اور اسلامی بھائی چارے کے تقاضے پورے کرنے کا جو عہد اس سٹیج سے میں کر رہا ہوں، وہ محض میرا ذاتی جذبہ یا صرف میرا ذاتی وعدہ نہیں بلکہ یہ پاکستان کے آٹھ کروڑ عوام کے دل کی آواز ہے جو اسلام اور مسلمان بھائیوں کے لئے گہری عقیدت اور محبت کے جذبات رکھتے ہیں۔

ہمارے عوام کے لئے یہ کانفرنس نہ صرف ان کی تمناؤں کے اظہار کا مقام ہے بلکہ وہ اسے اپنی امیدوں کو بر لانے کا ایک مفید ذریعہ بھی سمجھتے ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ آپ آئندہ چند روز میں جو غور و فکر کریں گے اور جن فیصلوں تک پہنچیں گے ان سے

امۂ اسلامیہ کے اتحاد، استحکام اور اس کے روحانی احیاء کو تقویت ملے گی۔ آج کل اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ساری دنیا کے مسلمانوں میں غیر معمولی جذبہ اور جوش پایا جاتا ہے۔ میں امید اور دعا کرتا ہوں کہ اسلامی کانفرنس انہیں وہ ہدایت اور راہنمائی مہیا کر سکے جس کے وہ خواہاں اور ضرورت مند ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی کوششوں کو بارآور فرمائے۔ آمین!

پاکستان پائندہ باد

اسلامی اتحاد زندہ باد

اسلامی نظریاتی کونسل سے خطاب

اسلام آباد: ۲۷ مئی، ۱۹۸۰ء

مئی ۱۹۸۰ء میں ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب نے اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین کا عہدہ سنبھالا۔ اس سے پہلے مسٹر جسٹس محمد افضل چیمہ کونسل کے صدر تھے۔ اُن کے رابطۂ عالمِ اسلامی کے مشرقی ریجن کے ڈپٹی سیکریٹری جنرل چُنے جانے پر ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن نے یہ منصب سنبھالا۔ اس موقع پر ایک تقریب منعقد ہوئی جس سے صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے خطاب کیا۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنی طرف سے افغان مہاجرین کی مدد کے لئے چودہ ہزار دو سو پچاس روپے کا ایک چیک بھی صدرِ پاکستان کی خدمت میں پیش کیا۔

صدرِ پاکستان نے اپنے خطاب میں کونسل کی اس وقت تک کی کارگزاری کو سراہا اور بعض سفارشات پر عملدرآمد کرنے میں درپیش مشکلات کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان میں نظامِ اسلام کے نفاذ کے تین پہلو ہیں۔ اول قوانین کا نفاذ، دوسرے معیشت اور تیسرے معاشرت کی تشکیلِ نو۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ اسلامی نظریاتی کونسل ان تینوں کی طرف فوری توجہ دے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ۔

جناب جسٹس چیمہ صاحب،

جسٹس تنزیل الرحمٰن صاحب،

خاتونِ گرامی،

معزز حاضرین!

السلام علیکم - ایک بار میں پہلے بھی آیا تھا اور آپ سے کچھ گزارشات کی تھیں۔ یہ ستمبر، ۱۹۷۷ء کی بات ہے۔ اس کے بعد آج آیا ہوں - آج میرے آنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ کونسل اور اس کی کارکردگی کے بارے میں کچھ اپنے خیالات کا اظہار کروں اور کچھ اس سلسلے میں لوگوں کے تاثرات بیان کروں جن کا ذکر چیمہ صاحب نے کافی تفصیل سے کر دیا ہے - اس موقع پر جب اسلامی نظریاتی کونسل کے نئے چیئرمین اپنے فرائض سنبھال رہے ہیں، میں ان سے اور کونسل سے جو توقعات وابستہ ہیں، ان کا بھی دوبارہ اظہار کرنا چاہتا ہوں - جسٹس چیمہ صاحب کونسل کے چیئرمین کے طور پر اپنے

فرائض خوش اسلوبی سے انجام دینے کے بعد اب ایک نئے ادارے کے فرائض سنبھال رہے ہیں۔

مجھے بڑی خوشی ہے کہ جناب تنزیل الرحمٰن صاحب کو چیئرمین کے فرائض تفویض کئے جارہے ہیں تنزیل الرحمٰن صاحب سے میں نے کچھ عرصہ پہلے ملاقات کی تھی۔ ہمارا ارادہ تھا کہ قائد اعظم یونیورسٹی میں شریعہ فیکلٹی کی سربراہی ان کے حوالے کی جائے لیکن بعض وجوہ کی بنا پر اور یہ شریعہ فیکلٹی کی بدقسمتی سمجھیے، یہ فرائض جناب تنزیل الرحمٰن صاحب کے سپرد نہ کئے جاسکے۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے اس میں بھی کچھ بہتری کے اسباب رکھے ہوں کہ آج وہ چیمہ صاحب کی جگہ کونسل آف اسلامک آئیڈیالوجی کے سربراہ کی حیثیت سے عہدہ سنبھال رہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ان کے توسط سے اور آپ کے تعاون سے کونسل اپنے کام میں کچھ اور بہتری پیدا کرے گی اور قوم اور ملک کی توقعات کو پورا کرنے میں مدد دے گی۔

پچھلی بار جب میں یہاں آیا تھا تو میں نے آپ سے کہا تھا کہ دیکھئے اسلامی نظریاتی کونسل ایسا ادارہ ہے جسے پچھلی حکومتوں نے بطور آلۂ کار تو استعمال کیا ہے، لیکن نہ اِس ادارے کو کوئی وقعت دی اور نہ اس کی سفارشات کا جائزہ لیا۔ اسلام کے متعلق اب تک ملک میں جو کارروائیاں ہوئی ہیں ان سے یہ نظر آتا ہے کہ یا تو یہ کوششیں اس نیت سے نہیں کی گئیں کہ اُن کا کچھ نتیجہ نکلے یا اگر کی گئی ہیں تو ان کا کچھ نتیجہ نکلا نہیں۔ اسی لئے میں نے عرض کیا تھا کہ نہ صرف مجھے بلکہ اس کونسل سے پوری قوم کو توقعات ہیں اور آپ کا کردار اور آپ کی سفارشات ایسی ہونی چاہئیں جن سے پاکستان کو دوبارہ ایک نظریاتی اسلامی مملکت بنانے میں مدد ملے۔ ہم نے ۵ جولائی کو جو حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالی تھیں، اس کا مقصد محض یہ نہیں تھا کہ الیکشن

کرایا جائے، بلکہ میں نے سب سے پہلے جس چیز کی طرف توجہ دلائی تھی وہ یہ تھی کہ ہم پاکستان میں نظامِ اسلام کے نفاذ کو اپنا پہلا اور آخری فرض سمجھتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل سے ہماری بہت سی توقعات وابستہ ہیں۔ اس کے بعد جو میرے اختیار میں تھا، جو سہولتیں میں دے سکتا تھا، وہ میں نے آپ کو بہم پہنچائیں۔ چیمہ صاحب کی طرف سے جو سفارشات موصول ہوئیں یا جو خدمت میں کر سکتا تھا اس میں میری طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کونسل نے بڑی محنت سے کام کیا ہے۔ آپ نے اپنے بہت سے فرائض سرانجام دیئے ہیں۔ چیمہ صاحب نے اپنی رپورٹوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آپ نے جو قوانین بنائے ہیں ان کا ذکر کیا ہے، جو مسودے تیار کئے ہیں اُن کا ذکر کیا ہے، لیکن میں جس چیز کا ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ ان سب کارروائیوں کا نتیجہ ہے جس کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے۔ جس چیز کی ذمہ داری مجھ پہ ہے اور جس کے لئے میں آپ کے تعاون کا خواستگار تھا، وہ یہ ہے کہ یہ جو آٹھ کروڑ عوام کا ملک ہے، اس میں جس طرف بھی جائیے یہی آواز آتی ہے کہ اسلام نافذ کیجئے۔ وہ کون سی وجوہات ہیں جن کے باعث ہم عوام کی توقعات پر پورے نہیں اتر رہے۔ وہ کون سے کام ہیں جن میں بطورِ حکومت یا بطورِ اسلامی نظریاتی کونسل ہم سے غفلت ہو رہی ہے۔ آپ کی وہ کونسی سفارشات ہیں جن پر ہم نے توجہ نہیں دی۔

مجھے بڑا افسوس ہے کہ آپ کے ایک رکن، مولانا نعیمی صاحب، اسلامی نظریاتی کونسل سے مستعفی ہونا چاہتے ہیں اور اسلامی نظریاتی کونسل کی رکنیت ایسی ہے کہ اگر کوئی رکن کسی وقت محض یہ اظہار کر دے کہ وہ اس کا رکن نہیں رہنا چاہتا تو حکومت کے پاس یا کونسل کے پاس ایسا کوئی جواز نہیں کہ وہ کہے کہ جناب ضرور رہئے۔ نعیمی صاحب کا

استعفیٰ ہمارے لئے باعثِ مسرت نہیں، لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ڈھائی سال گزرنے کے بعد مولانا نے مجھے یہ بتایا ہے کہ میں اس لئے مستعفی ہو رہا ہوں کہ کونسل اپنے فرائض انجام دینے میں ناکام رہی ہے۔ میں اس سلسلے میں مولانا سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہتا، لیکن میں ان سے یہ ضرور گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے افسوس ہے کہ مولانا نے یہی بات مجھے آج سے چھ مہینے، سال یا ڈیڑھ سال پہلے نہیں بتائی۔ مولانا مجھے بتاتے، کونسل کو بتاتے۔ کونسل کے کسی ممبر کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ میرے ملنے کے لئے وقت کا تعین حاصل کرے یا اس کے لئے کوئی درخواست یا عرضی لکھے اور پھر اس کا جائزہ لیا جائے۔ آپ میں سے ہر شخص مجھ سے جب چاہے مل سکتا ہے، بلکہ میں تو اس کی توقع کرتا ہوں کہ آپ مجھ سے ملیں۔

مولانا صاحب کے تاثرات سے بھی یہی بات سامنے آئی ہے کہ کونسل اپنے فرائض سر انجام دینے میں اس حد تک کامیاب نہیں ہوئی ہے جس حد تک شاید آپ کی اپنی توقعات تھیں۔ اس وقت بحث یہ نہیں ہے کہ آیا پاکستان میں نظامِ اسلام نافذ ہوا ہے یا نہیں ہوا ہے یا یہ کہ اسلامی نظریاتی کونسل سے مولانا نعیمی استعفیٰ دے رہے ہیں یا نہیں دے رہے ہیں یا یہ کہ کونسل اپنی کارکردگی میں کامیاب رہی ہے یا نہیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ یہ ادارہ جسے پاکستان میں وہ حیثیت حاصل ہونی چاہیئے یا حاصل ہے کہ یہ نہ صرف یہ جائزہ لے کہ وہ کون سے اقدامات ہیں جو ملک میں نظامِ اسلام کے نفاذ اور استحکام کے لئے اختیار کئے جائیں بلکہ ان طریقوں پر بھی توجہ دے جن کے ذریعے ان تجاویز اور اقدامات کو صحیح معنوں میں زیرِ عمل لایا جاسکے، ان پر عمل کروایا جاسکے۔ اس میں آپ کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ حکومت میں کئی ادارے ہوتے ہیں اور اسلامی نظریاتی کونسل ان میں سے ایک ادارہ ہے۔ اس ادارے کو اتنے اختیارات دیئے گئے ہیں کہ وہ

جس چیز کو دیکھیے کہ غیر اسلامی ہے، اس کی طرف توجہ دلائے۔ ان قوانین کی طرف توجہ دلائے جو غیر اسلامی ہیں اور ان قوانین کی طرف توجہ دلائے جنہیں اسلامی رنگ میں ڈھالنا ہے۔ یہاں میں دو باتوں کی خاص طور پر نشاندہی کرنا چاہتا ہوں۔ ایک یہ کہ حکومت میں کئی ادارے ہوتے ہیں، لیکن مرکز ایک ہوتا ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل مرکز کی حیثیت حاصل نہیں کر سکتی۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ایک کابینہ ہے جس کی میں صدارت کرتا ہوں، کونسل دوسری کابینہ نہیں ہو سکتی۔ یہ میں اس لئے نہیں کہہ رہا ہوں کہ مجھے اس میں کوئی شک ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض ممبر صاحبان کے کچھ تاثرات مجھ تک بالواسطہ طور پر پہنچے ہیں جن کے پیش نظر یہ واضح کرنا ضروری ہے۔ دوسرے یہ کہ کونسل کے نئے چیئرمین عہدہ سنبھال رہے ہیں، مجھے امید ہے کہ وہ کونسل کو اس رنگ میں ڈھالیں گے کہ اس کا طریقۂ کار کچھ بہتر کیا جائے۔ چیمہ صاحب نے بڑی محنت کے ساتھ جو کام چلایا ہے، اسے آگے بڑھایا جائے اور عوام کی توقعات پر پورا اترا جائے۔

میری یہ کوشش رہی ہے کہ وہ تمام سہولتیں اور مراعات جو میں کونسل کو دے سکوں، دوں۔ ممکن ہے آپ کے سٹیٹس کے بارے میں ہم سے کچھ کوتاہی ہوئی ہو۔ آپ کو نہایت اہم شخصیات کے لاؤنج میں جانے کی مراعات نہ دی ہوں، لیکن مجھ سے پوچھئے تو جب میرا حکومت سے کوئی تعلق نہیں تھا اور بطور ایک اعلیٰ فوجی افسر کے مجھے نہایت اہم شخصیات کے لاؤنج میں جانے کی مراعات حاصل تھیں، میں اس وقت بھی VIP لاؤنج میں کبھی نہیں گیا کیونکہ اس سے دوسری سہولتوں میں کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن جیسا کہ چیمہ صاحب نے فرمایا ہے کہ اس کے باعث آپ کے دل میں کوئی قلق ہے، اگر اس وجہ سے کونسل کی کارکردگی میں کوئی فرق آتا ہو تو آپ ایک STATUS مانگئے، میں دس دینے کو تیار ہوں۔ اس میں تو کوئی تحفظات ہیں ہی نہیں۔ اگر آپ

یہ چاہتے ہیں کہ کونسل کے ہر ممبر کو وی آئی پی لاؤنج میں جانے کی مراعات حاصل ہوں تو میں آج ہی جاکر ہدایات جاری کر دوں گا کہ اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین اور ارکان کی حیثیت وفاقی حکومت کے وزراء سے بھی ایک قدم آگے ہونی چاہیئے۔ میں نے تو ستمبر میں یہاں تک کہا تھا کہ آپ کی کارکردگی میں کسی بھی وجہ سے کوئی رکاوٹ نہیں آنی چاہیئے۔ پیسوں کا ذکر آیا تھا میں نے اسی وقت فوراً ایک کروڑ روپے کا اعلان کیا تھا جو فوراً آپ کو ملے تھے۔ جہاں تک دوسری مراعات کا تعلق ہے، چیمہ صاحب سے وقتاً فوقتاً شرف ملاقات حاصل ہوتا رہا ہے۔ انہوں نے جس چیز کی طرف بھی توجہ دلائی اس کے سلسلے میں حکومت کے اختیار میں جو کچھ تھا کیا گیا۔ ہوسکتا ہے بعض معاملات میں کچھ مجبوریاں حائل ہوں۔ مکان اتنے نہیں ہیں کہ ہر ایک کو دیا جائے۔ حکومت کی اپنی رہائشی سہولتیں اتنی نہیں ہیں کہ ہر ایک کو رہائش دی جاسکے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فیڈرل پبلک سروس کمیشن کو میں نے خود کراچی سے اسلام آباد منتقل کروایا تھا۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ آپ کی جس قسم کی بھی ضروریات ہوں گی، پوری کی جائیں گی۔ جس قسم کی چِٹھی میں نے پبلک سروس کمیشن کے لئے حکومت کے اداروں کو لکھی تھی ویسی ہی چِٹھی اسلامی نظریاتی کونسل کے لئے بھی لکھی تھی۔ اب یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ فیڈرل پبلک سروس کمیشن کو تو یہ مراعات پہلے مل جائیں اور اسلامی نظریاتی کونسل کو بعد میں ملیں، لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ حکومت کی طرف سے جو کچھ آپ کے لئے ممکن ہو گا وہ کیا جائے گا اور حکومت سے مراد صرف میری ذات نہیں بلکہ حکومت کے تمام ادارے ہیں۔ ہمارے تمام اداروں کی نظریں آپ پر لگی ہوئی ہیں کہ آپ کی طرف سے کیا رہنمائی ملتی ہے۔

چیمہ صاحب سے ایک بار میں نے معذرت کے ساتھ گزارش کی تھی کہ دیکھئے کونسل کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے نقطۂ نظر کے مطابق اپنی سفارشات مجھ تک پہنچائے پھر میرا

یہ کام ہے کہ میں حکومت کے اداروں سے ان کی تعمیل کرواؤں۔ لیکن حکومت کی بعض مجبوریاں ہیں، بعض سفارشات ممکن ہے، کونسل نے کسی ایک نقطۂ نظر سے تیار کی ہوں، لیکن حکومت کو ایک وسیع تر تناظر میں معاملات کو دیکھنا پڑتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں اسلام کے خلاف ہوں۔ جہاں تک اسلامی قوانین کا تعلق ہے، ان میں کوئی اختلافی نقطۂ نظر ہے ہی نہیں۔ اس میں تو صرف ایک شرط ہے کہ اسلام سے اس کا تعلق ہے یا نہیں، اگر ہے تو پھر اس میں کوئی دوسری رائے نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس کے علاوہ جو اجتماعی یا ضمنی قسم کی سفارشات ہیں، ان کے بارے میں حکومت اپنے نقطۂ نظر سے غور کرتی ہے کہ ان کی تعمیل کس طرح کروائی جائے، ان کے لئے قوانین رائج کئے جائیں یا ہدایات جاری کی جائیں۔ اس وجہ سے ممکن ہے بعض سفارشات پر عمل درآمد میں کچھ کوتاہی ہوئی ہو یا بعض کو نظر انداز کر دیا گیا ہو، اس کی ذمہ داری مجھ پہ عائد ہوتی ہے، لیکن جو بنیادی بات ہے کہ کونسل رہنمائی مہیا کرے کہ وہ کون سے طریقے ہیں، کون سے اقدامات ہیں، کیا طریقۂ کار ہے اور وہ کون سے قوانین ہیں جن کے ذریعے اسلام کے نفاذ کا مقصد جلد از جلد حاصل کیا جا سکتا ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

کچھ اللہ تعالیٰ نے ہمیں شرف بخشا ہے، کچھ آپ حضرات کی مہربانی سے جس کا اللہ تعالیٰ آپ کو ثواب دے گا، اس سمت میں تھوڑی بہت پیش رفت ہوئی ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کچھ بھی نہیں ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ اس رفتار سے نہیں ہوا جس کی قوم کو توقع تھی۔ اس بارے میں چیمہ صاحب نے جو فرمایا ہے، میں اس سے اتفاق کرتا ہوں کہ ایسی چیزیں بتدریج رائج ہونی چاہئیں۔ آپ ایک دم طوفان برپا نہیں کر سکتے۔ اس سے نقصان کا احتمال زیادہ ہے، فائدہ کم۔ یا تو ایسے حالات ہوں جیسے کہ ایران میں ہیں۔ ایک طوفان اٹھا ہے، ایک انقلاب برپا ہوا ہے

اس میں بھی جو نتیجہ نکل رہا ہے اس کا آپ کو بھی علم ہے اور مجھے بھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں توفیق دے کہ وہ جلد از جلد اپنے حالات معمول پر لا کر جس طرح وہ اسلام کی خدمت کرنا چاہتے ہیں کریں۔ ابھی پچھلے دنوں ایران کی ایک جماعت آئی ہوئی تھی۔ انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ سننے میں آیا ہے کہ پاکستان میں اِس طریقے کا اسلامی انقلاب آنے کے کچھ امکانات پائے جاتے ہیں جیسا کہ ایران میں آیا ہے۔ آپ کے خیال میں یہ انقلاب کب آئے گا، میں نے اُنھیں جواب دیا کہ پاکستان میں تو آج سے بتیس ۳۲ سال پہلے یہ انقلاب آچکا ہے۔ اس برِّصغیر کے مسلمانوں نے ایک خاص ہنگامی حالت میں بڑی قربانیاں دے کر یہ ملک حاصل کیا۔ میں نے کہا کہ آپ نے تو ایران سے صرف ایک بادشاہت کو ہٹایا ہے، ہم نے تو یہاں ایک نئی اسلامی مملکت پیدا کی ہے۔ اس سے بڑھ کر اور انقلاب کیا ہو سکتا ہے۔ میں نے کہا کہ ہم آج کل اس انقلاب کو مستحکم کر رہے ہیں۔ میری یہ دعا ہے کہ ایران میں جو اب انقلاب آیا ہے، اس کے استحکام میں اللہ تعالیٰ آپ کو بتیس سال نہ لگانے دے بلکہ اس سے کم عرصے میں ہی مستحکم کرنے کی توفیق عطا کرے۔

ہمارے ہاں بہت سے حضرات، کونسل میں نہیں بلکہ باہر ملک میں، ایسے ہیں جن کا نظریہ یہ ہے کہ آپ فوراً گزر ریئے۔ عورتوں کو بند کر دیجے، ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر سوائے قرآن اور اذان کے اور کچھ نہ ہو اور سب کے سب لوگ ٹخنوں سے اونچی شلوار پہن کر پانچ وقت نماز پڑھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں یہ چیزیں ضروری ہیں، لیکن اسلام کے تین پہلو ہیں۔ ایک اسلام کی روح، دوسرے اسلام کی عبادات اور تیسرے صحیح اسلامی اقدار۔ ان تینوں میں سے آپ کسی کو دوسرے پر فوقیت نہیں دے سکتے۔ اسلام کی روح، اسلامی نظام اور قواعد اور اسلام کی عبادات تینوں کی اپنی اپنی اہمیت ہے۔ ہر ایک کا اپنا اپنا مقام ہے۔ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ جناب میں تو پبلک کے سامنے نماز نہیں پڑھوں گا،

کیونکہ اس سے یہ نظر آتا ہے کہ میں شاید دکھانے کے لئے نماز پڑھ رہا ہوں۔ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں پانچوں وقت کی نمازیں ایک ہی وقت پڑھ لوں گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرض تو پانچ وقت کی نماز کو قرار دیا ہے۔ اسی طریقے سے آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اذان لاؤڈ سپیکر، ریڈیو یا ٹیلی ویژن پر نہیں ہونی چاہئے۔ ضرور ہونی چاہئے۔ پاکستان اسرائیل کی طرح واحد نظریاتی ملک ہے۔ اسرائیل بعد میں بنا، پاکستان قائم ہی اسلام کے نام پر ہوا۔ یہاں اسلام کا نفاذ ایک ظاہر بات ہے۔ اب جہاں تک اسلامی قوانین کے متعلق علم کا تعلق ہے، آپ حضرات سے بڑھ کر پاکستان میں اور کونسی شخصیت ہو سکتی ہے جو حکومت کو یہ بتائے کس طرح سے قوانین کو بدل کر اسلامی رنگ میں ڈھالا جا سکتا ہے یا وہ کون سے اقدامات ہیں جن کے ذریعے ملک میں صحیح معنوں میں نظام اسلام رائج کیا جا سکتا ہے اور اس کو مضبوط بنانے کے لئے کن چیزوں کی طرف توجہ دی جا سکتی ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل اس میں شک نہیں کہ وزارت مذہبی امور کا ایک حصہ ہے، لیکن آپ سے میرا تعلق آپ کے چیئرمین کے ذریعے براہِ راست رہا ہے۔ یہ طریقۂ کار میں نے آپ کی خدمت کی خاطر اختیار کیا تھا تاکہ آپ کی کارکردگی کی راہ میں، کونسل کو مراعات بہم پہنچانے اور کونسل کی مدد کے سلسلے میں حکومت کی طرف سے کوئی کوتاہی نہ ہو۔

کونسل کے ارکان اور چیئرمین جناب چیمہ صاحب میں اپنی طرف سے اور حکومت کی طرف سے آپ کی کارکردگی پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں، لیکن ساتھ ہی یہ بھی دوبارہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ قوم کی توقعات بہت زیادہ ہیں۔ قوم کی توقعات حکومت سے ہیں اور حکومت کی توقعات آپ سے وابستہ ہیں۔ قوم جاننا چاہتی ہے کہ نظریاتی کونسل نے کیا کیا ہے۔ میں نے ایک سال پہلے چیمہ صاحب سے یہ بھی کہا تھا کہ آپ کا ادارہ ایسا ہونا چاہئے جو اپنی کارکردگی کا اظہار بھی کرے۔ بعض اوقات انسان یہ چاہتا ہے کہ جو کام وہ کر رہا ہے اسے سراہا جائے کیونکہ ہم سب

بشر ہیں۔ ممکن ہے کسی وقت میرے دل میں یہ خیال آتا ہو کہ میں جو کام کر رہا ہوں لوگ اس کو سراہیں یا حکومت جو کام کر رہی ہے اس کی وجہ سے مجھے داد ملے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ کونسل کے بھی یہ خیالات ہوں کہ ہم جو سفارشات حکومتِ پاکستان کو ارسال کرتے ہیں وہ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخباروں میں آئیں تاکہ اس طرح کونسل کی کارکردگی ظاہر ہو۔ لیکن اس میں احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ کونسل کا کام سفارشات کی حد تک ہے اور ان پر عملدر آمد حکومت کا کام ہے۔ نہ صرف دین اسلام سے آپ کی وابستگی مسلم ہے بلکہ میری طرح پاکستان کے عوام سے بھی آپ کا تعلق ہے۔ ایسا تو نہیں ہے کہ آپ ایک چار دیواری میں بند ہیں اور آپ کو پتہ نہیں کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ آپ سے بہتر اور کون شخص ہو سکتا ہے جو یہ جائزہ لے کہ آیا کسی عمل کو فوری طور پر رائج کیا جا سکتا ہے یا نہیں کیا جا سکتا، تو ایسی سفارشات جن کے بارے میں خود آپ کا یہ خیال ہو کہ ابھی ان کی ضرورت نہیں یا ان کی اتنی اہمیت نہیں اور ان پر عمل بھی نہیں ہو سکتا۔ ایسی سفارشات اگر آپ چاہتے ہیں تو ضرور حکومت تک پہنچائیں، لیکن اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ان پر عمل نہیں ہو سکتا تو میں آپ سے گزارش کروں گا کہ آپ خود ایسی سفارشات کا جائزہ لیں۔

میں جسٹس چیمہ صاحب کا اور آپ کا بہت مشکور ہوں۔ کونسل نے جس محنت اور مشقت سے کام کیا ہے، اس کا جائزہ نہ میں لے سکتا ہوں اور نہ اس وقت آپ لے سکتے ہیں، نہ ہی الفاظ میں اس کا بیان ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اس کا جائزہ تاریخ لے گی۔ تاریخ میں آپ حضرات اور آپ کے چیئر مین کے متعلق جو کچھ لکھا جائے گا، لوگ اس سے اندازہ لگا سکیں گے کہ کونسل نے کیا کام کیا۔

میری یہ خواہش ہے کہ اسلام کے متعلق جتنا میرا ذاتی علم ہے، اس میں آپ کے علم کے باعث اضافہ ہو، آپکی طرف سے سفارشات کچھ ایسی پہنچیں جن سے لوگوں کی توقعات

پوری ہوں اور صحیح معنوں میں اسلام کی خدمت ہو۔ میرے خیال میں اسلامی نظام کے نافذ کرنے کے تین رُخ ہیں ایک تو قوانین ہیں، دوسرے معیشت اور تیسرے معاشرت۔ ان تینوں چیزوں کی طرف فوری توجہ ہونی چاہئے۔ اس بارے میں، مَیں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا کہ قوانین کی اپنی جگہ ہے، معیشت کی اپنی جگہ ہے اور معاشرے کی اپنی۔ اسلامی نظریاتی کونسل اور حکومت ان تینوں کے ضمن میں کوششیں تو کر سکتی ہیں، لیکن معاشرے کو آپ ایک دن میں تبدیل نہیں کر سکتے۔ چیمہ صاحب نے فرمایا ہے کہ بعض ایسے اقدامات ممکن ہیں جن کے ذریعے معاشرے کو تبدیل کرنے کی کوشش ہو سکتی ہے، لیکن آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ ہم کونسے سن میں ہیں اور پاکستان میں ہیں اور پاکستان کن حالات سے گزر رہا ہے اور پاکستان میں کن لوگوں کا اثر و رسوخ زیادہ ہے اور یہ بات ہمیشہ دیکھنے میں آئی ہے کہ ایک مچھلی تالاب کو خراب کرتی ہے معمولی اقلیت حالات کو بگاڑ سکتی ہے اور اکثریت اگر خاموش رہتے ہوئے کام کر سکتی ہے تو کامیاب ہو سکتی ہے۔

میں آپ سے دوبارہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بجائے اس کے کہ آئندہ پھر پونے تین سال بعد آؤں — اور پتہ نہیں اگلے پونے تین سال تک میں رہتا ہوں یا نہیں رہتا ہوں۔ چیئرمین صاحب سے تو ملاقات ہوتی ہی رہے گی، آپ سے بھی وقتاً فوقتاً تفصیلی ملاقات ہوتی رہے۔ آپ کی سفارشات نہ صرف چیئرمین صاحب کے توسط سے تحریری طور پر حکومت تک پہنچیں بلکہ خود مجھے معلوم ہو کہ وہ کونسی باتیں ہیں جنہیں کونسل زیادہ اہمیت دینا چاہتی ہے۔

آپ نے آج اخبارات میں دیکھا ہوگا کہ جسٹس صلاح الدین صاحب کو ہم نے فیڈرل شریعت کورٹ کا چیئرمین مقرر کیا ہے۔ حالات کچھ یوں ہیں کہ سب سے پہلے میں نے جنوری ۱۹۷۹ء میں جسٹس چیمہ صاحب سے بات کی تھی کہ قوانین کو کس طرح اسلامی رنگ میں ڈھالا جا سکتا ہے اور وہ کونسا اقدام ہے جس کے ذریعے ہم یہ ظاہر کر سکتے ہیں کہ

ہم فوری طور پر اسلامی نظام کی طرف جا رہے ہیں۔ چیمہ صاحب نے سفارش کی تھی کہ آپ اعلیٰ عدالتوں کو یہ اختیارات دے دیں کہ وہ تمام قوانین کا جائزہ لیں کہ کونسے اسلامی ہیں اور کون سے غیر اسلامی۔ اس میں سات آٹھ مہینے لگے تھے اور اس کے بعد ہم نے یہ قوانین پاس کئے، لیکن دیکھنے میں آیا ہے کہ اعلیٰ عدالتوں میں بھی، میں بڑی معذرت کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں، کچھ ایسے عناصر ہیں جن کی وجہ سے ان کی صحیح کارکردگی سامنے نہیں آسکی۔ اس قانون کے پاس کرنے کے بعد جو اثر ہم دیکھنا چاہتے تھے وہ بات سامنے نہ آئی پھر آپ کی طرف سے حدود کے قوانین آئے اور حکومت نے ان کی منظوری دے دی تو ان پر عملدرآمد کے دو طریقے تھے ایک یہ تھا کہ ان کو عام عدالتوں پر چھوڑ دیا جائے اور دوسرا طریقہ یہ تھا کہ خصوصی شرعی عدالتیں قائم کی جائیں۔ اس بارے میں، مَیں نے اعلیٰ حکام سے بات چیت کی۔ انہوں نے کہا کہ جس طرح آپ نفاذ اسلام چاہتے ہیں، ہم بھی اسلام کے خواہاں ہیں آپ یہ ہم پر چھوڑ دیجئے اور دیکھئے کہ ہم کس طرح صحیح معنوں میں ان پر عملدرآمد کرواتے ہیں۔ چنانچہ حدود کے قوانین عام عدالتوں کے حوالے کر دیئے گئے اور اس کا نتیجہ آج یہ ہے کہ ابھی کل ہی ہم جائزہ لے رہے تھے تو یہ بات سامنے آئی کہ صرف سندھ میں تیرہ سو چھپن مقدمات کا فیصلہ نچلی عدالتوں میں حدود کے قوانین کے تحت ہو چکا ہے۔ پنجاب میں یہ تعداد اس سے بھی زیادہ ہے، لیکن یہ تمام مقدمات حکومت کی طرف سے یا متعلقہ اشخاص کی طرف سے اپیل کے باعث اگلی عدالتوں میں چلے گئے ہیں۔ اور اپیلوں کی حالت یہ ہے کہ دس دس سال پرانی اپیلیں زیر سماعت چلی آ رہی ہیں۔ بعض مقدمات ایسے ہیں جن کی اپیلوں کا بھی فیصلہ ہو چکا ہے، لیکن لوگ ہائی کورٹ میں چلے گئے ہیں نتیجہ یہ ہے کہ حدود کے قوانین نافذ ہونے کے بعد آج تک کسی جرم میں کسی ایک شخص کو بھی سزا نہیں ملی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کا جو سزا کا نظریہ ہے اس میں سزا کا پہلو کم ہے اور اردو کا کیا لفظ ہے، عبرت کہہ لیجئے، عبرت

کا پہلو زیادہ ہے۔ اب یہ جو ہاتھ کاٹنے کی سزا ہے اس میں ڈر کا پہلو زیادہ ہے۔ ایک دو ہاتھ کٹ جائیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن ہر شخص کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ جرم کرنے کی صورت میں اس کا ہاتھ کٹ سکتا ہے۔ اس سلسلے میں اسلام نے جو اپنا قانون شہادت رکھا ہے وہ اتنا سخت ہے کہ شاذونادر ہی کوئی ایسا مقدمہ ہوگا جو اس پر پورا اتر سکے۔ اس سلسلے میں رسول کریمؐ کی حدیث آپ مجھ سے بہتر جانتے ہوں گے۔ تو جب حدود کے قوانین کے نفاذ کا بھی کوئی اثر ظاہر نہ ہوا تو ہمیں مشورہ دیا گیا کہ شریعت کورٹ بنایئے تو لوگوں کو یہ یقین دلانے کے لئے کہ حکومت اسلامی قوانین کے نفاذ میں سنجیدہ ہے، ہم نے یہ کیا کہ بجائے اس کے کہ حدود کے قوانین ہر عدالت میں چلے جائیں اور عام فیصلوں اور عام قوانین کی طرح ان پر کارروائی ہو، ہم نے کہا کہ ہر ضلع میں ایک مجسٹریٹ کو شرعی عدالت کے نام سے پکارا جائے اور وہ صرف ان مقدمات کی سماعت کرے جو حدود کے قوانین کے دائرہ کار میں آئیں۔ یہ ایک خالص نفسیاتی اقدام تھا اس میں اور کوئی پہلو نہیں تھا۔ اس کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا اور نتیجہ یہ ہے کہ عدالتیں فیصلہ دیتی ہیں اور لوگ اگلی عدالتوں میں اپیل لے کر چلے جاتے ہیں اور اپیلوں کے فیصلوں میں جو تاخیر ہوتی ہے اس سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ اس کے بعد ہم نے پھر غور کیا کہ وہ کون سے اقدامات ہیں جن سے یہ یقینی طور پر ظاہر کیا جا سکے کہ حکومت سراسر اسلامی نظام نافذ کرنے کی خواہاں ہے۔ اب ہم نے یہ طے کیا کہ چند ایک قوانین کو چھوڑ کر جنہیں فوری طور پر اسلامی رنگ میں نہیں ڈھالا جا سکتا، (مثال کے طور پر مالی قوانین ہیں جنہیں ایک دن میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا) باقی تمام قوانین کے سلسلے میں اعلیٰ عدالتوں کو اختیارات دے دیئے جائیں۔ اس کے لئے ہم نے ہدایت کی کہ ہر ہائی کورٹ میں ایک شریعت بنچ مقرر کیا جائے۔ ان شریعت بنچوں کی کارکردگی بھی آپ کے سامنے ہے۔ آج تک سوائے پشاور بنچ کے میری نظر سے کوئی ایسا مقدمہ نہیں

گزرا جس میں کسی شریعت بنچ نے کوئی فیصلہ دیا ہو۔ ایک مقدمہ جسٹس کیکاؤس صاحب لاہور میں لڑ رہے ہیں جس کے متعلق آپ حضرات کو مجھ سے زیادہ علم ہوگا، لیکن اس کا بھی آج تک فیصلہ نہیں ہوا۔ ان نتائج سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یا تو ہم مجبور ہیں یا ہمارے قوانین مجبور ہیں یا ہمارا طریقہ کار اس قسم کا ہے کہ اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہمارا طریقہ کار بہت فرسودہ ہے۔ جب تک ہم اسے نہیں بدلیں گے، جہاں تک قوانین اور Legal Aspect کا تعلق ہے، اس میں اسلام کا رنگ کسی طرح نہیں آسکتا۔ اس کے بعد ہم نے پہلا اقدام یہ کیا ہے ۔۔۔ اور بھی اقدامات انشاء اللہ کئے جائیں گے۔ کہ چاروں صوبوں کے شریعت بنچوں کو ختم کر دیا گیا ہے اور ایک فیڈرل شریعت کورٹ قائم کی ہے جو مستقل طور پر اجلاس کرے گی۔ یہ عدالت وقتاً فوقتاً چاروں صوبوں میں جائے گی اور اس کے سامنے جو مقدمات پیش ہوں گے، ان کا شرعی قوانین کی رو سے فیصلہ کرے گی۔ فیڈرل شریعت کورٹ کا قیام ایک اقدام ہے۔ اس کے بعد انشاء اللہ تھوڑے ہی عرصے میں ایسے اقدامات کئے جائیں گے جن کے ذریعے اپنے قانونی طریقہ کار کو بدل کر ہم یہ دکھا سکیں کہ اس کو کس طرح اسلامی رنگ میں ڈھالا جا سکتا ہے۔ اس مقصد کے لئے جسٹس صلاح الدین صاحب کو فیڈرل شریعت کورٹ کا چیئرمین مقرر کیا گیا ہے۔ ان کے ساتھ چار ممبر اور ہیں، ان کے نام آپ نے اخبارات میں پڑھ لئے ہوں گے۔ یہ عدالت ہمہ وقتی عدالت ہے۔ یہ چاروں صوبوں میں جائے گی اور اپنا کام مستقل بنیادوں پر کرے گی۔ مجھے امید ہے کہ آپ کے علم و فراست اور قانون کے ساتھ آپ کے گہرے تعلق کے باعث کم از کم اس کورٹ کے متعلق وہ تاثرات نہیں پیدا ہوں گے جن کا ذکر میں ابھی کر رہا تھا۔ ایک آدھ فیصلہ ذرا دھڑلے سے آجائے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ فیصلے سوچ سمجھ کر کرو، لیکن ساتھ ہی ہمیں

یہ بھی دیکھنا ہے کہ ہم کس ماحول میں رہ رہے ہیں۔ اس ماحول میں اس بات کی بہت سخت ضرورت ہے کہ ایک آدھ فیصلہ اگلے پانچ سات روز میں آپ اس زور سے سنائیں کہ لوگوں کو پتہ لگ جائے کہ نئی فیڈرل شریعت کورٹ واقعی شرعی قوانین کی طرف ہے۔

جیساکہ میں نے ابھی بتایا تھا، اس عدالت کے طریقۂ کار میں ہم نے تھوڑی سی تبدیلی کی ہے۔ مجھے امید ہے آپ اس کا جائزہ لے کر اسے بھی مضبوط بنائیں گے۔ شریعت بنچوں کے طریق کار میں ہم نے بجائے معاندانہ کے تحقیقاتی طریقۂ کار کی طرف توجہ دی تھی۔ آپ جس کو چاہیں بلا لیں۔ کوئی اس میں مجرم نہیں، کوئی مدعی نہیں، کوئی مدعا علیہ نہیں۔ کوئی بھی شخص شریعت کورٹ کے سامنے کوئی بھی شرعی مقدمہ فیصلہ کے لئے پیش کر سکتا ہے۔ آپ جس کو چاہیں بطور گواہ کے، شاہد کے بلائیں اور فیصلہ کریں ـــ میں آپ سے نہایت عاجزانہ درخواست کروں گا کہ ایک آدھ فیصلہ للہ اتنی جلدی سے کیجئے کہ لوگوں کو پتہ لگ جائے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ آپ کہہ دیں کہ فلاں کی طلاق جائز ہے یا ناجائز ہے۔ صحیح معنوں میں ایسا ایک آدھ فیصلہ جس سے لوگوں کو صحیح تاثر ملے۔ آپ اپنی اس عدالت کے جو قوانین بنائیں، آپ کو کھلی چھٹی ہے۔ ایسے قوانین جن سے بہتری ہو۔

میں آپ حضرات اور تمام ممبرز کا دوبارہ شکریہ ادا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ آپ کو پاکستان میں صحیح معنوں میں نظامِ اسلام کے نفاذ کے سلسلے میں طاقت دے تاکہ آپ حکومت کی اس طریقے سے مدد کر سکیں کہ ہم اسلام کی خدمت کرنے کے قابل ہوں۔

شکریہ!

پاکستان پائندہ باد

قوم سے خطاب

راولپنڈی : ۳ جون، ۱۹۸۰ء

صدرِ پاکستان، جنرل محمد ضیاء الحق نے ۳ جون ۱۹۸۰ء کو ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر قوم سے خطاب کیا۔ ایک گھنٹے کی تقریر میں صدرِ پاکستان نے تفصیل سے ملک کے داخلی اور خارجی حالات کا تجزیہ پیش کیا اور آئندہ کے لئے اپنے پروگرام کی تفصیلات بیان کیں۔

انہوں نے کہا کہ وفاقی کابینہ میں توسیع کی جائے گی، گورنر صوبوں میں اپنی اپنی کابینہ تشکیل دیں گے اور مرکز میں ایک فیڈرل کونسل بنائی جائے گی۔ بلدیاتی اداروں کے انتخابات ہو چکے ہیں اور اب صوبائی اور لوکل کونسلوں کو مزید اختیارات دیئے جائیں گے۔ اسلامی نظام کے نفاذ کا ذکر کرتے ہوئے جنرل محمد ضیاء الحق نے کہا کہ زکوٰۃ اور عشر آرڈی نینس جلد ہی جاری کر دیا جائے گا۔ اسلامی نظامِ عدل کے قیام کے لئے شریعت لاز میں جیورسٹس کو تربیت دینے کے لئے قائدِ اعظم یونیورسٹی کی شریعہ فیکلٹی کو مکمل یونیورسٹی کا درجہ دیا جا رہا ہے۔ انہوں نے کہا اسلامی نظام ہماری منزل ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ ۔

معزز خواتین و حضرات !

السّلام علیکم ۔ پچھلے سال ۱۶ ؍ اکتوبر کی تقریر کے بعد جو اہم واقعات رونما ہوتے رہے ہیں، ان کے بارے میں، میں وقتاً فوقتاً اپنے خیالات آپ تک پہنچاتا رہا ہوں۔ آج کی تقریر میں ان حالیہ واقعات کے بارے میں ایک مختصر مگر جامع جائزہ پیش کرنا چاہتا ہوں ۔ اس جائزے میں کچھ باتیں بیرونی واقعات کے بارے میں ہیں اور کچھ اندرونی حالات کے متعلق ۔

بیرونِ ملک جو اہم واقعات رونما ہوئے، ان میں افغانستان میں روسی مداخلت، ایران کی صورتِ حال اور میرا دورۂ عوامی جمہوریۂ چین تھا ۔ میں نے پچھلے دنوں جو غیر ملکی دورے کئے ان میں زمبابوے کے یومِ آزادی کی تقریبات میں شرکت کے لئے سالسبری بھی جانا ہوا جہاں مقامی حکمرانوں سے تفصیلی ملاقات کے علاوہ بعض دوسرے سربراہانِ مملکت سے بھی ملنے کا موقع ملا جن میں بھارت کی وزیرِ اعظم بھی شامل

ہیں۔ اِس ملاقات میں مسز اندرا گاندھی سے باہمی تعلقات کے بارے میں بڑی مفید باتیں ہوئیں۔ اس ملاقات میں یہ بھی طے پایا کہ مناسب سطح پر دونوں ملکوں کے درمیان باہمی رابطہ قائم رکھا جائے گا تاکہ تعلقات کو معمول پر لانے کے عمل کو آگے بڑھایا جاسکے۔ اِس سلسلے میں پاکستان کے وزیرِ خارجہ عنقریب ہندوستان کا دورہ کریں گے۔ مجھے امید ہے کہ وزرائے خارجہ کی یہ ملاقات نتیجہ خیز ثابت ہو گی۔ البتہ اس بارے میں بھارتی لیڈروں نے حال ہی میں جو بیانات دیئے ہیں اُن سے ہمیں تشویش ہوئی ہے، کیونکہ ایسی باتوں سے وزرائے خارجہ کی آئندہ ملاقات کی فضا خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔

ہم کئی بار بھارت کو یہ تجویز پیش کر چکے ہیں کہ دونوں ملک باہم بیٹھ کر مذاکرات کے ذریعے اِس بات کا فیصلہ کریں کہ انہیں اپنے دفاع کے لئے کتنی افواج اور کتنا اسلحہ درکار ہے تاکہ وہ ہتھیار حاصل کرنے کی دوڑ میں نہ پڑیں۔

ہماری اس تجویز کا کوئی مثبت جواب دینے کی بجائے بھارت نے غیر ممالک سے اسلحہ حاصل کرنے کی کوششیں تیز کر دی ہیں۔ اِن کوششوں میں بھارت اور رُوس کا وہ حالیہ معاہدہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے جس کے تحت روس بھارت کو سولہ سو کروڑ روپے کی مالیت کا اسلحہ فراہم کرے گا۔ ہم ہندوستان کی اسلحہ بندی کی اس مہم کو نظر انداز نہیں کر سکتے، لہٰذا ہم اپنی ملکی سلامتی اور قومی دفاع کے لئے ضروری اقدامات کر رہے ہیں۔

ملکی دفاع کے بارے میں میرے خیالات سے آپ پہلے ہی بخوبی واقف ہیں، لیکن یہ مسئلہ اتنا اہم ہے کہ اسے ہر وقت ہمارے زیرِ غور رہنا چاہیئے۔ میں پھر اپنے اس موقف کا اعادہ کرتا ہوں کہ ہم امن کے خواہاں ہیں۔ ہم تمام ممالک کے ساتھ بالعموم اور اپنے ہمسایہ ممالک کے ساتھ بالخصوص، دوستی چاہتے ہیں۔ امن کو برقرار رکھنے کے لئے دفاعی قوّت

لازم ہے۔ موجودہ زمانے میں دفاعی قوت کا انحصار صرف مسلح افواج پر ہی نہیں ہوتا بلکہ پوری قوم پر ہوتا ہے۔ میدانِ جنگ میں صرف وہی فوج اپنی ذمہ داریاں پوری کر سکتی ہے جس کو اپنے عوام کی پشت پناہی حاصل ہو، جذبۂ ایمان سے لیس ہو اور اپنے نظریے پر مر مٹنے کے لئے تیار ہو۔ یاد رکھئے! اس ملک کے آٹھ کروڑ عوام وہ عظیم طاقت ہیں جس پر بجا طور پر رشک کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ اپنی آزادی اور عزّت کے دفاع کے لئے کمربستہ ہو جائیں تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں زیر نہیں کر سکتی۔ قومیں اپنا نام اپنی محنت اور قربانی سے پیدا کرتی ہیں۔ میرا ایمان ہے کہ ہم اس ذمہ داری میں پیچھے نہیں رہیں گے۔

آپ کو یاد ہو گا کہ میں حال ہی میں یوگوسلاویہ کے صدر مارشل ٹیٹو کی وفات پر بلغراد گیا تھا۔ مارشل ٹیٹو دورِ حاضر کے ایک عظیم راہنما اور تجربہ کار مدبّر تھے۔ ان کی وفات سے تمام دنیا خاص طور پر غیر جانب دار تحریک، ایک بزرگ سیاست دان سے محروم ہو گئی ہے۔ یوگوسلاویہ کی حکومت اور عوام تک اپنے ہم وطنوں کے تعزیت کے جذبات پہنچانے کے لئے میں خود بلغراد گیا جہاں میں نے آنجہانی کی آخری رسومات میں شرکت کی۔ اس کے علاوہ وہاں میں نے بہت سے ملکوں کے سربراہوں سے ملاقات کی اور ان سے عالمی واقعات — خاص طور پر اس علاقے کی صورتِ حال پر تبادلۂ خیال کیا۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اکثر و بیشتر ممالک ہمارے علاقے کی صورتِ حال کے بارے میں پاکستانی موقف کی حمایت کرتے ہیں۔

ایران ہمارا برادر ہمسایہ ملک ہے جس کے ساتھ ہمارے دیرینہ تاریخی، دینی اور ثقافتی تعلقات ہیں۔ وہاں حضرت امام خمینی کی ولولہ انگیز اور بصیرت افروز قیادت میں اسلامی طرزِ حیات قائم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ہم اسے قدر اور تحسین کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ ہمارے ایرانی بھائی اپنے عظیم راہنما

کی قیادت میں اپنی جدوجہد کو اُس کی منطقی منزل تک پہنچانے میں کامیاب ہوں۔

ہم عالمِ اسلام کے نام، امام خمینی کے اس پیغام کا خیر مقدم اور اس کی مکمّل حمایت کرتے ہیں کہ مسلمان ممالک مشرق و مغرب کی آویزشوں سے الگ رہتے ہوئے ایک سچّی، غیر جانب دارانہ پالیسی اپنائیں۔ امام خمینی کا یہ پیغام درحقیقت اسلامی دنیا کے لئے بروقت انتباہ ہے کہ وہ بڑی طاقتوں کی اس سازباز سے باخبر رہیں جس کے تحت وہ دنیا کو اپنے اپنے حلقۂ اثر میں بانٹنے کی کوشش کر رہی ہیں۔

ہم اپنے ایرانی بھائیوں کو اپنی مکمّل حمایت اور ہمدردیوں کا یقین دلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی قومی آزادی کے تحفّظ، یکجہتی کے فروغ اور اسلامی اقدار کی سربلندی کے لئے اپنی کوششوں میں کامیاب فرمائے۔ آمین!

اس عرصے کا ایک اور اہم واقعہ عوامی جمہوریہ چین کا سرکاری دورہ تھا جو میں نے پچھلے دنوں چین کی دعوت پر کیا۔ وہاں قیام کے دوران چینی راہنماؤں سے مفصل بات چیت ہوئی۔ مذاکرات کے دو مفصّل اور نتیجہ خیز دَور نائب وزیرِ اعظم ننگ سیاؤ پنگ کے ساتھ ہوئے اور ایک دور چیئرمین ہُوا کوفنگ کے ساتھ ہوا۔ ان مذاکرات میں تمام عالمی اور علاقائی معاملات کے بارے میں چین اور پاکستان کے درمیان مکمّل مفاہمت پائی گئی۔ مجھے پورا یقین ہے کہ پاک چین دوستی جو کئی آزمائشوں سے گزر کر قابلِ رشک حد تک مستحکم ہو چکی ہے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مضبوط تر ہوتی جائے گی۔

چین ایک عرصے سے ہمیں اخلاقی، سیاسی، مادی اور فوجی امداد دے رہا ہے اور عوامی جمہوریہ چین ایک ایسا ملک ہے جو کسی قسم کی شرائط کے بغیر ایک سچے دوست کی طرح دل کھول کر پاکستان کے ساتھ تعاون کر رہا ہے۔ میں نے اس دورے میں بھی، جو گزشتہ تین سالوں میں میرا دوسرا دورہ تھا، چینی راہنماؤں کو ہمیشہ کی طرح

فراخ دل، ہمدرد اور مخلص پایا۔ انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ چین پاکستان کی اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوششوں میں حسبِ سابق ہر قسم کی مدد اور تعاون جاری رکھے گا اور چیئرمین ہواکوفنگ نے عشائیے میں اپنی تقریر میں واضح طور پر کہا کہ چین بیرونی جارحیت کے خلاف پاکستان کی مکمّل حمایت کرے گا۔ آج کل کی مادی دنیا میں چین ایسا مخلص اور مددگار دوست ملنا ایک بڑی خوش قسمتی ہے۔

خارجہ واقعات میں ہمارے نقطۂ نظر سے اس عرصے کا اہم ترین واقعہ افغانستان میں روسی فوجی مداخلت ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اقوامِ متّحدہ کی جنرل اسمبلی کی قرارداد اور اسلامی کانفرنس کے متّفقہ مطالبے کے باوجود روسی فوجیں بدستور افغانستان پر قابض ہیں۔ افغانستان کے نہتّے عوام پر اب بھی بے پناہ مظالم ڈھائے جا رہے ہیں۔ افغانستان کے غیور اور بہادر باشندے بڑی جوانمردی سے اس غیر ملکی جارحیت کا مقابلہ کر رہے ہیں۔

ایک پڑوسی اور اسلامی ملک کی حیثیت سے پاکستان، افغانستان کے حالات سے لاتعلق نہیں رہ سکتا۔ افغانستان کے ابتر حالات کی وجہ سے آٹھ لاکھ سے زیادہ افغان مہاجرین پاکستان میں پناہ لینے پر مجبور ہو چکے ہیں۔

افغانستان ہمارا پڑوسی ملک ہے۔ اسلامی برادری کا رکن ہے۔ آڑے وقت میں افغانستان کے عوام نے ہمیشہ ہماری حمایت کی ہے۔ آج افغانستان کے عوام کو مشکل حالات کا سامنا ہے۔ وہ بیرونی جارحیت کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ وہ اپنی عزّت اور اپنے طرزِ زندگی کے دفاع میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں کامیابی عطا کرے۔

پاکستان، افغانستان کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی نہیں کرنا چاہتا، مگر جب تک آٹھ لاکھ افغان پناہ گزین ہماری سرزمین پر موجود ہیں، ہم انسانی ہمدردی

اور اسلامی اخوت کے پیشِ نظر ان کی دیکھ بھال کرتے رہیں گے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس سلسلے میں حال ہی میں ایک آدھ حلقے سے کچھ غلط بیانی بھی کی گئی ہے، مگر میں پاکستان کے عوام کی طرف سے یہ کہنے میں حق بجانب محسوس کرتا ہوں کہ ہم اپنی انسانی ذمہ داریوں کو اپنی بساط کے مطابق پوری کر رہے ہیں اور انشاء اللہ کرتے رہیں گے۔

مسئلہ افغانستان کا حل تلاش کرنے کے لئے پاکستان کی سرزمین پر اسلامی کانفرنس کے وزرائے خارجہ کا پہلا غیر معمولی اجلاس جنوری میں بلایا گیا اور گزشتہ ماہ بھی وزرائے خارجہ کے گیارھویں باقاعدہ اجلاس میں اس مسئلے پر تفصیلاً غور و خوض کیا گیا۔ یہ کانفرنس گزشتہ کانفرنس کی طرح ہر لحاظ سے کامیاب رہی۔ حالیہ کانفرنس کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس میں تنظیم اسلامی کانفرنس کے تمام ارکان نے شرکت کی اور افغانستان سمیت تمام اہم مسائل کے بارے میں غیر مبہم الفاظ میں اپنا موقف واضح کیا۔ اس نے واضح انداز میں فلسطینی عوام کے حقوق کی حمایت کی، خلیج کے علاقے میں بڑی طاقتوں کی بحری فوجوں کی موجودگی کی مخالفت کی اور افغانستان سے روسی فوجوں کی واپسی کے مطالبے کی تجدید کی۔ یہ وہ آواز ہے جسے اگر وقتی طور پر نظر انداز کر بھی دیا جائے تو کبھی دبایا نہیں جا سکتا اور یہ آواز انشاء اللہ اس وقت تک دنیا کے ضمیر کو جھنجھوڑتی رہے گی جب تک مسلمانوں کے حقوق کو پامال کرنے کی روش ترک نہیں کر دی جاتی۔

یہ بات باعثِ اطمینان ہے کہ کانفرنس کے تمام شرکاء نے بڑے تدبر، بصیرت اور مثبت اندازِ فکر کا مظاہرہ کیا اور مسئلۂ افغانستان کا حل تلاش کرنے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی۔ اسلامی کانفرنس کے سیکرٹری جنرل اور پاکستان اور ایران کے وزرائے خارجہ اس کمیٹی کے رکن ہیں۔ حالیہ کانفرنس نے اس کمیٹی کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ تمام متعلقہ پارٹیوں سے رابطہ قائم کر کے مسئلۂ افغانستان کا سیاسی حل تلاش کرنے کی کوشش کرے بشرطیکہ یہ

حل اسلامی کانفرنس کی متعلقہ قرارداد کے منافی نہ ہو۔ ہم اس کمیٹی کے کام کو آگے بڑھانے اور اسے اپنے مقصد میں کامیاب بنانے کی پوری کوشش کریں گے۔

اسلامی وزرائے خارجہ کی گیارھویں کانفرنس نے متفقہ طور پر ایک قرارداد منظور کی جس میں کہا گیا کہ عالمِ اسلام کی طرف سے پاکستان، اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے آئندہ اجلاس سے خطاب کرے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ پوری اسلامی دنیا نے کسی ملک کو یہ اعزاز بخشا ہے۔ دنیا کے طول وعرض میں بسنے والے نوّے کروڑ مسلمانوں کی نمائندگی پاکستان کے لئے ایک ایسا نادر اعزاز ہے جس پر اہالیانِ پاکستان بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ میں پاکستان کی اس عزت افزائی کے لئے عالمِ اسلام کا تہہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مجھے اس بات کا پورا پورا احساس ہے کہ یہ نہ صرف ایک عظیم اعزاز ہے بلکہ ایک عظیم ذمّہ داری بھی ہے۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کو اتنی ہمّت اور توفیق عطا کرے کہ یہ خوش اسلوبی سے اسلامی امّہ کی امنگوں کی صحیح ترجمانی کر سکے۔

حالیہ اسلامی کانفرنس کا ایک قابلِ ذکر فائدہ یہ بھی ہوا ہے کہ مجھے غیر ملکی وفود کے تمام سربراہوں سے تبادلۂ خیال کا موقع ملا۔ ان ملاقاتوں میں دوطرفہ تعلقات اور باہمی دلچسپی کے معاملات پر بڑی مفید گفتگو ہوئی جس کے نتیجے میں ان برادر ممالک کے ساتھ ہمارے تعلقات کو مزید استوار کرنے میں مدد ملی ہے۔

اسلامی کانفرنس نے یہ واضح کر دیا ہے کہ دنیائے اسلام ایک ایسی متحدہ قوّت ہے جو نہ مشرق کی زیرِ نگیں ہے نہ مغرب کی، بلکہ یہ ایک ایسا اجتماع ہے جو اپنی جگہ ایک عظیم طاقت ہے جسے بین الاقوامی تعلقات میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمان ممالک کو اَن گنت وسائل مہیا کئے ہیں جنہیں بروئے کار لا کر وہ اپنا انفرادی اور اجتماعی دفاع کر سکتے ہیں۔ یاد رکھنے کے قابل بات یہ ہے کہ ہتھیار اور دیگر جنگی

ساماں ملکی دفاع کا صرف ایک ذریعہ ہوتے ہیں۔ یہ ذریعہ اپنی جگہ بہت اہم سہی، لیکن فیصلے کا انحصار کئی اور عناصر پر بھی ہوتا ہے جن میں قوموں کا حوصلہ، ان کی ہمّت، ان کی قوتِ ایمان اور ان کا جذبۂ ایثار سرِ فہرست ہوتا ہے۔

بیرونی حالات کا جائزہ ختم کرنے سے پہلے میں اپنی اس گفتگو کا لُبِّ لباب پیش کرنا چاہتا ہوں جو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پاکستانی عوام کی نیک نیتی، ان کے جذبۂ محنت اور ان کی ذہانت کا یہ نتیجہ ہے کہ آج پاکستان کا دنیا کی خوددار اور باوقار قوموں میں شمار ہوتا ہے۔ ہم اپنی عزت اور آزادی کا ہر حال میں تحفّظ کریں گے، چاہے اس کے لئے کتنی ہی قربانیاں دینی پڑیں۔

جہاں ہم چین کی دوستی کی تعریف کرتے ہیں، وہاں ہم روس سے بھی توقّع رکھتے ہیں کہ وہ ایک پڑوسی اور ایک عظیم طاقت ہونے کی حیثیت سے افغانستان کے باشندوں کو یہ موقع دے گا کہ وہ اپنے ملکی معاملات خود طے کرسکیں۔ ہم بڑی طاقتوں کی آویزش سے دُور رہتے ہوئے دونوں — روس اور امریکہ — کے ساتھ خوشگوار تعلقات رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم ان سے اصولوں پر مبنی دوستی کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔

میرے عزیز ہم وطنو!

میں اندرونی حالات کے جائزے کی ابتدا نفاذِ اسلام کے ذکر سے کرنا چاہتا ہوں۔ جیسا کہ میں کئی بار اس بات پر زور دے چکا ہوں، پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے جس کی قوت اس کا نظریہ اور جس کے نگہبان اس کے عوام ہیں جو حُبّ الوطنی کے جذبے سے سرشار ہیں۔ مگر نظریۂ اسلام سے ہماری محبّت کا ثبوت ہماری زبان سے ہی نہیں بلکہ ہمارے اعمال سے بھی ملنا چاہئے۔ میرا ہی نہیں بلکہ تمام محبّانِ وطن اور اسلام پسند عوام کا جی چاہتا ہے کہ ہم جلد از جلد یہاں اسلامی اصولوں اور اسلامی قدروں کو ہر شعبۂ

زندگی میں جاری وساری دیکھیں۔ لیکن ایک طویل عرصے سے ہم اسلامی طرزِ زندگی سے عملاً اتنی دُور ہو چکے ہیں کہ ہم قرآن مجید کو مکمّل ضابطۂ حیات تو تسلیم کرتے ہیں، لیکن ہم میں سے کچھ اسے اپنانے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں۔ اگر اس کا کوئی فوری حل ہوتا تو میں بلا جھجک اسے نافذ کر دیتا، لیکن میں دل سے محسوس کرتا ہوں کہ نفاذِ اسلام کے لئے تدریجی طریقہ بہتر ہے جو بظاہر سُست رفتار اور صبر آزما ہوتا ہے، لیکن اس کے ذریعے اگر انسانی زندگی میں کوئی تبدیلی لائی جائے تو وہ زیادہ دیرپا اور مستقل ثابت ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں جو پیش رفت پہلے ہو چکی ہے، اس سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ نفاذِ اسلام کے عمل کو تیز تر کرنے کے لئے حال ہی میں کچھ اقدامات کئے گئے ہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل کا نیا سربراہ مقرر کیا گیا ہے۔ کونسل کے نئے چیئرمین کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ کونسل کو مزید فعال بنائیں گے اور اس کے کام کی رفتار کو تیز تر کر دیں گے۔ یہاں میں اسلامی نظریاتی کونسل کے سابق سربراہ کی تعریف کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتا جنہوں نے بہت سے مفید کام سرانجام دیئے، جس کے لئے ہم اُن کے مشکور رہیں۔

مروّجہ قوانین کو اسلامی رنگ میں ڈھالنے کے عمل کو تیز کرنے کے لئے ہم نے کچھ عرصے پہلے ہر ہائی کورٹ میں ایک شریعت بنچ مقرر کیا تھا جس کے ذمّے یہ کام تھا کہ وہ کسی کی درخواست پر، یا از خود مروّجہ قوانین کا جائزہ لے کر یہ نشان دہی کرے کہ کون سا قانون کس حد تک غیر اسلامی ہے تاکہ اس کی جگہ اسلامی قانون نافذ کیا جا سکے۔ مجھے افسوس ہے کہ ان بنچوں کی کارکردگی توقعات سے بہت کم رہی ہے۔ ان بنچوں کے قیام سے لے کر اب تک انہیں کُل دو سَو کے قریب کیس بھیجے گئے، جن میں سے صرف ۸۶ کیسز Cases پر فیصلہ سنایا گیا۔ مجھے خود ہائی کورٹ کے ایک جج صاحب نے بتایا کہ بعض ہائی کورٹ ایسے مقدمات کے لئے ہفتے میں صرف آدھ گھنٹہ وقت دیتے ہیں اور بقیہ وقت دیگر

کاموں میں صَرف کرتے تھے۔صورتِ حال کو بہتر بنانے کے لئے ان صوبائی بنچوں کی جگہ اب ایک وفاقی شرعی عدالت جسے ہم Federal Shariat Court کہتے ہیں، قائم کی گئی ہے جو چیئرمین سمیت پانچ ارکان پر مشتمل ہے۔ یہ عدالت وفاقی یا صوبائی حکومت یا کسی بھی شہری کی درخواست پر مروّجہ قوانین کا جائزہ لے گی۔ اُن کے غیر اسلامی پہلوؤں کی نشاندہی کریگی اور متعلقہ قانون کو اس کی غیر اسلامی حد تک کالعدم بھی قرار دے سکے گی۔ یہ عدالت مستقل ہوگی اور ہمہ وقتی بنیاد پر کام کرے گی۔ اپنا طریقۂ کار خود وضع کرے گی۔ جید علماء، فضلاء محققین ماہرین قانون اور ان تمام لوگوں کی مدد حاصل کرے گی جو مروّجہ قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے میں ہاتھ بٹا سکیں۔ میں اور پاکستان کے عوام اس عدالت سے بہت سی توقعات رکھتے ہیں۔ اُمید ہے کہ یہ عنقریب اپنی کارکردگی سے ان توقعات کو پورا کرے گی۔

اسلامی قوانین کو نافذ کرنے میں ایک مشکل یہ بھی حائل ہے کہ ہمارے ملک میں ایسے تربیت یافتہ آدمیوں کی بہت کمی ہے جو اس سلسلے میں قانونی ذمہ داریاں سنبھال سکیں۔ ہم نے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے پچھلے سال قائدِ اعظم یونیورسٹی میں شریعہ فیکلٹی کا آغاز کیا تھا۔ مجھے آج یہ اعلان کرکے خوشی محسوس ہوتی ہے کہ اِسی سال سے اِس فیکلٹی یعنی کُلّیہ کو وسعت اور ترقی دے کر باقاعدہ اسلامی یونیورسٹی کا درجہ دیا جا رہا ہے۔ اس یونیورسٹی میں فی الحال شریعہ فیکلٹی کے تحت ایل، ایل، بی اور ایل، ایل، ایم کی کلاسیں ہوں گی۔ مناسب تیاری کے بعد اسلامی یونیورسٹی میں دوسرے شعبے یا Faculties بھی شروع کی جائیں گی۔ مجھے امیدِ واثق ہے کہ اسلامی یونیورسٹی کا قیام اسلامی نظام کے فروغ کی طرف ایک نہایت اہم قدم ہوگا اور اس یونیورسٹی کے طلبا اور اساتذہ ایک اہم خدمت سرانجام دیں گے۔

جب میں نفاذِ اسلام کا ذکر کرتا ہوں تو میرے پیشِ نظر دو کام ہوتے ہیں۔

ایک وہ اسلامی اقدار جنہیں اپنانا ہر فرد کا کام ہے اور دوسرے وہ قوانین جو حکومت نے نافذ کرنے ہیں۔ اسلامی معاشرے کی تشکیل میں افراد کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔ ہمیں دیکھنا چاہئے کہ ہماری روزمرہ زندگی اسلامی اصولوں کے مطابق ہے یا نہیں۔

ہمیں سوچنا چاہئے کہ:

۱۔ جب نماز فرض ہے تو کیا ہم نے نماز ادا کرکے یہ فرض پورا کیا ہے یا نہیں۔

۲۔ کیا ہمارے پڑوس میں کوئی غریب آدمی بھوکا تو نہیں سویا۔

۳۔ کیا ہمارے علم میں کوئی ایسا اپاہج، معذور یا مصیبت زدہ فرد تو نہیں جس کی ہم نے مدد نہیں کی۔

۴۔ کیا ہم نے جھوٹ تو نہیں بولا، رشوت تو نہیں لی، امانت میں خیانت تو نہیں کی۔

۵۔ کیا ہم نے دنیاوی خداؤں کی بے جا تعریفیں تو نہیں کیں۔

اور

۶۔ کیا ہم نے بڑوں کی عزت کی اور چھوٹوں سے شفقت کے ساتھ پیش آئے۔

۷۔ کیا ہم نے اپنے فرائض پوری ایمان داری اور پوری استطاعت کے ساتھ انجام دیئے۔

یہ فہرست جتنی اہم ہے اتنی ہی طویل بھی ہے۔ میں اس سلسلے میں زیادہ وعظ وتلقین میں پڑنا نہیں چاہتا۔ صرف اس بات پر زور دینا چاہتا ہوں کہ ہم سب اپنی زندگی میں اسلامی شعار کو اپنائیں، کیونکہ قطرہ قطرہ مل کر دریا بنتا ہے۔

جہاں تک حکومت کا تعلق ہے، یہ زندگی کے چار اہم شعبوں میں نفاذِ اسلام کے لئے ضروری اقدامات کرنے کی کوشش کر رہی ہے:

۱۔ نظامِ معیشت

۲۔ نظامِ عدل و انصاف

۳۔ نظامِ فلاح و بہبود

۴۔ نظامِ تعلیم

ان چاروں شعبوں میں بیک وقت کام ہو رہا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ اس میدان میں ابھی تک کام کی رفتار سست رہی ہے۔ اسے تیز کرنے کی ضرورت ہے جس کے لئے مزید اقدام کئے جا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں اگر آپ کے پاس کوئی تجویز یا سفارش ہو تو براہِ کرم اسے میرے پاس اس پتے پر بھجوا دیں:

"شعبۂ نفاذِ اسلام" چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹرز سیکرٹیریٹ، راولپنڈی۔

آپ کی تجاویز کا فوری جائزہ لیا جائے گا اور ہم انشاء اللہ اُس پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔

ابھی تک سُست رفتاری کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اسلامی قوانین تو وضع کئے، لیکن انہیں مروجہ عدالتی نظام کے ذریعے چلانے کی کوشش کی۔ گویا ایک قسم کی کھچڑی پک گئی۔ تجربے نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ اسلامی قوانین اسلامی طریقے سے ہی نافذ ہونے چاہئیں۔ اس کے لئے مناسب سطح پر قاضی مقرر کئے جائیں گے جنہیں اسلامی قوانین اور فقہ پر عبور حاصل ہوگا۔ ان اسلامی عدالتوں کا واحد کام شرعی قوانین کے مطابق مقدمات کا فیصلہ کرکے فوری انصاف مہیا کرنا ہوگا۔ وہ جرم جن کے متعلق شرعی قوانین رائج ہیں، ان کے مقدمات کی سماعت صرف انہی شرعی عدالتوں میں کی جائے گی۔

موجودہ عدالتی نظام آپ کے سامنے ہے۔ اس کی خامیوں کو دُور کرکے اس کو اسلامی تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ انصاف کے حصول میں تاخیر نہ ہو اور انصاف صرف کمرۂ عدالت تک محدود نہ رہے بلکہ ظالم کے گھر تک پہنچ کر اسے سزا دی جائے تاکہ جھوٹے کو سزا دی جائے اور سچے کی اعانت کی جائے۔ تاکہ امیر غریب، چھوٹے بڑے، مرد عورت

ہر ایک کے ساتھ بلا امتیاز انصاف کیا جائے۔ ہم اس اسلامی روح کے عین مطابق عوام کو عدل وانصاف مہیا کرنا چاہتے ہیں۔ ماہرین اس بات کا جائزہ لے رہے ہیں کہ ان شرعی عدالتوں کا دائرہ کار کیا ہوگا اور وہ کس سطح پر قائم کی جانی چاہئیں۔ غور وخوض کے بعد ان ماہرین کی سفارشات کو انشاءاللہ عنقریب فوری طور پر عملی شکل دی جائے گی۔

اسلامی نظامِ فلاح کی عکاسی حکمِ زکوٰۃ سے ہوتی ہے۔ ہم نے نظامِ زکوٰۃ نافذ کرنے کی مخلصانہ کوششیں کیں۔ اس سلسلے میں ہمیں کچھ دشواریوں کا بھی سامنا کرنا پڑا جنہیں افہام وتفہیم کے ذریعے دُور کر لیا گیا ہے۔ مجھے یہ اعلان کر کے خوشی محسوس ہوتی ہے کہ زکوٰۃ اور عشر آرڈیننس کا مسوّدہ تیار ہو چکا ہے۔ کابینہ اس پر دو مرتبہ غور کر چکی ہے۔ اس میں چند ترامیم درکار تھیں جو آج کل کی جا رہی ہیں۔ انشاءاللہ اس آرڈیننس کو آئندہ چند روز میں نافذ کر دیا جائے گا۔

اسلامی قوانین کے سلسلے میں سب سے اہم اور کٹھن کام مالیاتی شعبے سے متعلق ہے جہاں ہم سود کی لعنت سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے گزشتہ سال ۱۲ ربیع الاوّل کو چند اسلامی قوانین کے نفاذ کا اعلان کرتے ہوئے کہا تھا کہ بلا سود اقتصادی نظام وضع کرنے میں تین سال کا عرصہ لگے گا۔ اس سلسلے میں اب تک جو پیش رفت ہوئی ہے اس کا اعلان چند ہفتے بعد انشاءاللہ بجٹ کے موقعے پر کر دیا جائے گا۔ مزید کام کو جلد از جلد نپٹانے کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل کے تحت مالیاتی ماہرین کی کمیٹی بڑی محنت اور دلجمعی سے کام کر رہی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ یہ کمیٹی اپنی سفارشات جلد از جلد مکمل کر لے گی۔

ہمارے ہاں آج کل جو اقتصادی نظام موجود ہے وہ ملی جلی معیشت کے اصول پر قائم ہے۔ اسے کامیاب طور پر چلانے کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ حکومت کی پالیسیاں صحیح ہوں، وہاں یہ بھی لازم ہے کہ نجی شعبہ بھی ملکی مفاد کو پیش نظر رکھے۔

آپ کو یاد ہوگا ہمیں جو اقتصادی حالت ورثے میں ملی تھی وہ ملک کو دیوالیہ پن کے کنارے تک لے آئی تھی۔ صنعتی پیداوار بڑی تیزی سے کم ہو رہی تھی۔ زراعت پر جمود طاری تھا۔ برآمدات برابر گھٹتی جا رہی تھیں۔ نجی شعبے میں سرمایہ کاری ختم ہو چکی تھی۔

گزشتہ تین سالوں میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور ہمارے مزدوروں، کارخانہ داروں، کاشت کاروں اور زمینداروں کی انتھک محنت سے یہ فرق پڑا ہے کہ ہم معاشی تباہی سے بچ گئے ہیں۔ معیشت میں تنزلی کا رجحان ختم ہو گیا ہے۔ گندم، چاول اور کپاس کی فصلیں ربّ العزت کے کرم سے بہت اچھی ہوئی ہیں۔ پچھلے تین سالوں میں برآمدات میں سو فی صد اضافہ ہوا ہے۔ مجموعی طور پر ہماری معاشی حالت پہلے کی نسبت بہتر ہو گئی ہے۔ یہاں ہر کوئی عزت کی روزی کماتا اور آرام کی نیند سوتا ہے۔ اگر غربت دیکھنی ہو تو تیسری دنیا کے کسی دوسرے ملک میں جا کر دیکھئے، جہاں بہت سے لوگ پورا جسم بھی نہیں ڈھانپ سکتے۔ دو وقت کی روٹی کو بھی ترستے ہیں اور رات کو سڑکوں پر سوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ہمیں ہمیشہ شکر گزار ہونا چاہئے کہ پاکستان میں حالات بہت بہتر ہیں۔

ان حوصلہ افزا نتائج کے باوجود ہمیں یہ ہرگز نہیں بھولنا چاہئے کہ ابھی ہمیں بہت کچھ کرنا ہے۔ ہمارا نصب العین یہ ہے کہ ہم اقتصادی، معاشی، دفاعی غرضیکہ زندگی کے ہر شعبے میں اپنے پاؤں پہ کھڑے ہو سکیں۔ یہ نصب العین اپنی جگہ بہت عمدہ اور قابلِ تحسین ہے، لیکن اس کے لئے کئی اقدامات کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے ہمیں جذبۂ قربانی سے کام لینا ہوگا، اپنے وسائل کو ترقی دینا ہوگی، غیر ملکی قرضوں سے جو ہماری معیشت کو دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں، ہمیں نجات حاصل کرنا ہوگی اور دوسروں پر انحصار کم سے کم کرنا ہوگا۔ یہ واحد لائحہ عمل ہے جو ہماری قومی حمیت اور ملی وقار کی ضمانت دے سکتا ہے۔ یہی وہ اصول ہے جس کو موجودہ حکومت پہلے دن سے اپنائے ہوئے ہے اور عوام کی امنگوں کے مطابق

ہم محنت اور مسلسل محنت سے اس منزل کو ضرور حاصل کریں گے۔

اقتصادی بحالی کے رجحان کی بڑی وجہ اندرونی استحکام اور امنِ عامہ کی تسلی بخش حالت ہے۔ یہاں ہماری ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کی عزت محفوظ ہے۔ یہاں کسی کی پگڑی نہیں اچھالی جاتی۔ یہاں کسی کو دلائی کیمپ میں دھکیلا نہیں جاتا۔ یہاں کسی کے دروازے پر آدھی رات کو خطرناک دستک نہیں دی جاتی۔

مجھے معلوم ہے کہ امن وامان کی اس فضا میں خلل ڈالنے کے لئے کئی عناصر سرگرمِ عمل ہیں۔ ان میں سے بعض اندرونِ ملک اپنے مقاصد کے لئے عوام کو آلۂ کار بنانے کی کوشش کر رہے ہیں اور بعض ملک کی سرحدوں سے باہر بیٹھ کر یا تو متعلقہ ملک کی مہمان نوازی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں یا اپنے ملکی مفادات کو نقصان پہنچانے کے لئے غیر ملکی طاقتوں سے ساز باز کر رہے ہیں۔ حکومت اُن سب کے عزائم سے اچھی طرح آگاہ ہے۔ وقت آنے پر ان غیر ملکی ایجنٹوں کے ناپاک منصوبوں کو عوام کے سامنے لایا جائے گا۔ اس سلسلے میں حکومت پر جو ذمّہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ان کا بھی اسے پورا احساس ہے۔ حکومت کا یہ بنیادی فرض ہے کہ وہ ملک میں ہر قیمت پر پُرسکون حالات برقرار رکھے تاکہ قوم ترقی کی منزل کی طرف گامزن رہ سکے۔

میرے عزیز ہموطنو!

آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے پچھلے سال ۱۶ر اکتوبر کو عوام کے مسائل کا ذکر کرتے ہوئے چند ترجیحات کا ذکر کیا تھا۔ ان میں سے دو مسائل جو آج بھی توجّہ چاہتے ہیں، یہ ہیں:۔

ایک مہنگائی اور دوسرے انصاف کے حصول میں تاخیر۔ مہنگائی کے بارے میں جہاں یہ بات کسی حد تک باعثِ اطمینان ہے کہ روزمرّہ کی بیسیوں اشیائے ضرورت میں سے اکثر چیزوں کی قیمتیں مستحکم ہیں اور آج سے چند سال پہلے قیمتوں میں صبح وشام اضافے کا جو

رجحان پایا جاتا تھا وہ ختم ہو چکا ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ کبھی کبھی مارکیٹ سے ایک آدھ ضروری چیز غائب ہونے سے عوام کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ اشیائے ضرورت کی قیمتوں پر کڑی نظر رکھے۔

اللہ کے فضل و کرم سے ملک میں ضرورت کی تمام اشیاء موجود ہیں۔ صرف مفاد پرست عناصر دیدہ و دانستہ بعض اوقات مصنوعی قلّت پیدا کر دیتے ہیں، جو بہتر نگرانی اور بہتر انتظامات سے دور کی جا سکتی ہیں۔ میں تمام صوبائی گورنروں کو ہدایت کروں گا کہ وہ اشیائے ضرورت کی فراہمی اور ان کی قیمتوں پر خاص نظر رکھیں اور قیاس آرائیوں کی وجہ سے منافع خوری کی جو وبا پھیلتی ہے، اس سے عوام کو محفوظ رکھنے کے لئے مناسب اقدامات کریں۔ میں عوام سے بھی اپیل کروں گا کہ وہ بھی اشیائے ضرورت کی ذخیرہ اندوزی سے گریز کریں۔ اپنی ضروریات کو کم از کم رکھیں، اپنا معیارِ زندگی سادہ اور اپنے وسائل کے مطابق بنائیں۔ فضول خرچی اور جھوٹی شان بنانے کی جو غیر اسلامی عادت پڑ چکی ہے، اس سے نجات حاصل کریں۔ بحیثیت فرد اور بحیثیت قوم صرف ان آسائشوں کی طلب کریں جن کا مالی بوجھ وہ بآسانی برداشت کر سکتے ہیں۔ ہمارے ہاں ملکی سطح پر اپنے مستقبل کو خطرے میں ڈال کر مانگے تانگے کی رقم سے عیش و عشرت کی جو روایت بن چکی ہے، اسے ختم کرنا ہوگا۔ اگر ہمیں ایک باعزّت اور باوقار قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا ہے تو ہمیں بلا محنت آرام و آسائش کی عادت چھوڑنی ہوگی، اپنی ضروریات کو اپنی آمدنی تک محدود کرنا ہوگا تاکہ ہم آئندہ نسلوں کو بھاری غیر ملکی قرضوں کے زیرِ بار کرنے کی بجائے انہیں آزادی اور عزّت کی زندگی گزارنے کا اہل بنا سکیں۔

میں سرکاری ملازموں ـــ خاص طور پر اعلیٰ افسروں ـــ کو بھی ہدایت کروں گا کہ وہ بھی مصنوعی شان و شوکت کے خول سے نکلیں، سادہ طرزِ زندگی اپنائیں، عوام کی

تکالیف دور کرنے کی بھرپور کوشش کریں اور ان کے ساتھ مل کر ملک کی تعمیرِ نو میں حصّہ لیں۔ انتظامیہ کے حکام کو یہ ہدایات جاری کی جا چکی ہیں کہ وہ مہینے میں کم از کم دس دن دفتروں سے باہر نکل کر دیہات میں، شہروں میں عوام کے پاس جائیں اور ان کے مسائل سنیں اور جہاں تک ممکن ہو، انہیں فوری طور پر حل کرنے کی کوشش کریں۔

انتظامیہ کو یہ بھی ہدایت کی جا چکی ہے کہ وہ کم از کم ہفتے میں ایک دن یا دن میں کچھ خاص معیّنہ وقت پر عوام سے ملیں اور اس ملاقات کا یہ مطلب نہیں ہونا چاہئے کہ باہر بورڈ تو لگا ہو، لیکن اندر صاحب ملنے سے قاصر ہے۔ جب میں انتظامیہ سے یہ توقع کرتا ہوں کہ وہ عوام سے ملیں تو میری یہ توقع ہے کہ وہ ہفتے میں کم از کم ایک دفعہ عوام سے کھلے بندوں ملیں تاکہ عوام کی تکالیف کا جائزہ صحیح معنوں میں لے سکیں۔ ہماری ترقی کا راز عوام کے ساتھ تعاون کرنے اور محنت اور سادگی کے اصولوں کو اپنانے میں ہے۔

انتظامیہ کا ذکر کرتے ہوئے میں ساری مشینری کے بارے میں عوام کی اس شکایت کا بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں جو رشوت کے بارے میں ہے۔ رشوت کی شکایات وقتاً فوقتاً مجھ تک پہنچتی رہتی ہیں۔ رشوت دینا اور رشوت لینا قانونی اور اخلاقی دونوں لحاظ سے قابلِ گرفت جرم ہے جس کا قلع قمع کرنے کے لئے آپ سب کو حکومت کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے۔

میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ بعض اوقات انسان مجبور ہو کر اپنے ان کاموں کو حل کرنے کے لئے رشوت دینے پر مجبور ہو جاتا ہے، لیکن آپ اس چیز کی طرف بھی غور کیجئے کہ اگر میں اور آپ رشوت نہ دیں تو پھر رشوت دے گا کون۔ اور اگر ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ رشوت لینے والے اشخاص موجود ہیں تو میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ ایسے افسران کی نشاندہی کیجئے اور ان کے متعلق مجھے، گورنر صاحبان کو، اپنے عوامی نمائندوں کو بتلایئے، لیکن اس معاملے میں ایک چیز کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ جھوٹا الزام کسی پر لگانا اتنا

ہی ظلم ہے جتنا کہ اور کوئی۔ اور اسلام کی رُو سے کسی کے اوپر جھوٹا الزام لگانا ایک عظیم گناہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس سے کنارہ کشی کرتے ہوئے ان تمام لوگوں کی جو رشوت خور ہیں یا عوام کی تکالیف سننے میں پس و پیش کرتے ہیں، نشاندہی کریں۔ میں آپ سے توقع کروں گا کہ آپ اپنے عوامی نمائندوں کو، گورنر صاحبان کو اور مجھ کو بھی صحیح معنوں میں سچے طور پر مسلمان کی حیثیت سے اپنی تکالیف سے آگاہ کریں۔ میں انشاءاللہ وعدہ کرتا ہوں کہ جو کچھ بھی حکومت کے دائرۂ کار میں ہے، اُس کے مطابق کارروائی کرتے ہوئے اُن تمام غلط قسم کے لوگوں کی جڑیں اکھاڑ دی جائیں گی۔

دوسرا مسئلہ جس کا میں نے ابھی ذکر کیا تھا حصولِ انصاف سے متعلق ہے۔ مارشل لا سے عوام کی جو توقعات وابستہ ہوتی ہیں ان میں سرِفہرست انصاف کا حصول بھی ہوتا ہے۔ اگرچہ متعدد عدالتیں عام حالات میں مصروفِ عمل رہتی ہیں، لیکن جوں ہی مارشل لا لگتا ہے، ہزاروں لوگ حصولِ انصاف کے لئے مارشل لا انتظامیہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا انہیں مارشل لا عزیز ہے یا انہیں خدانخواستہ عدل کے روایتی مرکزوں سے شکایت ہے؟ میرے خیال میں ایسا کرنے میں بے پناہ وقت اور پیسہ صرف ہوتا ہے۔ بعض اوقات انصاف کا متلاشی کچہریوں کے چکّر لگاتا لگاتا اس دارِفانی سے کوچ کر جاتا ہے۔ اس وقت بھی ملک کی صرف اعلیٰ عدالتوں میں پونے دو لاکھ سے زیادہ مقدمے فیصلہ طلب پڑے ہیں۔ اس سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ذیلی عدالتوں میں فیصلہ طلب مقدمات کی تعداد کتنی ہوگی۔ ان تمام مقدمات کا فیصلہ کب ہوگا اور کس خوش قسمت کو اپنی زندگی میں انصاف پانے کی خوش خبری ملے گی خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

ہمیں جب مارشل لا لگانا پڑا تو میں نے اپنی پہلی نشری تقریر میں یہ کہا تھا کہ "ملک کی عدلیہ کے لئے میرے دل میں بہت احترام ہے۔ میری پوری کوشش ہوگی کہ جہاں تک

ممکن ہو عدلیہ کے اختیارات محدود نہ ہوں۔ تاہم بعض ناگزیر حالات میں خصوصی صورتِ حال سے نپٹنے کے لئے مارشل لا آرڈر اور مارشل لا ریگولیشن جاری کرنا ضروری ہوں گے جب بھی یہ آرڈر اور ریگولیشن جاری ہوں گے، ان کو کسی اور عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکے گا۔"

میں آج بھی اپنے اس فیصلے پر قائم ہوں اور عدلیہ کا دل سے احترام کرتا ہوں۔ گزشتہ دو اڑھائی سال میں ہم جن تجربوں سے گزرے ہیں، ان سے یہ نتیجہ سامنے آیا ہے کہ عدلیہ کا احترام اپنی جگہ بہت مقدم ہے، لیکن عوام کی روزمرہ کی مشکلات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ہمارا نظامِ انصاف اتنا پیچیدہ ہے کہ اس کے ذریعے انصاف حاصل کرنے میں کئی سال لگ جاتے ہیں۔ لہٰذا معاشرے میں چند سنگین جرائم کے سدّباب کے لئے ضروری تھا کہ مجرموں کو بلا تاخیر سزا دی جائے۔ چنانچہ ہم نے اس مقصد کے لئے فوجی عدالتیں تشکیل دیں اور انہیں عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے بعد ایسے مقدمات فوری طور پر نپٹانے کی ہدایت کی۔ جب ان فوجی عدالتوں نے عوام کی بہتری کے لئے کام شروع کیا تو بعض سول عدالتوں نے اس کارروائی میں دخل اندازی کی، جس سے نہ تو عوام کی توقعات پوری ہو سکیں اور نہ انہیں فوری انصاف مل سکا۔

اس صورتِ حال سے نپٹنے کے لئے بہت سے باشعور لوگوں نے مجھے یہ مشورہ بھی دیا کہ مارشل لا کو مارشل لا کے طور پر چلایا جائے اور یہ بھی کہا کہ ۱۹۷۳ء کا آئین منسوخ کر دیا جائے۔ یہ ایک آسان راستہ تھا جسے میں نے اگر اپنانا ہوتا تو ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو ہی اپنا سکتا تھا، لیکن میں نے سوچا کہ اگر ۱۹۷۳ء کے آئین کو منسوخ کئے بغیر مارشل لا کو مؤثر طور پر چلایا جا سکے تو یہ انتہائی قدم اٹھانے کی ضرورت نہیں۔

پچھلے تین سالوں میں، مَیں اس فیصلے پر عمل کرتا رہا ہوں۔ لہٰذا میں نے گزشتہ سال عوام کو فوری انصاف مہیا کرنے کے لئے اور مارشل لا کو مؤثر بنانے کے لئے متعلقہ افراد کے ایما پر یہ طریقہ اختیار کیا کہ آئین کی دفعہ ۲۱۲ میں ایک شق کا اضافہ کر کے ان سنگین مقدموں کو سول عدالتوں کے دائرۂ اختیار سے خارج کر دیا جائے جو فوجی عدالتوں میں زیرِ سماعت تھے یا زیرِ سماعت آسکتے تھے۔ افسوس کا مقام ہے کہ جن مقاصد کے لئے یہ ترمیم کی گئی تھی وہ پورے نہ ہو سکے کیونکہ فوجی عدالتوں کے فیصلوں پر سول عدالتوں نے حکمِ امتناعی جاری کرنا شروع کر دیئے جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ مارشل لا انتظامیہ حسبِ معمول غیر مؤثر رہی اور عوام پہلے کی طرح حق و انصاف سے محروم رہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس کا فائدہ کس کو پہنچا؟ ڈاکوؤں کو؟ قاتلوں کو؟ اغوا کرنے والوں کو یا بیچارے عوام کو؟ اس کارروائی کی وجہ سے کئی رکاوٹیں پیدا ہوئی ہیں۔ بعض مقدمات جن کا فیصلہ ہو چکا تھا، اُن پر عمل نہیں ہو سکا اور بعض مقدمات جن کی کارروائی جاری تھی، ابھی تک فیصلہ طلب پڑے ہیں۔

ہم نے چند روز پہلے اس صورتِ حال کا ازسرِ نو جائزہ لیا اور تفصیلی غور و خوض کے بعد میں اور میرے رفقاء اس نتیجے پر پہنچے کہ ملک و قوم کی یہ کوئی خدمت نہیں کہ قواعد و ضوابط کی مُوشگافیوں میں اُلجھ کر عوام کو حق و انصاف سے محروم رکھا جائے۔ چنانچہ ان حالات میں یہ ناگزیر فیصلہ کرنا پڑا کہ فوجی عدالتوں کے دائرۂ کار کو ۳۵ جرائم سے کم کر کے صرف آٹھ سنگین جرائم تک محدود کر دیا جائے اور ان جرائم سے متعلق مقدمات میں فوجی عدالتوں کے فیصلوں کو سول عدالتوں کے دائرہ کار سے الگ کر دیا گیا ہے۔ باقی تمام مقدمات میں سول عدالتیں حسبِ معمول کام کرتی رہیں گی۔

ان اقدامات سے ہمارا مقصد عدلیہ کے اختیارات کو کم کرنا یا ان کی تکریم کو ٹھیس پہنچانا نہیں۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ کوئی شخص اسمگلنگ، رشوت ستانی یا ڈاکہ زنی

کا مرتکب ہو تو اسے بلا تاخیر سزا دی جا سکے۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ اگر کوئی بدمعاش کسی عورت کی عزت پر ہاتھ ڈالے تو اسے عبرتناک سزا دے کر دوسروں کو ایسی حرکتوں سے باز رکھا جا سکے۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ اگر کسی کے لختِ جگر کو کوئی درندہ صفت انسان اغوا کر لے تو اسے اس کی درندگی کا فوری خمیازہ بھگتنا پڑے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ آپ ڈاکو کو کھلے بندوں ڈاکہ ڈالتے دیکھیں، لیکن اسے صرف اس لئے سزا نہ دے سکیں کہ عدالت کے پاس پہلے ہی ہزاروں کیس سماعت کے لئے پڑے ہیں۔ یہ کہاں کا قانون ہے کہ کسی معصوم کو دن دہاڑے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے، لیکن مقتول کے وارث حصولِ انصاف کے لئے برسوں انتظار کرتے رہیں۔ یہ قانون کی کیسی بالادستی ہے کہ ایک شخص کھُلم کھُلا ملک دشمنی پر اتر آئے اور آپ اس لئے اس پر ہاتھ نہ ڈال سکیں کہ کسی عدالت نے یہ مقدمہ محض فوجی عدالت میں زیرِ سماعت ہونے کی وجہ سے متعلقہ فرد کو ضمانت پر رہا کر دیا ہے۔ ایسے قانون اور ایسے طریقۂ کار پر یقیناً نظرِثانی درکار ہے۔

یہی نہیں، میں اور بھی آپ کو مثالیں دینے کے لئے تیار ہوں۔ کچھ عرصہ پہلے کوئٹہ میں دن دہاڑے ایک شخص کو قتل کر دیا گیا۔ آج تک یہ مقدمہ عدالت کے زیرِ غور ہے۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ عدلیہ کے احترام کے ساتھ میں قوم کو ان جرائم پیشہ لوگوں سے انصاف دلانے کا ذمہ دار ہوں اور انشاءاللہ اپنی یہ ذمہ داری، جب تک مجھ پر عائد ہے، پوری کرنے کی انتہائی کوشش کروں گا۔

چونکہ ملک میں مارشل لا لگا ہوا ہے، اس لئے مارشل لا کے تقاضے پورا کرنے کے لئے فوجی عدالتوں کا قیام ناگزیر ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ جو معدودے چند مقدمے فوجی عدالتوں میں زیرِ سماعت آئیں، ان میں کسی قسم کی دخل اندازی نہ کی جائے۔ اس اصول کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہم نے جو طریقِ کار اپنایا ہے اس کے مطابق ملک

میں سول اور فوجی عدالتیں اپنے اپنے دائرۂ کار میں بیک وقت کام کرتی رہیں گی۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، فوجی عدالتیں بھی مسلّمہ عدالتی طریقوں کو اپنا کر ہی انصاف کرتی ہیں۔ یہ اپنی عزت اور تقدس کے لحاظ سے باقی عدالتوں کی طرح قابلِ قدر ہیں۔ جو بھی قانون کی حکمرانی پر یقین رکھتے ہیں، انہیں ان تمام عدالتوں کا بھی احترام کرنا چاہئے۔

اکثر لوگ یہ بھی پوچھتے ہیں آیا ہمارا موجودہ عدالتی نظام اسلام کے مطابق بدلا جا سکتا ہے؛ اس نظام میں وکلاء اور جج صاحبان کا کیا مقام ہے اور ہمارے مروّجہ نظام کو اسلامی نظامِ عدل سے ہم آہنگ کرنے کے لئے کیا اقدامات ضروری ہیں۔ میں یہ کام اسلامی نظریاتی کونسل کو سونپوں گا تاکہ وہ اس کا جائزہ لے اور بلا تاخیر اپنی حتمی رائے سے مجھے آگاہ کرے۔

معزز خواتین وحضرات!

اندرونی حالات کا ذکر کرتے وقت عموماً حکومتِ وقت کی کارکردگی کا بھی جائزہ لیا جاتا ہے۔ میں اپنی حکومت کی تعریف اور دفاع میں کچھ نہیں کہنا چاہتا، لیکن ایک بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ملک کو خانہ جنگی اور افراتفری کی دلدل سے نکالنے کے لئے ہمیں مارشل لاء لگانا پڑا تھا۔ حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ اندرونی استحکام اور امنِ عامہ کی حالت پر کڑی نظر رکھے تاکہ ملک دوبارہ افراتفری اور انتشار کے خطرے سے دوچار نہ ہو جائے۔ اس کے علاوہ ہم نے ملک کا نظم وضبط سنبھالتے ہی عوام کی خواہشات کے عین مطابق نفاذِ نظامِ اسلام کے کام کا آغاز کر دیا تھا۔ ہماری کوشش ہے کہ ہم اپنے دور میں اگر مکمل طور پر اسلام نافذ نہیں کر سکتے تو کم از کم ہر ممکن حد تک اس کی اتنی مستحکم بنیاد ضرور رکھ دیں کہ بعد کی حکومتیں اسے آگے بڑھا سکیں۔

جہاں تک انتخابات کا تعلق ہے، میں نے انتخابات کا وعدہ رضاکارانہ طور پر

اپنی پہلی نشری تقریر میں کیا تھا اور آج تک اس وعدے پر قائم ہوں۔ میں نے یہ وعدہ پورا کرنے کے لئے گزشتہ سال نومبر میں الیکشن کرانے کا پورا اہتمام کر لیا تھا۔ اگر اس کے باوجود انتخابات منعقد نہ ہو سکے تو اس کی ذمہ داری موجودہ حکومت پر عائد نہیں ہوتی انتخابات ملتوی کرانے کے ذمہ دار کون ہیں؟ آپ ان سے بخوبی واقف ہیں۔ میں اس وقت اس کی تفصیلات دوہرا کر آپ کا زیادہ وقت نہیں لینا چاہتا۔ میں اب بھی صدقِ دل سے محسوس کرتا ہوں کہ انتخابات ضرور ہونے چاہئیں — اور انشاء اللہ ضرور ہوں گے۔ جس کے لئے الیکشن کمیشن کی تشکیل نو کی جا رہی ہے اور نئے چیف الیکشن کمشنر کا تقرر کیا جا چکا ہے۔

انتخابات اور طرزِ انتخابات کے بارے میں کئی سوالات اٹھائے جا رہے ہیں۔ مجھ سے اکثر سوال کیا جاتا ہے کہ کیا اسلامی طرزِ حکومت میں سیاسی پارٹیوں کا وجود ہے یا نہیں؟ کیا اسلامی طرز کے انتخابات میں ہر کوئی امیدوار کھڑا ہو سکتا ہے یا اس کے لئے کوئی شرط ہے اور آیا مغربی طرزِ جمہوریت اسلامی ہے یا غیر اسلامی؟ میں اس بحث میں الجھنا نہیں چاہتا کہ ان میں سے کیا اسلامی ہے اور کیا غیر اسلامی؟ لیکن یہ ضرور محسوس کرتا ہوں کہ ان سوالات کے جوابات کے واضح اشارے ۱۹۴۹ء کی قراردادِ مقاصد اور ۱۹۷۳ء کے دستور کے ابتدائیے میں موجود ہیں۔

جیسا کہ میں کئی موقعوں پر کہہ چکا ہوں، جمہوریت کی بنیاد اوپر سے نہیں نیچے سے تعمیر ہونی چاہئے۔ اس پر واضح اشارہ کرنے سے پہلے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو ہم نے رضاکارانہ طور پر جیسا کہ میں نے پہلے آپ سے عرض کیا، ملک کو اندرونی خانہ جنگی سے بچانے کے لئے نظامِ حکومت سنبھالا۔ میں یہ بھی محسوس کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرائض مجھ پر عائد کئے ہیں، میں انشاء اللہ ان کو پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔

اور میں آپ سے یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب تک یہ فرائض پورے نہیں ہو جاتے اور جب تک مجھے عوام کا تعاون حاصل ہے، میں اس وقت تک اپنی پوری کوشش کروں گا کہ میں اور میرے رفقائے کار اس ملک کے اندر نظام اسلام اور انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے پوری جدوجہد کریں اور جب وقت آئے تو پھر عوام کے ان نمائندوں کو جنہیں عوام ذمہ داری دینا چاہتے ہیں، اور جو صحیح معنوں میں اس کے اہل ہیں، ملک کے مسائل ، وسائل اور ملک کا نظم و نسق حوالے کر کے جائیں۔ جہاں تک عوامی نمائندوں کا تعلق ہے، اس کے لئے بلدیاتی انتخابات پہلے ہی کرائے جا چکے ہیں۔

یہ بلدیاتی ادارے معرضِ وجود میں آ کر اپنا کام شروع کر چکے ہیں۔ صوبائی اور وفاقی سطح پر ان کے کامیاب کنونشن منعقد ہو چکے ہیں۔ ان اداروں کی کارکردگی کے متعلق جو رپورٹیں مجھ تک پہنچی ہیں وہ بالعموم بڑی تسلّی بخش اور خوش آئند ہیں۔ یہ بلدیاتی ارکان اپنے اپنے علاقے میں قابلِ ستائش ترقیاتی کام کر رہے ہیں۔ ہم ان اداروں کو مزید مؤثر بنانا چاہتے ہیں۔ اگلے مالی سال کے لئے ترقیاتی منصوبے تیار کرتے وقت صوبائی حکومتوں نے ان کی سفارشات کو ملحوظ رکھا ہے۔ اب یہی منتخب نمائندے ان منصوبوں کو عملی جامہ بھی پہنائیں گے جن کے لئے صوبائی حکومتوں نے اپنے اپنے سالانہ ترقیاتی پروگراموں میں بھاری رقوم رکھی ہیں۔

میرے عزیز ہموطنو!

ہم ایک مشکل دور سے گزر رہے ہیں۔ ہماری سرحدوں کے پار رونما ہونے والے حالات ہمارے لئے باعثِ تشویش ہیں۔ ان حالات کا تقاضا ہے کہ ہم اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں، صلاح مشورے سے صورتِ حال کا مقابلہ کریں اور ملک کی سلامتی اور عوام کی بہبود کے لئے کام کریں۔ ہمیں اس میں کوئی شک نہیں ہونا چاہئے کہ اسلامی جمہوریت

ہماری منزل ہے جس کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ ہم افہام و تفہیم کے ذریعے اپنے مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کریں۔ مختلف افراد اور مختلف طبقات میں مختلف آرار ہو سکتی ہیں، لیکن اس اختلافِ رائے سے ملک کے وقار اور یک جہتی کو نقصان نہیں پہنچنا چاہئے۔ جب ہم نے اپنی منزل کا تعین کر لیا ہے تو ہمارا ہر قدم آگے ہی بڑھنا چاہئے۔ اس سلسلے میں مَیں نے چند اقدامات کا فیصلہ کیا ہے، وہ یہ ہیں:۔

۱۔ وفاقی کابینہ میں عنقریب توسیع کی جائے گی۔

۲۔ جلد ہی صوبائی گورنر اپنی اپنی کابینہ تشکیل دیں گے۔

۳۔ مختلف مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والے حضرات سے عنقریب تبادلۂ خیال کیا جائے گا اور علما، فقہا اور دانش وروں کا ایک کنونشن بلایا جائے گا۔

۴۔ وفاقی سطح پر کونسل کی تشکیل دی جائے گی جو تقریباً دو سو نمائندوں پر مشتمل ہو گی تاکہ عوام کی نمائندگی حاصل کی جا سکے۔

۵۔ فوجی عدالتیں اپنے محدود اور مخصوص دائرۂ کار میں رہتے ہوئے اپنے فرائض انجام دیں گی اور سول عدالتیں حسبِ معمول کام کرتی رہیں گی۔

۶۔ اسلامی یونیورسٹی اسی سال اپنا کام شروع کر دے گی۔

۷۔ عوام کو فوری انصاف مہیا کرنے کے لئے مناسب سطح پر قاضی مقرر کئے جائیں گے۔

۸۔ زکوٰۃ اور عشر آرڈیننس چند دنوں میں نافذ کر دیا جائے گا۔

۹۔ عوامی نمائندے عوام کی خدمت سر انجام دیں گے اور ہم انہیں اور فعّال بنانے کی کوشش کریں گے۔

میرے عزیز ہموطنو!

میں اپنی تقریر ختم کرنے سے پہلے آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ۳۳ سال پہلے اِسی روز تقریباً اِسی وقت، قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے ریڈیو سے ایک یادگار تقریر نشر کی تھی۔ یہ تقریر اُس تاریخی موقعے پر تھی جب جنوبی ایشیا کے مسلمانوں نے طویل جدوجہد کے بعد پاکستان کا مطالبہ منظور کرالیا تھا۔ ایک عظیم اسلامی مملکت کے قیام کا اعلان کیا گیا تھا۔ میں آج اپنی تقریر قائد اعظم کے ان بصیرت افروز الفاظ پر ختم کرنا چاہتا ہوں جو انہوں نے اُس وقت کے حالات کے پیشِ نظر اپنی قوم سے کہے تھے اور میرے خیال میں آج کے بدلے ہوئے حالات میں بھی ہمارے لئے اتنے ہی اہم ہیں جتنے ۳۳ برس پہلے تھے۔ حضرت قائد اعظمؒ نے فرمایا تھا:

"میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس نازک موقع پر ہماری رہنمائی فرمائے اور ہمیں توفیق بخشے کہ ہم عقل اور تدبر سے اپنی ذمہ داریاں پوری کرسکیں۔"

پاکستان پائندہ باد

نیشنل ڈیفنس کالج کے جلسۂ تقسیمِ اسناد کے موقع پر خطاب

(انگریزی سے ترجمہ)

راولپنڈی : ۴ جون، ۱۹۸۰ء

۴ جون ۱۹۸۰ء کو راولپنڈی میں صدرِ پاکستان نے نیشنل ڈیفنس کالج سے فارغ التحصیل ہونے والے افسران میں اسناد تقسیم کرنے کے بعد اُن سے خطاب کیا۔ نیشنل ڈیفنس کالج کا یہ چوتھا کانووکیشن تھا۔ کالج کے وائس چانسلر جناب احمد محی الدین نے اپنی تقریر میں نیشنل ڈیفنس کالج کی خصوصیات کا ذکر کیا اور بتایا کہ قائداعظم یونیورسٹی نے کورس کے اُن ممبران کو ایم ایس سی کی ڈگریاں دینے کا فیصلہ کر لیا ہے جو ۱۹۷۲ء اور ۱۹۷۵ء کے درمیان یہاں سے فارغ التحصیل ہوئے تھے۔

صدرِ پاکستان نے اپنے خطاب میں فارغ التحصیل افسران کو تلقین کی کہ وہ اپنے فرائض کی بجا آوری میں اپنی بہترین ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں۔ انہوں نے کورس مکمل کرنے والے افسران سے کہا کہ وہ امتِ مسلمہ کے اُس اجتماعی دفاع کے منصوبے پر سنجیدگی سے غور کریں جس کا نظریہ اسلامی وزرائے خارجہ نے چند دن پہلے اسلام آباد کے اجلاس میں پیش کیا تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيّٖنَ

جناب وائس چانسلر،

کمانڈنٹ نیشنل ڈیفنس کالج،

ماسٹر آف سائنس کی ڈگری پانے والے افسران،

خواتین و حضرات!

السلام علیکم - میرے لئے یہ باعثِ مسرت ہے کہ نیشنل ڈیفنس کالج میں لازم کئے گئے کورسوں میں آپ نے جو مہارت حاصل کی ہے، قائد اعظم یونیورسٹی کی طرف سے اسے تسلیم کئے جانے کے اس مبارک موقع پر میں آپ کے ساتھ شامل ہو رہا ہوں۔ سیاسیات، اقتصادیات، عمرانیات، ثقافت اور خارجہ تعلقات سمیت مضامین کے وسیع میدان پر مشتمل ان کورسوں کی منصوبہ بندی اس طرح کی گئی ہے کہ تحقیق اور چھان بین کا جذبہ پیدا کیا جائے، تجزیاتی مطالعہ کی صلاحیت ترقی پائے اور قیاسی تفہیم کے لئے وسعتِ نظر پیدا ہو۔ ان صلاحیتوں سے لیس جو فوجی اور سول افسر

علم کے اس ادارے سے فارغ التحصیل ہوتے ہیں، ان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ مسائل کی نشاندہی میں مثبت کردار ادا کریں، ان کا تجزیاتی امتحان کریں اور اپنی اپنی ذمہ داری کے خصوصی دائرۂ کار میں انہیں عملی طور پر حل کریں۔ جلد ہی آپ محسوس کریں گے کہ یہ ایک مشکل اور آزمائش کا کام ہے، لیکن مجھے اعتماد ہے کہ آپ اس پر پورے اتریں گے اور پوری لگن سے اپنی ذمہ داری سنبھالیں گے۔

غیر تربیت یافتہ ذہنوں کے برعکس جو بالعموم نچلے درجوں پر پائے جاتے ہیں، اس کالج میں آپ کی تربیت نے آپ کو اعلیٰ ذہنی سطح سے یہ سمجھنے کا اہل بنا دیا ہوگا کہ بہت کم مسائل ایسے ہوتے ہیں جن کے آسان اور واضح خطوط ہوں۔ آپ نہ صرف ان وسیع کم روشن علاقوں کو دریافت کرنے کے لئے جو ہر مسئلے میں لازماً ہوتے ہیں، بلکہ ان کا عملی حل دریافت کرنے میں بھی اپنی ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں بہتر پوزیشن میں ہوں گے۔ اس کام کو مؤثر طور پر انجام دینے کے لئے آپ کو تفصیلی تحقیق کی عادت مستقلاً اپنانے کی ضرورت ہوگی۔ یہ عادت آپ نے اس کالج میں اب تک اپنا لی ہوگی۔ تعلیمی سال ختم ہوئے، لیکن علم کی سرحدیں اس قدر وسیع اور ناقابل پیمائش ہیں کہ کسی بھی نقطۂ انجام پر آدمی اپنے آپ کو نقطۂ آغاز ہی پر پاتا ہے۔ اس لئے ممکن ہے آپ کو محسوس ہو کہ ابھی ان دیکھے علاقوں کو طے کرنا ہے، نئے چیلنجوں کا سامنا کرنا ہے۔ چھپی ہوئی رکاوٹوں کو عبور کرنا ہے اور ایسی کوششیں کرنی ہیں جن کی پہلے کوئی مثال نہیں۔

آج کی نہایت پرپیچ اور تضادات سے بھرپور دنیا میں قومی سلامتی کا مسئلہ خاص طور پر چھوٹے ممالک کی قومی سلامتی کا مسئلہ، بلا اختلاف رائے، خصوصی اہمیت کا حامل ہے اور خطرے کے احساس کے مستقل تجزیے، آغاز اقدام اور پالیسی سازی

میں توازن کا تقاضا کرتا ہے اور اس سلسلے میں ایسی رفتار کا متقاضی ہے جو تیزی سے بدلتے ہوئے گردوپیش کے مناسب حال ہو۔ بلاشبہ آپ یہ محسوس کریں گے کہ آپ کے اپنے ملک کے بارے میں گہرا علم جو آپ نے نیشنل ڈیفنس کورس کے ذریعے حاصل کیا ہے اور آرمڈ فورسز وار کورسز کے ذریعے آپ نے قومی سلامتی کے مسائل کا جو علم حاصل کیا ہے، وہ آپ کے لئے بے حد اہمیت کا حامل ہے اور اندرونی طور پر وسائل کی کمیابی اور بیرونی طور پر جغرافیائی سیاسی صورتِ حال میں ان تقاضوں پر پورا اترنے میں آپ کے منصوبوں پر اثر انداز ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ نے جو تجزیاتی تکنیک حاصل کی ہے، اسے ضروری سے غیر ضروری کو چھان پھٹک کر الگ کرنے اور ان اہم ترین انتخابات اور آزمائشوں کی نشاندہی کے عمل میں استعمال کریں گے جو پاکستان کو بالخصوص اور امتِ مسلمہ کو بالعموم ۱۹۸۱ء کے تضادات سے بھرپور عشرے میں اور اس کے بعد درپیش ہو سکتے ہیں اِس میں جو کثیر الجہات مسائل شامل ہیں ان کا احاطہ کرنے کے بعد مجھے یقین ہے آپ ان کے ایسے عملی حل نکالیں گے جو کم خرچ بھی ہوں اور موجودہ وسائل کے سیاق وسباق میں قابلِ عمل بھی۔

مجھے یقین ہے کہ آپ امتِ مسلمہ کی مشترکہ سلامتی کے انتظامات کے تصوّر سے آگاہ ہیں جو حال ہی میں ختم ہونے والی اسلامی ممالک کے وزرائے خارجہ کی کانفرنس منعقدہ اسلام آباد میں پاکستان نے پیش کیا۔ میری خواہش ہے کہ آپ اس تصوّر کے بارے میں مزید غور وخوض کریں اور کانفرنس میں میری پیش کردہ رائے کی روشنی میں ان وسائل اور طریقوں کی نشاندہی کریں جو اس کے لئے مناسب ڈھانچہ فراہم کر سکیں۔ مشترکہ سلامتی کی تجویز سے یہ مراد نہیں کہ مسلمان ممالک کسی قسم کے فوجی معاہدے میں شامل ہو جائیں، بلکہ یہ تجویز اس بات پر زور دیتی ہے کہ ان میں مشترکہ نقطۂ نظر

تشکیل دیا جائے اور وہ اپنی افرادی قوت، معدنی، زرعی صنعتی اور دوسرے وسائل اپنے مشترکہ مفاد اور مشترکہ ترقی کے لئے استعمال کریں

جہاں تک نیشنل ڈیفنس کالج کے معاملات کی بات ہے، یہ ٹھیک ہے کہ اس ادارے کی حیثیت اور وقار کے مطابق اس کا اپنا کیمپس ہونا چاہیئے، نیا کیمپس اسلام آباد میں مارگلہ کی پہاڑیوں کے دامن میں ہونا چاہیئے اور اس سمت کام کرنے کے لئے تفصیل سے منصوبہ بندی کی جانی چاہیئے۔

میں اس سے بھی آگاہ ہوں کہ عملہ اور مکانیت کی کمی کے باعث اس وقت کالج کن دشواریوں کے تحت کام کر رہا ہے۔ یہ مشکلات جلد دُور ہو جانی چاہئیں اور تنظیم نو کا کام آئندہ سمیسٹر شروع ہونے سے پہلے مکمل ہو جانا چاہیئے۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ ایم ایس سی کی ڈگری کی تفویض کے لئے ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۵ء تک کے گریجویٹوں کو بھی جلسہ تقسیم اسناد میں شامل کیا گیا ہے۔ میں آج آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ مجھے کس بات نے ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۵ء تک کے کورسوں کو شامل کرنے کے لئے اصرار کرنے پر مجبور کیا۔ یہ میرے مرحوم ملٹری سیکرٹری بریگیڈیئر ظفر کی سفارش تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کی روح کو جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ انہوں نے جو تجویز پیش کی تھی اس کا انہیں اب ذاتی طور پر کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا، لیکن ان کے ساتھی یہ ضرور یاد رکھیں گے کہ ان کی تجویز کے باعث ہم اس ذہانت، کوشش اور محنت کو تسلیم کر سکے جو ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۵ء تک کے امیدواروں نے کی جو اس ڈگری کے مستحق ہیں۔

اس موقع پر میں آپ سب کو مبارکباد دیتا ہوں اور اس سلسلے میں عسکری اور جنگی مطالعہ کو علم کی ایک الگ شاخ کے طور پر تسلیم کرنے میں یونیورسٹی گرانٹس کمیشن اور قائد اعظم یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور اساتذہ نے جو قابل قدر کردار انجام دیا ہے میں

تہِ دل سے اس پر اظہارِ پسندیدگی کرنا چاہوں گا۔ اس سلسلے میں قائدِ اعظم یونیورسٹی نے ہماری بہت مدد کی ہے۔ قائدِ اعظم یونیورسٹی نے نیشنل ڈیفنس کالج کی مسلسل جو مدد کی ہے اس کے لئے میرے جذباتِ تشکر کا اظہار ریکارڈ پر رہنا چاہیئے۔ قدر شناسی کی ایک علامت کے طور پر اور عسکری و جنگی مطالعہ کے میدان میں علمی کاوشوں میں مدد دینے کی خاطر میں قائدِ اعظم یونیورسٹی کے وائس چانسلر سے وعدہ کرتا ہوں کہ یونیورسٹی میں عسکری اور جنگی مطالعہ کے شعبے میں جو بھی کورس شروع کئے جائیں گے، میں ان کے لئے مناسب تعداد میں لائق عملہ تعینات کرنے میں اپنی بہترین کوششیں بروئے کار لاؤں گا۔

میں اس بات سے بھی آگاہ ہوں کہ یہ بڑی بے انصافی کی بات ہے کہ اس کالج کے سویلین امیدوار جنہوں نے اگر زیادہ نہیں تو برابر کی محنت کی ہے اور جو مطلوبہ تقاضے پورے کرتے ہیں، انہیں ڈگری نہ دی جائے۔ میں یہ چاہوں گا کہ یہ معاملہ جلد طے کر لیا جائے اور افواج کے ان سویلین تکمیلی عناصر اور اس کالج کے طلبا کو جو مطلوبہ علم، ڈگریوں اور تعلیم کے حامل ہیں، آخر کار ایم ایس سی کی ڈگری دے دی جائے۔

کورس کی کامیاب تکمیل اور ایم ایس سی کی ڈگری پانے کے اس موقع پر میں آپ کو اس کردار کی بھی یاد دلانا چاہوں گا جو آپ کی بیگمات نے آپ کی تعلیم میں صبر سے دقتیں برداشت کر کے اور ذہنی تعاون کے ذریعے ادا کیا ہے جس کے باعث آپ اپنی تعلیم میں مستقل مزاجی سے محنت کر سکے۔

آخر میں میں وائس چانسلر صاحب کا، کمانڈنٹ صاحب کا، قائدِ اعظم یونیورسٹی کے اساتذہ اور نیشنل ڈیفنس کالج کے اساتذہ اور عملے کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

آپ کو خوش قسمتی اور کامیابی نصیب ہو۔ آمین!

پاکستان پائندہ باد

بلدیاتی اداروں میں خواتین کے کردار کے موضوع پر کانفرنس سے خطاب

اسلام آباد: ۱۸ جون، ۱۹۸۰ء

بلدیاتی اداروں میں خواتین کے کردار کے موضوع پر ایک قومی کانفرنس اسلام آباد میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کا اہتمام کیبینٹ سیکریٹریٹ کے ویمن ڈویژن اور لوکل گورنمنٹ کی وزارت نے مشترکہ طور پر کیا تھا۔ اس میں دو سو مندوبین نے شرکت کی۔ اپنے تعارفی خطاب میں ویمن ڈویژن کی سیکریٹری مس گلزار بانو نے کانفرنس کو بتایا کہ خواتین کی تعلیم بالغاں پر حکومت نے بیس ملین روپے خرچ کئے ہیں۔ لوکل گورنمنٹ کی وزارت کے سیکریٹری جناب مظفر حسین نے سپاسنامے میں کہا کہ فیڈرل گرانٹ کے علاوہ لوکل باڈیز کے پاس دو بلین روپے کے مالی وسائل موجود ہیں۔

اپنے افتتاحی خطاب میں صدرِ پاکستان نے کہا کہ بلدیاتی اداروں کے ذریعے مقامی سطح پر عوام کے نمائندوں پر مشتمل ایک ایسا نظام وجود میں آچکا ہے جس کی جڑیں مضبوط اور مستقبل روشن ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان کے ذریعے تکمیل پانے والے ترقیاتی کاموں کے لئے نئے بجٹ میں رقوم رکھی جارہی ہیں۔ ملک کی ترقی میں خواتین کے کردار کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ خواتین کی تعلیم، حصول معاش اور صحت پر خصوصی توجہ دی جانی چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ کانفرنس کو اس بات پر بھی غور کرنا چاہئے کہ خواتین کو معاشرے میں مؤثر کردار ادا کرنے کا اہل بنانے کے لئے کیا اقدامات کئے جانے چاہئیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ۔

وفاقی سیکریٹری لوکل گورنمنٹ و دیہی ترقی، جناب منظفر حسین صاحب،
مستورات کے ڈویژن کی سیکریٹری مِس گلزار بانو صاحبہ،
معزز مندوبین
اور
مہمانانِ گرامی!

السّلام علیکم۔ میں خواتین کی کئی تقریبات میں شرکت کرتا رہا ہوں اور لوکل کونسلروں کے حالیہ اجتماعات میں بھی بعض خواتین کونسلروں سے شرفِ ملاقات حاصل ہوتا رہا ہے۔ لیکن یہ پہلا موقع ہے کہ میں کسی ایسی تقریب میں شمولیّت کر رہا ہوں جو خاص طور پر بلدیاتی اداروں میں خواتین کے کردار پر غور کرنے کے لئے منعقد کی گئی ہے۔

میں نے یہاں آنے سے پہلے مِس گلزار بانو سے پوچھا کہ حاضرینِ جلسہ میں کیا ساری خواتین ہوں گی تو انہوں نے بتایا کہ نہیں " ففٹی ففٹی"۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے

کہ ہماری قومی آبادی میں بھی مردوں اور عورتوں کی آبادی تقریباً ففٹی ففٹی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بلدیاتی اداروں میں بھی خواتین کی نمائندگی اسی حساب سے ہونی چاہئے، لیکن وہ بھول جاتے ہیں کہ عام نشستوں کے لئے بھی خواتین کو مردوں کے شانہ بشانہ انتخابات لڑنے کی اجازت ہے۔ ان کے لئے جن سیٹوں کا کوٹہ مقرر کیا گیا تھا وہ ان کے علاوہ تھیں۔ اس کے باوجود اگر وہ بھاری تعداد میں بلدیاتی اداروں میں نمائندگی حاصل نہیں کر سکیں تو اس کی ذمہ داری خواتین پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے عام نشستوں کے لئے خود انتخاب لڑنے کی بجائے اپنی نمائندگی کا حق مردوں کو سونپنا پسند کیا اور اپنی کوششیں زیادہ تر مخصوص نشستوں تک محدود رکھیں۔

مجھے خوشی ہے کہ بلدیاتی انتخابات کے بعد چند مہینوں کے قلیل عرصے میں بلدیاتی ادارے نہ صرف معرضِ وجود میں آگئے ہیں بلکہ انہوں نے اپنی ذمہ داریاں بھی سنبھال لی ہیں۔ ان کے ذریعے مقامی سطح پر عوام کے نمائندوں پر مشتمل ایک ایسا نظام معرضِ وجود میں آچکا ہے جس کی جڑیں انشاءاللہ مضبوط ہوں گی، جس کا مستقبل بڑا روشن ہے۔ ان اداروں کو مؤثر بنانے کے لئے صوبائی حکومتیں انہیں نئی سے نئی ذمہ داریاں سونپ رہی ہیں اور نئے بجٹ میں ان کے ہاتھوں تکمیل پانے والے ترقیاتی کاموں کے لئے خصوصی رقوم بھی رکھی گئی ہیں۔ انشاءاللہ آئندہ مالی سال کے اندر اندر یہ ارکان اپنی صلاحیتوں اور اپنے جذبۂ خدمت کا بہتر مظاہرہ کر سکیں گے۔

بلدیاتی اداروں میں خواتین کو خصوصی نمائندگی دینے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اگر بعض وجوہات کی بنا پر عام سیٹوں کے لئے انتخابات لڑنا نہیں چاہتیں تو کم از کم مخصوص نشستوں کے ذریعے ان اداروں میں آجائیں تاکہ وہ اپنے حقوق اور اجتماعی مفادات کے تحفظ کے لئے کام کر سکیں اور ملک و قوم کی ترقی میں

شریک ہوسکیں۔ مجھے اپنے ملک کی عورتوں سے بہت سی توقعات ہیں۔ ہم انہیں معاشرے کی بنیادی اقدار کا امین سمجھتے ہیں۔ صرف امین ہی نہیں بلکہ ایک ایسا موٴثر ذریعہ سمجھتے ہیں، جس کے طفیل یہ اقدار نئی نسل تک منتقل ہوتی ہیں۔ یہاں میں قائد کے الفاظ دہرانا چاہوں گا۔ قائدِ اعظم نے ۲۸ مارچ ۱۹۲۹ء کو اپنی تقریر میں فرمایا کہ قوم کی تعمیر و ترقی اور استحکام کے عظیم کام میں عورتوں کا کردار نہایت اہم ہے۔ میرے خیال میں ایک اچھّی ماں، ایک اچھی بہن، ایک اچھی بیوی اور ایک اچھّی بیٹی ایک اچھے معاشرے کی ضمانت ہوتی ہے۔ آج جب ہم اسلامی معاشرہ قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تو اس سلسلے میں خواتین پر اور بھی اہم ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں کہ اسلامی معاشرے میں ایک ماں، ایک بیوی یا بیٹی کا کیا کردار ہونا چاہئے۔ میں ہی نہیں بلکہ پُوری قوم خواتین سے توقع رکھتی ہے کہ وہ پہلے خود اعلیٰ اسلامی اقدار کو اپنائیں اور پھر ان اقدار کو اپنے زیرِ اثر افراد تک پھیلائیں۔ اگر آپ نے یہ کام اپنے ذمّے لے لیا تو سمجھ لیجئے آپ نے معاشرے کی تشکیلِ نو کا بیڑا اٹھالیا۔

آج تک تعلیمی پسماندگی، معاشی بدحالی اور سماجی دشواریوں کے باوجود ہماری خواتین نے معاشرے میں جو کردار ادا کیا ہے وہ مجموعی طور پر قابلِ داد اور لائقِ ستائش ہے۔ میرے خیال میں آج ہماری سب سے اہم ضرورت یہ ہے کہ ہم اپنی خواتین کو یہ کام بہتر طور پر انجام دینے کا اہل بنائیں، ان کی صلاحیتوں کا اعتراف کریں اور انہیں اپنے آپ کو بہتر خوبیوں سے لیس کرنے کے مواقع مہیا کریں، کیونکہ جب تک خواتین خود جہالت اور تاریکی کے دَور سے نہیں نکلیں گی وہ معاشرے کو جدید روشنی سے ہرگز روشناس نہیں کرا سکیں گی۔

میں ذاتی طور پر عورتوں کی صلاحیت، عزم اور حوصلے کا بہت معترف ہوں۔ میں نے کئی عورتوں کو ایسے ایسے کام کرتے دیکھا ہے جن کا کچھ عرصہ پہلے تک تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پچھلے دنوں میں زرعی تحقیقات کے ایک فارم میں گیا جہاں کھلے آسمان اور چلچلاتی دھوپ میں پڑھی لکھی لڑکیاں جنگلی ہیٹ پہنے کھیتوں میں کام کر رہی تھیں۔ اسی طرح مجھے کاشتکاروں کے ایک اجتماع میں ایک ایسی خاتون سے ملنے کا اتفاق ہوا جو ٹریکٹروں کے ذریعے جدید طرز پر کھیتی باڑی میں اپنا نام پیدا کر چکی ہیں۔ یہاں تک کہ میں بلوچستان کے ایک دُور دراز ساحلی علاقے "گڈانی" میں جہاز شکنی کی صنعت دیکھنے گیا تو وہاں بھی ایک باہمت عورت کو جہاز شکنی میں پیش پیش پایا۔ یہ صرف چند مثالیں ہیں جن سے میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہماری عورتوں میں ہمت اور حوصلے کی کوئی کمی نہیں۔ صرف مواقع ملنے کی دیر ہے۔ وہ آگے بڑھنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ دوسرے شعبوں کی طرح وہ بلدیاتی اداروں میں بھی اپنا تعمیری کردار ادا کریں گی اور انہیں مزید مؤثر اور مضبوط بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گی۔

میرے خیال میں خواتین کی ترقی کے لئے تین شعبے ہیں جن پر توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے۔ تعلیم، تلاشِ معاش اور صحت۔ تعلیم سے میری مراد بالغ خواتین کی تعلیم ہے۔ جن کی ایک بڑی تعداد جہالت کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ میں یہاں خواتین کے لئے تعلیم کی افادیت پر کوئی لیکچر نہیں دینا چاہتا کیوں کہ اس کی ضرورت کو سبھی تسلیم کرتے ہیں، البتہ ایک بات کی نشاندہی ضرور کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے معاشرے میں بہت سی ایسی عورتیں ہیں جو بوجوہ بچپن میں تعلیم حاصل کرنے سے محروم رہیں اور پھر زندگی کی دوڑ میں ایسی جکڑی گئیں کہ ان کے لئے دوبارہ تعلیم کی طرف لوٹنا ناممکن ہو گیا۔ وہ اب بھی تعلیم

حاصل کرنا چاہتی ہیں، لیکن ان کے پاس وقت اور وسائل نہیں کہ وہ اپنی گھریلو ذمہ داریوں کو ترک کر کے دوبارہ کسی درس گاہ میں باقاعدہ داخل ہو سکیں۔ ان کی تعلیم کا ایسا انتظام ہونا چاہیئے کہ ان کی زندگی کے معمولات میں کوئی خلل ڈالے بغیر انہیں بنیادی تعلیم سے آراستہ کیا جا سکے۔ اس سے نہ صرف اُن کی اپنی زندگی میں ایک نئی چمک آ جائے گی بلکہ وہ آئندہ نسل کی بھی بہتر پرورش کر سکیں گی۔

مجھے خوشی ہے کہ پنجاب میں یونین کونسلوں نے اس سال خواتین کے لئے تقریباً تین ہزار تعلیمی مراکز کھولے ہیں اگر دوسرے صوبوں میں بھی بلدیاتی ادارے اس نیک کام کی تقلید کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم دیہاتی خواتین میں ناخواندگی کی شرح خاطر خواہ حد تک کم نہ کر سکیں۔

دوسرا مسئلہ تلاشِ معاش کا ہے۔ ہمارے معاشرے میں غیر تعلیم یافتہ، نیم تعلیم یافتہ بلکہ کئی تعلیم یافتہ عورتیں اپنی اپنی مجبوریوں کی وجہ سے روزگار کی تلاش میں رہتی ہیں۔ ان میں اکثریت ایسی عورتوں یا لڑکیوں کی ہے جو کسی فن میں سند یافتہ نہیں ہیں۔ کوئی میٹرک یا ایف، اے پاس کر کے گھر بیٹھ گئی، کسی کو ناخوشگوار حالات کی وجہ سے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑنا پڑی اور کسی کو زندگی کے دوسرے حصے میں جا کر خاندان کے سربراہ کی اچانک موت یا ازدواجی زندگی منقطع ہونے کی وجہ سے روزگار کی ضرورت پڑی تو ایسی ضرورت مند خواتین کو روزگار مہیا کرنا یا انہیں روزگار حاصل کرنے کا اہل بنانا بہت بڑی قومی خدمت ہے۔ بلدیاتی ادارے، خاص طور پر یونین کونسلیں اور ٹاؤن کمیٹیاں اس بارے میں اہم خدمات انجام دے سکتی ہیں۔ مثلاً اگر کسی علاقے میں دستکاری کا سکول کھول دیا جائے، سلائی کا کام سکھا دیا جائے یا شارٹ ہینڈ اور ٹائپنگ وغیرہ کی تربیت دے دی جائے تو اس سے یقیناً کئی گھرانوں کو باعزت روزی کا ذریعہ مہیا ہو سکتا ہے۔ تعلیم کے میدان میں ہر سطح پر عورتوں کو زیادہ مواقع مہیا کرنے کی ضرورت ہے۔

تیسرا مسئلہ صحت کا ہے جو در اصل تعلیم اور تلاشِ معاش سے بھی اہم تر ہے۔ ہمارے معاشرے میں خاص طور پر پسماندہ علاقوں میں کئی عورتیں کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا رہتی ہیں، لیکن ان کے لئے نہ ڈسپنسریاں ہیں نہ ہسپتال، نہ لیڈی ڈاکٹر اور نہ ہی مالی وسائل۔ ان کا بوجھ ہلکا کرنا ایک اہم معاشرتی ضرورت ہے۔

اس قومی کانفرنس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ان سب مسائل کا جائزہ لیا جائے اور اس بات پر غور کیا جائے کہ بلدیاتی ادارے خواتین کی ترقی اور بہبود کے لئے کیا کر سکتے ہیں اور خود خواتین ان اداروں کا ایک حصّہ ہونے کی حیثیت سے ان کی کارکردگی کو کس طرح بہتر بنا سکتی ہیں۔

اس سوال کے پہلے حصّے کے بارے میں میرے ذہن میں یہ تجویز آتی ہے کہ بلدیاتی ادارے صرف اس بات پر اپنی توجہ اور وسائل صرف نہ کریں کہ ان کے علاقے میں کتنی سڑکوں کی مرمت ہوئی ہے، کتنی گلیاں پختہ ہوئی ہیں یا کتنے نلکے لگے ہیں بلکہ وہ اس طرف بھی دھیان دیں کہ اُن کے مجموعی ترقیاتی کاموں سے عورتوں کو کیا فائدہ پہنچا ہے اور ان کی حالت بہتر بنانے میں کیا مدد ملی ہے۔ کیا انہوں نے اپنے علاقے میں زچّہ و بچّہ کی بہبود کا کوئی مرکز قائم کیا ہے؟ کیا انہوں نے کوئی انڈسٹریل ہوم بنایا ہے؟ کیا انہوں نے بالغ خواتین کی تعلیم کا کوئی بندوبست کیا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اس سوال کے دوسرے حصّے کے بارے میں عرض کروں گا کہ عورتیں ذرا سی ہمّت، محنت اور باہمی تنظیم سے بلدیاتی اداروں میں نئی روح پھونک سکتی ہیں۔ اگر کسی بلدیاتی ادارے میں ان کی نمائندگی کم ہے اور ان کی آواز اقلیّت کی آواز سمجھ کر نظر انداز کی جاتی ہے تو انہیں اپنی آواز کو مؤثر بنانے کے طریقے وضع کرنے چاہئیں۔ میرے خیال میں ہر صوبے میں بلدیاتی اداروں کی ہر ممکن سطح پر خواتین کی خصوصی کمیٹیاں

بننی چاہئیں جن میں مقامی لیڈی ٹیچر، لیڈی ہیلتھ وزیٹر، سماجی کارکنوں اور دوسری سرکردہ خواتین کو شامل کیا جائے لیڈی کونسلروں کے ساتھ، وہ مقامی منتخب خاتون کونسلر کی صدارت میں اپنی میٹنگ کیا کریں، عورتوں کے مسائل پر غور کریں، ان کی بہبود کے منصوبے تیار کریں اور متعلقہ بلدیاتی اداروں کو سفارش کریں کہ ہمارے علاقے میں خواتین کی ترقی اور بہبود کے لئے کن اقدامات کی ضرورت ہے۔ فی الحال یہ کمیٹیاں ضلعی سطح پر تشکیل دی جاسکتی ہیں اور رفتہ رفتہ انہیں تحصیل یا مرکز کی سطح تک پھیلایا جاسکتا ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اگر یہ عمل ایک بار جاری ہوگیا تو اس سے ایک خوشگوار سماجی انقلاب کی راہ ہموار ہو جائے گی۔

بلدیاتی اداروں میں خواتین کا کردار کیا ہونا چاہئے، اس بارے میں اس کانفرنس کے دوران مفصّل غور کیا جائے گا۔ آج اسی موضوع پر اخبارات میں ایک مضمون بھی شائع ہوا ہے جس کے ابتدائی جملے نہایت اہم ہیں اس میں لکھا ہے:

"لوکل گورنمنٹ میں خواتین کونسلروں کی موجودگی سے ایک ایسی قیادت معرض وجود میں آگئی ہے جو اگرچہ تعداد کے لحاظ سے بہت قلیل ہے، لیکن اپنے اثر و رسوخ کی مناسبت سے بہت طاقتور ہے اور اس کے فرائض اور اس کی ذمہ داریاں بہت وسیع ہیں۔"

مجھے امید ہے کہ آپ خاص طور پر توجہ دے کر اپنے فرائض سرانجام دیں گی۔

یہ بالکل درست اور جائز ہے۔ مجھے امید ہے ان ذمہ داریوں کو نباہنے کے طریقۂ کار پر اس کانفرنس میں غور کیا جائے گا۔

فی الحال میرے ذہن میں خواتین کا جو دائرۂ کار مرتّب ہوتا ہے وہ یہ ہے:۔

۱۔ بلدیاتی اداروں میں جہاں جہاں جس حد تک خواتین کو نمائندگی حاصل ہے وہ مرد کونسلروں کے ساتھ مل کر ملک کی تعمیرِ نو میں حصّہ لیں۔

۲۔ متعلقہ بلدیاتی ادارے کے ذریعے خواتین کے حقوق کو تحفّظ دینے اور ان کے اجتماعی مفادات کو فروغ دینے کے لئے کام کریں۔

۳۔ علاقے کی خواتین اور متعلقہ بلدیاتی ادارے میں مسلسل رابطے کا کام دیں۔

۴۔ ان علاقوں میں عورتوں یا بچّوں کی بہبود کے لئے جو ادارے چل رہے ہیں ان کی کارکردگی پر نظر رکھیں، خامیوں کی نشاندہی کریں اور انہیں مفید تر بنانے کے لئے ضروری اقدامات کریں۔

۵۔ اپنے اپنے علاقے میں عورتوں اور بچّوں کی تعلیم، صحت اور سماجی بہبود کی مزید سہولتیں مہیا کرنے کی کوشش کریں اور زیادہ سے زیادہ خواتین کو اس کارِ خیر میں شریک کریں۔

مجھے معلوم ہے کہ خواتین کی ترقی کے کام کو آگے بڑھانے کے لئے وسائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر ہم نے وسائل کی کمی کو راستے کا بھاری پتھر سمجھ کر حوصلہ ہار دیا تو ہم ہرگز آگے نہیں بڑھ سکیں گے میں تمام بلدیاتی اداروں سے توقع کروں گا کہ وہ اپنے اپنے وسائل کے مطابق ان مسائل کو حل کرنے کی کوشش کریں۔ آئندہ بجٹ میں صوبائی حکومتیں مختلف ترقیاتی کاموں کے لئے معقول رقمیں مختص کر رہی ہیں۔ میں چاہتا ہوں جب مجموعی ترقی کے منصوبے بنائے جائیں تو خواتین کو نظر انداز نہ کیا جائے بلکہ حتی الامکان ان کی ترقی اور بہبود کو بھی پیشِ نظر رکھا جائے جہاں تک وفاقی حکومت کا تعلق ہے، وہ ویمن ڈویژن کے ذریعے سالانہ ترقیاتی پروگرام کے تحت عورتوں کی ترقی کے لئے موجودہ سال میں دو کروڑ روپے صرف

کر رہی ہے جیسا کہ آپ نے مس گلزار بانو سے سنا۔ اگلے مالی سال میں یہ رقم دگنی کر دی جائے گی۔ مجھے امید ہے کہ ان اقدامات سے خواتین کی ترقی کی موجودہ رفتار کو تیز کیا جا سکے گا۔

اس کے علاوہ لوکل گورنمنٹ کی وفاقی وزارت، مقامی ترقی کا ایک مرکز اسلام آباد کے قریب چک شہزاد میں قائم کر رہی ہے جس میں دیہی ترقی میں خواتین کے کردار سے متعلق بھی ایک شعبہ قائم کیا جا رہا ہے۔ یہ شعبہ خواتین کی حالت کو بہتر بنانے اور اُن کی ہُنرمندانہ صلاحیتوں کو فروغ دینے کے لئے کام کرے گا۔ اس شعبے میں لیکچر روم، تربیت کی سہولتیں اور ایک علیٰحدہ ہوسٹل بھی شامل ہو گا۔ اس سلسلے میں ایک خاص پروگرام بھی وضع کیا جا رہا ہے جس میں خواتین کی تعلیم و تربیت کرنا، مقامی خواتین قائدین کو قومی سطح پر تبادلۂ خیالات کے لئے مواقع مہیا کرنا اور قومی اور بین الاقوامی سطح پر مختلف سیمینار وغیرہ منعقد کرنا شامل ہے۔ بین الاقوامی سیمینار کا ذکر کرتے ہوئے میں آپ سے یہ بھی عرض کروں گا کہ میں نے مارچ میں بتایا تھا کہ ہمارے جو بین الاقوامی وفود جاتے ہیں، ان میں ہم کونسلرز کو نمائندگی دیں گے۔ میں ایک سفارش کا جائزہ لے رہا ہوں جس کے ذریعے پاکستان کے مرد اور خواتین کونسلروں میں سے پڑھے لکھے، قابلِ قدر اور قابلِ اعتماد اور وہ کونسلر مرد و خواتین جو کہ کسی نہ کسی شعبے میں مہارت رکھتے ہوں، ان کا ایک وفد عنقریب انشاء اللہ بعض مغربی ممالک اور مشرقی ممالک کا دورہ کرے گا اور انہیں پاکستان کے حالات سے آگاہ کرے گا۔ جس چیز کا ابھی تک تعیّن کیا جا چکا ہے وہ یہ ہے کہ اگلے ماہ ایک وفد یورپ جا رہا ہے جو ایک بین الاقوامی سیمینار میں شرکت کرے گا۔ یہ صرف خواتین کا وفد ہو گا جس کی صدارت مس گلزار بانو کر رہی ہیں اور اس میں خواتین کی مکمل نمائندگی ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والی خواتین اس

وفد میں شامل ہیں۔

یہ قومی کانفرنس جس مقصد کے لئے بلائی گئی ہے، مجھے اس سے گہری دلچسپی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ آئندہ پانچ چھ دنوں میں تمام متعلقہ امور کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا اور ضروری نتائج مرتب کئے جائیں گے۔ میں اس کانفرنس کے افتتاحی اجلاس کے اختتام پر چند سوالات تجویز کرتا ہوں جو آپ کے غور و فکر کے لئے راہنما اشارے بھی ہو سکتے ہیں۔ سب سے پہلے میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ :

(ا) گزشتہ بلدیاتی انتخابات میں عام نشستوں کے لئے خواتین نے انتخابات کیوں نہیں لڑا، اس کی کیا وجوہات ہیں اور انہیں کس طرح دور کیا جا سکتا ہے تاکہ آئندہ خواتین کی بہتر نمائندگی ہو سکے۔

(ب) اس وقت کئی بلدیاتی اداروں میں خواتین کی نمائندگی بہت کم ہے اور اکثر یونین کونسلوں میں ان کی نمائندگی بالکل نہیں ہے۔ اس کمی کو کس طرح دُور کیا جا سکتا ہے؟ کیا اس کا واحد حل خواتین کی خصوصی کمیٹیوں کی تشکیل ہے یا کچھ اور بھی اہتمام کیا جا سکتا ہے۔

(ج) عورتوں اور بچّوں کی تعلیم، صحت اور سماجی بہبود کے لئے کیا کیا کام کن ترجیحات کے تحت کرنے چاہئیں اور ان کے لئے وسائل کیسے مہیا کئے جا سکتے ہیں۔

(د) عورتوں کو بلدیاتی اداروں میں بالخصوص اور معاشرے میں بالعموم زیادہ مؤثر کردار ادا کرنے کا اہل بنانے کے لئے کیا اقدام کرنے چاہئیں۔

مجھے آپ کی سوچ بچار کے نتائج اور قابلِ عمل سفارشات کا انتظار رہے گا۔

میں یہاں صرف ایک چیز کی طرف اور آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ پاکستان اس وقت ایک بڑے نازک دور سے گزر رہا ہے۔ اس نازک دور سے

ہم اس وقت تک نہیں نبرد آزما ہو سکتے جب تک کہ پاکستان کے مرد اور عورتیں مل کر ایک قومی جذبے کے تحت ملک کو اس مشکل سے نہ نکالیں۔ میں نے آپ سے کہا کہ ایک آدمی کبھی حکومت نہیں کر سکتا، بلکہ ایک ادارہ حکومت کرتا ہے۔ اس ادارے کو قوم کا اعتماد حاصل ہونا چاہئے اور اس اعتماد کو حاصل کرنے کے لئے عوام اپنے جو نمائندے چنتے ہیں، ان اشخاص کو چننا چاہئے جو متقی اور خدمت گزار ہوں۔ اس ملک کی بنیادیں نظریۂ اسلام کے علاوہ کسی اور نظریے کی محتاج نہیں ہو سکتیں، اس لئے ہمیں اپنا ہدف ایک کامل لائحۂ عمل سے حاصل کرنا چاہئے اور ملک کے اتحاد کو برقرار رکھنا چاہئے۔

میں آپ خواتین و حضرات کا مشکور ہوں کہ آپ نے اس قومی کانفرنس کے افتتاحی اجلاس میں مجھے مدعو کر کے میری عزت افزائی کی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان مقاصد میں کامیاب فرمائے جن کے لئے یہ کانفرنس منعقد کی گئی ہے۔ آمین!

پاکستان پائندہ باد

قوم سے خطاب

راولپنڈی : ۲۰ جون، ۱۹۸۰ء

صدر پاکستان، جنرل محمد ضیاء الحق نے ۲۰ جون، ۱۹۸۰ء مطابق ۶ شعبان ۱۴۰۰ھ کو مرکزی جامع مسجد اسلام آباد میں پاکستان میں زکوٰۃ و عشر کے نفاذ کا اعلان کیا۔ ان کی یہ تقریر جامع مسجد سے براہِ راست ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر قومی نشریاتی رابطے کے ذریعے نشر کی گئی۔ پاکستان میں پہلی بار حکومت کی سطح پر زکوٰۃ اور عشر کی وصولی اور زکوٰۃ و عشر کمیٹیوں کے ذریعے اس کی مستحقین میں تقسیم کا اہتمام کیا گیا۔

اپنی تقریر میں جنرل محمد ضیاء الحق نے اسلام کے معاشی نظام میں زکوٰۃ و عشر کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور عوام کو یقین دلایا کہ زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا ایسا طریقہ وضع کیا گیا ہے جس سے زکوٰۃ دینے والوں کو سہولت رہے، حساب کتاب باقاعدہ اور شک و شبہ سے پاک ہو اور جانچ پڑتال مؤثر رہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین

میرے عزیز ہم وطنو!

السلام علیکم۔ اعلان کرنے سے پہلے میں حاضرین سے درخواست کروں گا کہ وہ صدقِ دل سے ایک بار درود شریف پڑھیں۔ مسجد مسلمانوں کی زندگی کا محور ہے جہاں فرزندانِ توحید روزانہ پانچ مرتبہ خالقِ ایزدی کے حضور سربسجود ہو کر اس کی حاکمیت اور اپنی عبودیت کا اظہار کرتے ہیں۔ آج وفاقی دارالحکومت کی اسی سجدہ گاہ سے میں ایک ایسے حکمِ الٰہی کی تعمیل کے انتظامات کا اعلان کر رہا ہوں جس کی قرآن مجید میں سو سے زیادہ مرتبہ تاکید کی گئی ہے۔ میری مراد زکوٰۃ کی ادائیگی سے ہے جو اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے اور اسلام کے رفاہی نظام کا نہایت ضروری ستون بھی ہے۔

یہ ہم سب کی خوش قسمتی ہے کہ ہم ایک قلیل عرصے میں نفاذِ اسلام کے لئے بعض ٹھوس اور بنیادی اقدام کرنے کے اہل ہوئے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے گزشتہ سال ۱۲ ربیع الاول کو چند سنگین جرائم کے سدِّباب کے لئے "اسلامی حدود" کے نفاذ کا

اعلان کیا تھا اور اسی روز زکوٰۃ اور عشر کے قانون کا مسودہ قوم کے سامنے رکھا تھا تاکہ اس پر تمام مکاتبِ فکر رائے دے سکیں۔ مجھے خوشی ہے کہ ملک کے کئی صاحبِ فہم حضرات نے اس مسودے کا جائزہ لیا، اس کی خامیوں کی نشاندہی کی اور اسے بہتر بنانے میں حکومت سے تعاون کیا۔ آج میں اس قانون کے نفاذ کے موقع پر ان تمام علماء، فقہا، ماہرینِ معاشیات، قانون دانوں، سرکاری ملازموں، اسلامی نظریاتی کونسل اور وفاقی وزارتِ مالیات کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے کئی رکاوٹوں اور مشکلوں کے باوجود اپنا کام نہایت دل جمعی اور عرق ریزی کے ساتھ جاری رکھا اور خوش اسلوبی سے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

زکوٰۃ اسلام کے فلاحی نظام کا ایک اہم ستون ہے۔ اللہ کے نیک بندے زکوٰۃ کے علاوہ خیرات، عطیات اور صدقات کے ذریعے بھی ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرتے رہتے ہیں، لیکن زکوٰۃ اور خیرات میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ خیرات اختیاری ہے اور زکوٰۃ لازمی۔ آج جو قانون جاری کیا گیا ہے، اس کی رو سے شرعی لحاظ سے واجب الادا زکوٰۃ کا صرف ایک حصہ لازماً وصول کیا جائے گا۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے طلب گار نہ صرف خوشی خوشی زکوٰۃ کی ادائیگی کر کے حکمِ الٰہی کی تعمیل کریں گے بلکہ اللہ کی دی ہوئی دولت سے صدقات، عطیات اور خیرات کے ذریعے بھی ضرورت مندوں کی حاجتیں پوری کرتے رہیں گے۔

عملی نقطۂ نظر سے زکوٰۃ کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں سمٹنے یا منجمد نہ ہونے پائے، کیونکہ دولت کا چند ہاتھوں میں جمع ہونا معاشرے کے لئے نقصان دہ ہے یہی وجہ ہے کہ جہاں اسلام نے اپنے پیروکاروں کو رزقِ حلال کمانے کی پوری آزادی دی ہے اور جائیداد یا بینک بیلنس پر کوئی حد مقرر نہیں کی، وہاں اس نے یہ بھی لازم قرار دیا ہے کہ اپنی کمائی کا ایک خاص حصہ مسکینوں، یتیموں، بیواؤں اور دیگر حاجت مندوں کے لئے وقف کر دیں تاکہ پیسہ گردش کرتا رہے، اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے اس کے تمام بندے مستفید ہوتے رہیں اور خالق

اور مخلوق کے درمیان ایک متواتر اور مستقل رابطہ قائم رہے۔

یہاں میں یہ بات بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ وسائل اور اپنی خداداد صلاحیتوں کے ذریعے آپ جو دولت کماتے ہیں، اس میں سائلوں اور حاجت مندوں کا حق ہوتا ہے۔ اگر آپ نے انہیں اپنی دولت میں شریک نہ کیا تو آپ اُن کی حق تلفی کریں گے اور اللہ تعالیٰ حق تلفی کرنے والوں کو ہرگز معاف نہیں کرتا۔

یہ قانونِ زکوٰۃ کیا ہے، اس کو کس طرح چلایا جائے گا، اس کی انتظامی مشینری کیا ہوگی اور زکوٰۃ کی جمع شدہ رقم کون اور کس طرح خرچ کرے گا، اس کی تفصیلات عرفان احمد امتیازی صاحب، ایڈمنسٹریٹر جنرل، زکوٰۃ فنڈ آج شام ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعے آپ تک پہنچائیں گے اور کل صبح آپ اخبارات میں بھی پڑھ لیں گے۔ لہٰذا میں اس قانون کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا، صرف چند باتوں کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

پہلی بات یہ کہ اس قانون کو تیار کرتے وقت ملّتِ اسلامیہ کی وحدت اور اجتماعی مفاد کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس قانون میں زکوٰۃ اور عشر جمع کرنے کے لئے جو کونسلیں یا کمیٹیاں بنائی گئی ہیں، ان میں یا تو عوام کے نمائندے ہیں یا اُن کی سربراہی اور رہنمائی علمائے کرام اور ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے جج صاحبان کے سپرد کی گئی ہے۔ انتظامیہ کا اس میں عمل دخل کم ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ زکوٰۃ اور عشر کی جو آمدنی مقامی سطح پر جمع ہوگی وہ وہیں خرچ بھی کی جائے گی اور آمدن اور اخراجات کا باقاعدہ حساب رکھا جائے گا۔

چوتھی اور سب سے اہم بات جس پر میں خاص زور دینا چاہتا ہوں، یہ ہے کہ زکوٰۃ اور عشر کی آمدنی صرف ان مدوں پر خرچ کی جائے گی جن کی اسلام نے اجازت دی ہے۔

زکوٰۃ کے جملہ مصارف جن کی شریعت نے نشاندہی کی ہے، زکوٰۃ آرڈیننس میں درج کردیئے گئے ہیں اور اس بات کا پورا پورا اہتمام کیا گیا ہے کہ ان مصارف سے ہرگز روگردانی نہ کی جائے۔

پانچویں بات یہ ہے کہ زکوٰۃ میں جو رقم دی جائے گی وہ اس آمدنی سے منہا کی جائے گی جس پر انکم ٹیکس لگایا جاتا ہے۔

چھٹی بات یہ ہے کہ جس جائیداد یا سرمائے پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی اس پر دولت ٹیکس نہیں لگایا جائے گا۔

ساتویں اور آخری بات یہ ہے کہ عُشر کی ادائیگی کی صورت میں متعلقہ فصل پر مالیہ وصول نہیں کیا جائے گا۔

یہ تھیں چند اہم باتیں جن کی میں وضاحت کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ اب میں آپ کو اس بات کا احساس دلانا چاہتا ہوں کہ آج کا دن کوئی معمولی دن نہیں ہے۔ آج شعبان المعظم کی چھ تاریخ اور جمعۃ المبارک کا بابرکت دن ہے۔ یہ وہ باسعادت گھڑی ہے جس کے لئے اس علاقے کے مسلمان صدیوں سے منتظر تھے، یہ وہ یادگار لمحہ ہے جس کی راہ فرزندانِ توحید ایک عرصے سے دیکھ رہے تھے۔ آج کا یہ بابرکت دن، آج کی یہ باسعادت گھڑی اور آج کا یہ یادگار لمحہ اجتماعی طور پر اس عہد کے ایفا کا وقت ہے جو ہمارے ایمان کا اہم جزو اور ہماری نجات کی لازمی شرط ہے، کیونکہ قرآن پاک میں اکثر جگہ جب "اقیموا الصلوٰۃ" کا حکم آیا ہے تو اس کے ساتھ "اٰتوا الزکوٰۃ" کی بھی تاکید کی گئی ہے۔

ہماری فلاح اور ہماری بقا اسی میں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے دیگر احکام کی تعمیل کے ساتھ "اقیموا الصلوٰۃ" اور "اٰتوا الزکوٰۃ" کی بھی پابندی کریں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام انسان کی آسانی اور فلاح و بہبود کے لئے آئے ہیں۔ ان پر عملدرآمد کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آنی چاہیے۔

زکوٰۃ آرڈیننس کے نفاذ سے قبل بعض جگہوں پر میں نے اور بعض جگہ پر گورنر صاحبان اور خود لوگوں نے بیت المال کا اعلان کیا ہے اور بعض جگہوں پر مقامی لوگوں نے رضاکارانہ طور پر بیت المال قائم کئے ہیں۔

آپ نے ڈنڈوت کے قصبے کا نام سنا ہوگا۔ وہاں بسنے والے مسلمانوں کے کوئی خاص پر نہیں لگے ہوئے ہیں۔ وہ بھی ہماری طرح مسلمان ہیں۔ وہاں لوگوں نے اپنے طور پر بیت المال قائم کیا ہے۔ ان کا جذبہ قابلِ تعریف ہے۔ راولپنڈی ڈویژن میں ۱۶۶ بیت المال کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں جن میں لوگوں نے رضاکارانہ طور پر ۱۸ لاکھ روپے کی رقم جمع کرائی ہے تاکہ غرباء کے مسائل حل کئے جا سکیں۔ میں راولپنڈی ڈویژن کے اہالیان اور اس کارِ خیر میں مدد دینے والوں کو مبارک باد دیتا ہوں اور ان کے لئے دعا کرتا ہوں کہ خدا ان کی آمدنی میں اور زیادہ برکت دے۔

آیئے سب مل کر دعا کریں کہ آج جو قانون جاری کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اسے کامیابی سے چلانے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے اور ہمیں اس کا اہل بنائے کہ ہم اس کے ذریعے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق مستحقین خصوصاً غریبوں، مسکینوں، بیواؤں، یتیموں، نادار طالب علموں اور دینی مدارس کی صحیح اسلامی معنوں میں مدد کریں اور سچے اسلامی معاشرے کی تشکیل کر سکیں جس میں زکوٰۃ دینے والے تو ہوں، لیکن زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ہماری کوششوں میں برکت دے، آمین!

پاکستان پائندہ باد

علومِ ارضی کے موضوع پر بین الاقوامی کانفرنس کی افتتاحی تقریب سے خطاب

(انگریزی سے ترجمہ)

اسلام آباد: ۲۲ جون، ۱۹۸۰ء

پاکستان میں پہلی دفعہ علومِ ارضی کے موضوع پر ایک چار روزہ بین الاقوامی کانفرنس اسلام آباد میں ۲۲ جون ۱۹۸۰ء کو منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ممالک کے مندوبین نے شرکت کی۔ کانفرنس کے پہلے اجلاس سے رائل جغرافیائی سوسائٹی کے سابق صدر لارڈ شیکلٹن Lord Shackleton اور چین کے ماہرِ ارضیات پروفیسر چانگ Prof. Zhang نے بھی خطاب کیا۔ صدرِ پاکستان نے اپنے افتتاحی خطاب میں اس بات پر زور دیا کہ سائنسی تحقیق اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کو ایک دوسرے سے تعاون کرنا چاہئے تاکہ تمام بنی نوع انسان کو بیک وقت ان سے فائدہ پہنچ سکے اور ترقی کی رفتار بھی تیز تر ہو۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کو زرعی پیداوار میں ترقی کے لئے تحقیق اور توانائی کے ملکی وسائل کی تلاش اور ان کے فروغ میں خصوصی دلچسپی ہے۔ انہوں نے اس اہم بین الاقوامی کانفرنس کا اہتمام کرنے پر قائد اعظم یونیورسٹی کو خراجِ تحسین پیش کیا اور امید ظاہر کی کہ آئندہ بھی یونیورسٹی اپنا اہم کردار ادا کرتی رہے گی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیۡنَ۔

وفاقی وزیرِ تعلیم جناب محمد علی ہوتی صاحب،

قائدِ اعظم یونیورسٹی کے وائس چانسلر، ڈاکٹر احمد محی الدین صاحب،

رائل جیوگرافیکل سوسائٹی لندن کے سابق صدر، لارڈ شیکلٹن صاحب،

چینی وفد کے لیڈر، پروفیسر چانگ صاحب،

دیگر مندوبینِ گرامی،

معزز حاضرین !

السلام علیکم ۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے علومِ ارضی کے متعلق اس بین الاقوامی کانفرنس کے افتتاح کی عزت بخشی۔ میں رائل جیوگرافیکل سوسائٹی کا بھی شکر گزار ہوں کہ اس نے دنیا بھر میں سائنسی تحقیقات کی ایک سو پچاسویں سالگرہ منانے کے لئے قراقرم جیسے عظیم سلسلۂ کوہ کو موضوع بنایا۔ میں اس اہم کانفرنس کے تمام شرکا، خصوصاً غیر ملکی مندوبین کو خوش آمدید کہتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس مہم کو

کامیاب بنانے کے لئے انہیں تمام ضروری سہولتیں میسّر ہوں گی۔

اس کانفرنس کا یہ پہلو بڑا خوش آئند ہے کہ اس میں پاکستان کے علاوہ ہمارے عظیم ہمسایہ ملک، عوامی جمہوریۂ چین اور مغربی دنیا کے ایک ترقی یافتہ ملک، برطانیہ کے نامور ماہرین بھی شرکت کر رہے ہیں۔ عصرِ حاضر میں سائنسی ترقی کا کام اتنا پیچیدہ اور اس کے اخراجات اتنے زیادہ ہو گئے ہیں کہ مختلف ممالک کو سائنس اور ٹیکنالوجی کے بعض شعبوں پر اپنی اپنی اجارہ داری قائم کرنے کی بجائے تمام ممالک کو اشتراکِ عمل سے کام لینا چاہئے۔ خاص طور پر یہ ضروری ہے کہ ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک اس میدان میں ایک دوسرے سے تعاون کریں تاکہ تمام بنی نوع انسان کو بیک وقت سائنسی معلومات کا فائدہ پہنچ سکے۔ اس اشتراک اور تعاون سے سائنسی ترقی کی رفتار کو تیز تر کرنے میں بھی مدد ملے گی۔

پاکستان سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں تحقیق اور ترقی کا نہ صرف خواہاں ہے بلکہ اپنے وسائل کے مطابق اس سلسلے میں خاطر خواہ کوشش بھی کر رہا ہے۔ دیگر شعبوں کے علاوہ ہم جن پہلوؤں پر خصوصی توجہ دے رہے ہیں، وہ دو ہیں:

۱۔ زرعی پیداوار میں ترقی کے لئے تحقیق

۲۔ توانائی کے ملکی وسائل کی تلاش اور ان کا فروغ

پہلے شعبے میں پاکستان کی زرعی تحقیقاتی کونسل اس بات کی کوشش کر رہی ہے کہ جدید تحقیقات کی مدد سے پاکستانی زراعت میں ایک ایسا انقلاب لایا جائے جس کے ذریعے نہ صرف ہم اپنی زرعی ضروریات میں خود کفیل ہو سکیں بلکہ بعض دوسرے ممالک کی ضروریات بھی پوری کر سکیں، جبکہ شعبۂ توانائی میں ہماری کوشش یہ ہے کہ توانائی کے تمام ملکی ذرائع تلاش کئے جائیں اور موجودہ ذرائع کو فروغ دیا جائے تاکہ ہم توانائی کی زیادہ سے زیادہ ضروریات مقامی طور پر پوری کر سکیں۔ اس سلسلے میں جن شعبوں پر خصوصی توجہ دی جا رہی

ہے ان میں تیل کی تلاش کے علاوہ شمسی Solar ہوائی Wind آبی Hydro گوبر گیس Bio-Gas اور زیر زمین حرارت کے ذرائع یعنی Geo-Thermal Energy وغیرہ شامل ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ان وسائل کو ترقی دے کر ہم توانائی کے میدان میں خود کفیل ہو جائیں گے۔

پاکستان کے پس منظر میں ہی، میں اس بات پر بھی زور دینا چاہتا ہوں کہ ہم علوم ارضی سمیت سائنس اور ٹیکنالوجی کے اکثر میدانوں میں ایسی منزل پر ہیں جہاں ہم زمانۂ ماضی کے تاریک دور کو بہت پیچھے چھوڑ آئے ہیں، لیکن اس میدان میں اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے ابھی ہمیں بہت کچھ کرنا ہے۔ ہمارے ہاں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بڑے نامور اور باصلاحیت سائنس دان موجود ہیں جو اپنے اپنے شعبے میں بڑی دل جمعی سے کام کر رہے ہیں۔ ان کے کام کو آگے بڑھانے کے لئے انہیں ضروری مواقع اور سہولتیں مہیا کرنا حکومت کا کام ہے جس کی طرف پوری توجہ دی جا رہی ہے۔ حکومت کو تمام سائنس دانوں، خاص طور پر ان ماہرین سے بڑی توقعات ہیں جو زرعی، آبی اور معدنی منصوبوں پر کام کر رہے ہیں۔ زندگی کے کئی شعبوں مثلاً زراعت، صنعت، ایندھن اور توانائی کے میدان میں پیش رفت کافی حد تک ان کی کوششوں پر منحصر ہے۔ میں ان سائنس دانوں اور انجینئروں کے علاوہ ملک کی یونیورسٹیوں اور تحقیقی اداروں سے بھی توقع کروں گا کہ وہ اپنی تحقیق کے ذریعے پاکستان کو درپیش مسائل کا حل جلد از جلد تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔ میرا اشارہ خاص طور پر ان تحقیقی شعبوں کی طرف ہے جن پر پاکستان کی زرعی، صنعتی اور معدنی ترقی کا انحصار ہے۔

پاکستان کی طرح دوسرے ممالک بھی اپنی اپنی ضروریات، اپنے اپنے وسائل اور اپنی اپنی ترجیحات کے مطابق سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں تحقیق کر رہے ہیں، میں اس بات کو بڑی شدت سے محسوس کرتا ہوں کہ ان تمام ممالک کی انفرادی کوششوں سے استفادہ کرنے

اور انہیں آپس میں ہم آہنگ بنانے کی اشد ضرورت ہے۔ قراقرم پروجیکٹ ۱۹۸۰ء اس قسم کے بین الاقوامی تعاون کی ایک عمدہ مثال ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس پروجیکٹ میں شامل ہونے والے پاکستانی، چینی اور برطانوی سائنس دان، انجینئر اور سروے کے ماہرین ان تمام پہلوؤں کا جائزہ لیں گے جو دورِ حاضر اور مستقبل کے لئے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ اس وقت میرے پیشِ نظر تحقیق کے جو میدان ہیں، ان میں سیلاب اور طغیانی کے امکانات، معدنی وسائل، توانائی کے زمینی ذرائع، زلزلے کے خدشات اور ان کے تدارک کے امکانات وغیرہ شامل ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ علومِ ارضی کے ماہرین کی حیثیت سے جب آپ اس "مہم" کا آغاز کریں گے تو آپ کے سامنے تحقیق کے مزید کئی اُفق روشن ہوں گے۔ میری یہ خواہش ہے کہ اس سرگرمی اشتراک کو وسعت دے کر اس کی افادیت کو دوسرے ممالک اور تحقیق کے دوسرے شعبوں تک پھیلایا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے مستفید ہو سکیں۔ اس سلسلے میں حکومتِ پاکستان ہر طرح تعاون کرے گی۔

دوسری بات جس پر میں زور دینا چاہتا ہوں، وہ علم اور عمل کے درمیان متواتر رابطے اور امتزاج کی ضرورت ہے۔ یعنی لیبارٹری سے حاصل شدہ علم کو عملی زندگی کی کسوٹی پر پرکھنا ضروری ہے اور عملی مہموں سے حاصل کردہ معلومات کو تحقیقی کام کو آگے بڑھانے کے لئے استعمال میں لانا لازمی ہے۔ قراقرم پروجیکٹ ۱۹۸۰ء انشاءاللہ اس سلسلے میں ایک مفید اقدام ثابت ہوگا۔ مجھے اُمید ہے کہ اس مہم میں سول، مکینکل اور الیکٹریکل انجینئروں کے علاوہ طبقات الارض، ارضی طبیعات اور علمِ مساحت کے جو ماہرین شامل ہیں، وہ اہم اور مفید نتائج تک پہنچیں گے۔ علاوہ ازیں، اس سائنسی اور تحقیقاتی کام میں جو پاکستانی ماہرین شامل ہو رہے ہیں، ان کے لئے یہ بڑا نادر موقع ہے کہ وہ ایک طرف عوامی جمہوریۂ چین اور دوسری طرف برطانیہ جیسے ترقی یافتہ ملک کے مندوبین کے ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں۔ ہم ان دونوں ممالک سے سائنس

اور ٹیکنالوجی کے میدان میں بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ پاکستانی سائنس دان اور ماہرین نہ صرف اس کانفرنس سے پورا پورا استفادہ کریں گے بلکہ اسے ہر لحاظ سے کامیاب بنانے کی بھی پوری کوشش کریں گے۔

ہمارے لئے سلسلۂ قراقرم کی صرف یہی اہمیت نہیں کہ یہ ہمیں اپنے عظیم ہمسایہ ملک عوامی جمہوریۂ چین سے ملاتا ہے جس کے تعاون سے یہاں عظیم شاہراہِ قراقرم بھی تعمیر کی گئی ہے بلکہ یہ پاکستان کا وہ علاقہ ہے جو زمانۂ قدیم سے بڑے بڑے سائنس دانوں اور سیّاحوں کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ ان سیّاحوں اور سائنس دانوں نے اپنے تجربات سے جو اہم جغرافیائی اور سائنسی معلومات مرتّب کیں، وہ آج علومِ ارضی کا ایک قابلِ قدر حصّہ ہیں۔ مجھے قوی اُمید ہے کہ اسلام آباد میں سہ روزہ کانفرنس کے بعد قراقرم کی طرف جو مہم روانہ ہوگی، وہ زمانۂ قدیم کے سائنس دانوں اور ماہرین سے کہیں زیادہ مفید اور نتیجہ خیز ثابت ہوگی۔

اس کانفرنس اور اس کے بعد شروع ہونے والی مہم کی روحِ رواں رائل جیوگرافیکل سوسائٹی ہے جو گزشتہ ڈیڑھ سو سال سے علمِ جغرافیہ کے متعلق اہم خدمات انجام دے رہی ہے۔ برّی اور بحری مقامات اور نئی قسم کی نباتات سے متعلق معلومات بہم پہنچانے میں اس سوسائٹی کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ مجھے امید ہے اس کی موجودہ مہم بھی کامیاب ثابت ہوگی۔

عوامی جمہوریۂ چین کے ساتھ ہمارے گہرے تعلقات ہیں جو کئی شعبوں میں اشتراک کی قابلِ قدر صورت اختیار کر چکے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ آج کی تقریب میں بھی ہمارے چینی مہمان موجود ہیں۔ ہم اس مہم میں ان کی شرکت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور توقّع رکھتے ہیں کہ دونوں ملکوں کے درمیان اشتراک اور دوستی کو مزید فروغ حاصل ہوگا۔

میں قائدِ اعظم یونیورسٹی کی کوششوں کو بھی تحسین کی نظروں سے دیکھتا ہوں جس نے اس اہم بین الاقوامی کانفرنس کا اہتمام کیا ہے۔ ایسی کانفرنس کا اہتمام یونیورسٹی کے بنیادی مقاصد

کے عین مطابق ہے۔ مجھے امید ہے کہ علم اور تحقیق کے میدان میں یہ یونیورسٹی آئندہ بھی اپنا اہم کردار ادا کرتی رہے گی۔

میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے اس کانفرنس کے افتتاح کی دعوت دی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے مقاصد میں کامیاب فرمائے اور دنیا بھر کے سائنس دانوں کی کوششوں کو بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کا پیش خیمہ بنائے۔ آمین!

پاکستان پائندہ باد

اشاریہ

شائع کردہ
محکمۂ فلم و مطبوعات
وزارتِ اطلاعات و نشریات
حکومتِ پاکستان،
اسلام آباد

برق سنز پرنٹرز لمیٹڈ، اسلام آباد